ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲
یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں ہے۔
(یہ) ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کیلئے
کتاب مستطاب
جلد چہارم
فیضان الرحمن
فی تفسیر القرآن
از افادات عالیہ
مفسر قرآن حجۃ الاسلام حضرت العلام مجتہد العصر والزمان مدظلہ العالی
آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین النجفی
ناشر
مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

نام کتاب-----------------------فیضان الرحمٰن

جلد-----------------------جلد چہارم

مصنف-----------------------آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی دام ظلہ

کمپوزنگ-----------------------فضل عباس سیال (الحمد گرافکس لاہور)

ڈیزائننگ وسیٹنگ-----------------قلب علی سیال فون: 0301-7229417

سال اشاعت-----------------2013ء

ناشر-----------------------مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

ہدیہ-----------------------

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فون نمبرز۔ 042-37314311,0321-4481214

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ ناشر

قارئین کرام!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ !مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عہدِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ادارہ ھذا کی یہ شہرت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی تائید واعانت کا ثمرہ ہے۔

مہربان،رحیم وکریم خالق نے ''انسان'' کو اپنی تمام مخلوقات میں عزت وشرف کے تاج سے مزیّن فرما کر فلکِ نیلگوں کے زیرِ سایہ نعماتِ انواع واقسام سے سرشار،فکری ونظری نشانیوں سے مرصع ایسے قطعۂ ارض پر متمکن فرمایا۔جہاں ہر روز آفتابِ عالم ظلمات اللّیل کو فاش کرتے ہوئے نجوم وقمر کے تسلط کو دامنِ فلک میں گوشہ نشین کر دیتا ہے اور اپنے فیوضاتِ پُروقار سے ہر ذی روح کے اندر زندگی کی ہلچل کو تیز تر کر دیتا ہے۔

نظامِ شمس وقمر کی ان ضیاؤں سے ہر ذی روح اپنی اپنی استطاعتِ بصارت وبصیرت کے مطابق فیض یاب ہوتا ہے۔نباتات اپنی صغیر کلیوں اور حسین پھولوں کے ذریعے شبنم وقمر کی مٹھاس سے لطف اندوز ہوتے ہیں چرند وپرند سورج کی کرنوں سے سینۂ ارض پر غذائی نعمات پا کر مسرور ہوتے ہیں۔درندے تاریکیوں کو جال سمجھ کر اور روشنیوں کو غنیمت جان کر دھرتی پہ جلوہ فگن حُسنِ زندگی کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔سورج کی تمازت خیز کرنیں ہوں یا چاند کی دلنشیں شعاعیں،صاحبانِ بصیرت کیلئے تاریکیوں سے نکل کر اُجالوں سے مستفیض ہونے کی نوید ہیں۔

لٰہذا وہ پاکیزہ نفوس کے حامل اہل بصیرت جو روشنیوں کے منتظر ہوتے ہیں،وہ خوابِ غفلت میں مدہوش گہری نیند نہیں سوتے بلکہ جونہی ظلمات اللیل اٹھتے ہیں،وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں۔مگر وہ مریض نفوس جنہیں قدرت کی ایسی عظیم نعمتوں سے فیضیاب ہونا ہی نہیں آتا وہ سورج کے اس نورِ بے کراں کے سامنے بے فیض ہو کر اپنے مستقبل سے بے خبر،مایوسیوں کے شکنجے میں مقفس،پردے کی اوٹ میں چادر اُوڑھ

کر معمول کی گہری نیند سو جاتے ہیں۔

''انسان''، جسم وروح سے مرکب، عقل سلیم کے زیور سے آراستہ اپنے اندر صفاتِ جمیلہ وصفات رذیلہ ہر ایک کے ارتقاء کی قوت رکھتا ہے۔ رذائل کا ارتقاء حیوانات سے بھی بدتر درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ جبکہ صفات جمیلہ کے ارتقاء سے انسان ملائکہ سے بھی افضل قرار پاتا ہے۔ مایوس اور مریض نفوس کی شفا یابی کیلئے، صفاتِ رذیلہ کے خاتمے اور صفاتِ جمیلہ کے ارتقاء کیلئے ہمیشہ حکیمِ روحانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ روحانی تسکین اور معرفتِ الٰہی سے فیض یاب ہونے کیلئے قرآنی آیات پر غور وفکر کرنا، ان کے رموز وحقائق کو سمجھنا اور قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر اپنی زندگی گزارنا، آخرت کی کامیابی وکامرانی کا باعث ہے۔

بلاشبہ دنیا کا ہر شخص دوسری زبانوں کے علاوہ اپنے ملک اور اپنی قومی زبان، بلکہ اپنے علاقے کی زبان سے زیادہ مانوس ہوتا ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر پاکستان میں علاقائی ذوقِ زبان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور عقائد کی اصلاح اور ان کی پختگی اور اعمال کی اہمیت اور ان کی درستگی کیلئے 10 جلدوں پر مشتمل زیرِ نظر تفسیری مجموعہ ''**فیضان الرحمٰن**'' قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تفسیری مجموعہ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہٗ العالی کی عظیم مساعی جمیلہ اور شب وروز کی محنت کا ثمرِ نایاب ہے۔ خداوند عالم اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور انہیں طاقت وصحت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

اراکین مصباح القرآن ٹرسٹ قبلہ موصوف کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنہوں نے ادارہ ھذا کو یہ تفسیری مجموعہ پرنٹ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مزید برآں آپ ہماری تمام کتب بشمول تفسیر فیضان الرحمٰن ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی ویب سائٹ www.misbahulqurantrust.com کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکتے ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہرِ نایاب سے بھرپور علمی وعملی استفادہ فرمائیں گے۔ اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست مضامین جلد چہارم

سُوْرَۃُ هُوْدٍ ---------------------------- ۲۹۰

سُوْرَۃُ یُوْسُفَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

آیات القرآن

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۬ۙ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور جان لو کہ جو چیز بھی تمہیں بطور غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے، رسول کے لئے، (اور رسول کے) قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے (یہ واجب ہے) اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندہ خاص پر حق و باطل کے فیصلہ کر دینے والے دن نازل کی تھی جس دن (مسلمانوں اور کافروں کی) دو جمعیتوں میں مڈبھیڑ ہوئی تھی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۴۱) جس وقت تم قریب کے ناکہ پر تھے اور وہ دور کے ناکہ پر اور قافلہ تم سے ادھر نیچے (ساحل سمندر پر) تھا اگر تم ایک دوسرے سے وقت مقرر کر لیتے تو بھی تم میں اختلاف ہو جاتا۔ لیکن خدا نے تو اس بات کو پورا کرنا تھا

جو (مڈبھڑ) ہونے والی تھی۔تا کہ جو ہلاک ہو وہ اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے تو وہ بھی اتمام حجت کے بعد زندہ رہے بے شک اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے (۴۲)(اور اے نبی) وہ وقت یاد کرو۔ جب اللہ نے خواب میں آپ کو ان (کفار) کی تعداد تھوڑی کر کے دکھائی تھی اور اگر وہ انہیں زیادہ کر کے دکھا تا تو تم ہمت ہار جاتے۔اور آپس میں جھگڑنے لگتے۔لیکن اللہ نے اس سے بچایا بے شک اللہ سینوں کے اندر والی باتوں کا خوب جاننے والا ہے (۴۳)

تشریح الالفاظ

۱۔غنمتم۔غنیمت سے مشتق ہے جس کے معنی لغت میں اس مال کے ہیں جو جنگ میں حاصل کیا جائے اور مطلق کمائی کے بھی ہیں۔

۲۔یوم الفرقان کے معنی وہ دن جو حق و باطل میں امتیاز کرنے والا ہے یعنی جنگ بدر کا دن۔

۳۔عدوہ کے معنی میں وادی کا کنارہ۔

۴۔میعاد کے معنی ہیں وعدہ کا وقت اور وعدہ کی جگہ۔

۵۔فشل۔ کے معنی بزدلی کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۳۶۔وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ...الآیۃ

مال غنیمت کا صحیح مفہوم اور دوسرے بعض متعلقہ احکام کا بیان

عام ذہنوں میں یہی چیز راسخ ہے کہ ”غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو اسلامی جہاد میں کفار کے خلاف لشکرکشی کرنے اور پھر ان پر غلبہ پانے کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔مگر لغوی معنی کے لحاظ سے اس کا دائرہ قدرے وسیع ہے۔اور اس لحاظ سے ہر کمائے ہوئے فائدہ کو غنیمت کہا جاتا ہے۔چنانچہ مجمع البحرین میں لکھا ہے۔ الغنیمۃ الفائدۃ المکتسبۃ۔یعنی ہر کمائے ہوئے فائدہ کو غنیمت کہا جاتا ہے۔نیز سعی و کوشش سے حاصل کردہ مال کو بھی غنیمت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ تفسیر قرطبی میں لکھا ہے۔ الغنیمۃ فی اللغۃ ما ینا له الرجل او

الجماعة بسعی۔ یعنی کسی فرد یا جماعت کے سعی و کوشش سے حاصل کردہ مال کو لغت میں غنیمت کہا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء شیعہ نے اس کے لغوی معنی کی وسعت کے مطابق اور اہل بیت نبوت کی تعلیمات کے موافق بہت سے اموال کو لفظ ''غنیمت'' میں داخل کیا ہے۔ جیسے دار الحرب کا مال غنیمت اور دفینے معادن، غوطہ زنی، مال حلال مخلوط بالحرام اور باقی تجارت کے منافع وغیرہ جن کی تفصیل فقہی کتابوں میں مذکور ہے۔ جن میں سے ایک ہماری کتاب قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفر یہ بھی ہے۔

احادیث اہل بیت علیہم السلام سے عمومی معنی کی تائید مزید

کئی حدیثوں میں وارد ہے کہ روزمرہ کے کسب کا نام غنیمت ہے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ **ھی واللہ الا فادۃ یوماً بیوم**۔ بخدا روزمرہ کے فائدہ کا نام غنیمت ہے (تہذیب الاحکام)

بروایت سماعہ حضرت امام موسیٰ ؑ سے مروی ہے فرمایا۔ **فی کل ما افادالناس من قلیل و کثیر**۔ جو کچھ لوگ کمالائیں کم ہو یا زیادہ اس پر خمس ہے۔

بعض معارض روایات کا تذکرہ

اگرچہ ان کے بالمقابل بعض ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ خمس صرف اسی مال غنیمت پر ہے جو دار الحرب کے کفار سے حاصل ہو۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا لیس الخمس الا فی الغنائم۔ کہ خمس صرف مال غنیمت پر ہے۔ (تفسیر برھان)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فاضل طبری نے لکھا ہے کہ **المراد بہ لیس الخمس بظاھر القرآن الا فی الغنائم خاصۃ**۔ یعنی ظاہر قرآن کے مطابق صرف مال غنیمت میں خمس ہے (بحوالہ تفسیر برہان ج ۲ ص ۸۶ طبع ایران)

مگر بناء بر مشہور بوجہ شہرت پہلی قسم کی حدیثوں کو ترجیح دی گئی ہے

مال غنیمت کی تقسیم کا بیان

سورہ انفال کے آغاز میں شیعی نقطۂ نگاہ سے غنیمت، انفال اور مال فئی میں جو باریک فرق ہے اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ بہرحال جب لوگوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

انفال کے بارے میں سوال کیا۔ تو خدائے علیم وحکیم نے صرف یہ مختصر جواب دیا کہ **قل الانفال للہ والرسول**۔ (آیت۔۱) کہہ دو۔ انفال اللہ کے لئے ہیں اور رسول کے لئے، وہاں انفال وغیرہ کی تقسیم کا کوئی طریقہ کار نہیں بتایا گیا۔ مگر یہاں دسویں پارہ کے آغاز میں مال غنیمت کی تقسیم کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس کے پانچ حصے کئے جائیں گے اور پھر یہ پانچواں حصہ چھ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

۱۔ خدا کا حصہ ۲۔ رسول کا حصہ۔

۳۔ ذی القربیٰ یعنی امام کا حصہ۔ (فقہاء شیعہ کی اصطلاح میں ان تینوں حصوں کو سہم امام کہا جاتا ہے)

۴۔ یتیموں کا حصہ ۵۔ مسکینوں کا حصہ ۶۔ ابناء السبیل (مسافروں) کا حصہ۔

آج کل فقہاء شیعہ کی اصطلاح میں ان تینوں حصوں کو سہم سادات کہا جاتا ہے) بہر حال خدا کا حصہ رسول کا ہے جسے وہ اپنے ذاتی مصارف اور امت مسلمہ کے اجتماعی مفادات پر صرف کرتے ہیں۔ اور آپ کے بعد یہ دونوں حصے آپ کے قائم مقام کے ہیں۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں بیان تو ہو رہا ہے مال غنیمت کی تقسیم کے طریقہ کار کا مگر قرآن نے یہاں صرف اس کے پانچویں حصے کی تقسیم کی تفصیل بیان کی ہے باقی چار حصوں کا یا ان کی تقسیم کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک باقی حصوں کا تعلق ہے تو وہ انہی الفاظ سے سمجھے جاتے ہیں کہ وہ مجاہدین کے ہیں کیونکہ یہ واعلموا کا خطاب ہی مسلمان مجاہدین سے ہے۔ تو یہ ایسے ہی ہے جیسے وراثت کے سلسلہ میں مذکور ہے۔ **و ورثہ ابواہ فلامہ الثلث** کہ اگر کسی مرنے والے کے وارث اس کے والدین ہوں تو اس کی ماں کو ایک ثلث ملے گا۔ جس سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ باقی دو ثلث اس کے باپ کو ملیں گے اب رہی یہ بات کہ مجاہدین میں وہ حصے کس طرح تقسیم کئے جائیں گے تو یہ بات عمل رسول سے ثابت ہے کہ آپ پیادہ کو اکہرا اور سوار کو دوہرا حصہ دیتے تھے۔

یتیم، مسکین اور مسافر سے قرابت داران رسول کے یتیم وغیرہ مراد ہیں

امت مسلمہ کے اندر اس بات میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہاں رشتہ داروں سے مراد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار و قرابتدار ہیں جن کی کفالت آپ کے ذمے تھی اور جن پر صدقہ (زکوٰۃ وفطرہ) **بوجہ اوساخ الناس** (لوگوں کا میل کچیل) ہونے کے حرام تھا۔ اور ہمارے نزدیک اس سے صرف مخصوص قرابتدار یعنی آئمہ اہل بیت علیہم السلام مراد ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابتدار ہونے کے علاوہ آپ کے قائم مقام بھی ہیں اور لوگوں کے امام بھی۔ اور ان کا یہ حصہ بدستور قائم ہے۔ الا اینکہ خود معاف کر دیں۔

البتہ مسلمانوں میں اختلاف اس بات میں ہے کہ یہاں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں سے امت

مرحومہ کے عام یتیم، مسکین اور مسافر مراد ہیں۔ یا اس سے خاندان رسالت کے یتیم، مسکین اور مسافر مراد ہیں؟ عام مسلمانوں اس سے عام یتیم وغیرہ مراد لیتے ہیں مگر فقہاء شیعہ تعلیمات اہل بیتؑ کی روشنی میں اس سے صرف خاندان رسالت (سادات کرام) کے یتیم و مسکین اور مسافر مراد لیتے ہیں۔ اور اس مضمون کی متعدد احادیث، تفسیر عیاشی وصافی اور برہان وغیرہ میں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ الیتٰمی والمساکین وابن السبیل مناخاصۃ ان اصناف ثلاثۃ سے بالخصوص ہمارے یتیم، مسکین اور مسافر مراد ہیں۔ ((الکافی وتہذیب الاحکام)

مخفی نہ رہے کہ سورہ حشر میں مال فیٔ کے سلسلہ میں جو وارد ہے۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فلہ وللرسول ولذی القرباء والیتامی والمساکین وابنا السبیل۔ ان سے بھی خاندان رسالت کے قرابتدار، یتیم، مسکین، اور مسافر مراد ہیں (ایضاً)۔

ورنہ ظاہر ہے کہ فیٔ وانفال صرف خدا اور رسول کا مال ہے اسمیں لوگوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

برادران اسلامی کے بعض مفسرین کے کلام سے ہمارے موقف کی تائید

فاضل طبری نے اپنی تفسیر ابن جریر میں اور ابوحیان اندلسی نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اس مقام پر لکھا ہے۔

” قال علی بن ابیطالب علیہ السلام الیتامیٰ والمساکین ایتا منا و مساکیننا۔ یعنی حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہاں یتیموں اور مسکینوں سے ہم (آل محمد علیہم السلام) کے یتیم و مسکین مراد ہیں۔ والحمد للہ علی احقاق الحق ویحق اللہ الحق بکلماتہ۔

زمانہ غیبت کبریٰ میں خمس کا حکم؟

موجودہ دور میں جبکہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف بحکم خدا غیبت میں ہیں۔ اور پس پردہ رہ کر اہل عالم کو اپنے روحانی فیوض و برکات سے فیضیاب کررہے ہیں اور جب مشیت ایزدی ہوگی تو ظہور فرما کر دنیا سے ظلم و جور کا خاتمہ کرکے عدل الٰہی کو عام کریں گے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا اہتمام کریں گے۔ انشاء اللہ

فقہاء امامیہ میں خمس کے بارے میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں قریباً پندرہ قول ہیں اور ان کے قائل بھی موجود ہیں۔ اگرچہ مشہور قول یہی ہے کہ الآن کما کان یعنی آج کل اس کا وہی حکم ہے جو ظہور آئمہؑ کے وقت تھا کہ بدستور سابق واجب ہے۔ مگر اس کے بالمقابل اور بھی بہت سارے قول موجود ہیں۔ جن میں سے ایک علی الاطلاق سقوط والا قول بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں خمس کا وجوب ساقط ہے۔ اور یہ قول

متقدمین میں سے جناب شیخ سلار۔اور متاخرین میں سے فاضل محمد باقر خراسانی نے اور شیخ عبداللہ بحرانی وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔اوران کا مدرک وہ روایات ہیں جو مختلف ائمہ سے عموماً اور امام زمانہؑ سے خصوصاً وارد ہیں جن میں خمس کی اباحت کا تذکرہ ہے۔بہرحال تحقیق حال کے طلبگار حضرات عام مفصل فقہی کتابوں کی طرف یا کم از کم ہماری قوانین الشریعہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ہاں البتہ یہاں صرف اس قدر عرض کر دینا شاید نامناسب نہ ہوگا کہ ہماری ناچیز تحقیق یہ ہے کہ موجودہ دور میں سہم سادات کی ادائیگی بہرحال واجب ہے جو حاجتمند سادات کرام کی ضروریات پر صرف کیا جائے گا۔اور جہاں تک سہم امامؑ کا تعلق ہے تو وہ ساقط ہے۔اور اس کا مدرک علاوہ روایات اباحت کے وہ خصوصی توقیع مبارک ہے جو خود امام زمانہ سے منقول ہے کہ فرمایا و اما الخمس فقد ابیح لشیعتنا وقد جعلوا منه فی حل الی وقت ظهورنا لتطیب ولا دتهم ولا تخبث''

(اکمال الدین صدوق،احتجاج طبرسی،ثالث عشر بحار مجلسیؒ،نجم ثاقب نوری وغیرہ)

اور اس قول کو آقا السید محمد صاحب المدارک (شرح شرائع) محدث کاشانی صاحب (الوافی و تفسیر صافی)

اور شیخ یوسف بحرانی صاحب الحدائق وغیرہ نے اختیار کیا ہے هذا ما عندی والله العالم بحقیقة الحال او نوابه القائمون مقامه فی معالم الحرام والحلال

۳۷۔يَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ... الآیة۔

حق و باطل میں امتیاز کرنے والے دن سے بالاتفاق غزوہ بدر کا دن مراد ہے جس دن دو جمعتیوں کی مڈبھیڑ ہوئی تھی جس دن مخالفین کے جملہ شکوک وشبہات کے بادل چھٹ گئے تھے اور مطلع حق وحقیقت بالکل بے غبار ہو کر واضح اور آشکار ہو گیا تھا۔باوجود قلت عددی اور بے سروسانی کے خدائے فتاح نے محض اپنی تائید غیبی اور قدرت ربانی سے معجزانہ طور پر مسلمانوں کو عدیم النظیر فتح وفیروزی عطا فرمائی تھی اس عنوان سے مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ حقیقت جاگزین کی جارہی ہے کہ فتح ونصرت صرف تمہاری قوت بازو کا نتیجہ نہیں ہے۔بلکہ قدرت یزدانی کا ثمرہ ہے۔لہٰذا یہ خیال کرنا کہ مال غنیمت سارے کا سارا تمہیں ملنا چاہیے۔ اور نہ ہی نشۂ فتح میں مخمور ہونا چاہیے۔بلکہ اگر تمہارے دلوں میں ضیاء ایمان موجود ہے تو غزوہ بدر والے دن خدا کے مراحم والطاف خسروانہ دیکھ کر تمہارے ایمان کو مزید مستحکم ہونا چاہیے اور تمہارے نور ایمان میں مزید اضافہ ہونا چاہیے۔اور مال غنیمت کے بارے میں تمہیں جو احکام دیے گئے ہیں تو ان کو بسر وچشم قبول کرنا چاہیے اور قلبی رضا ورغبت سے ان پر عمل کرنا چاہیے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ... الآیۃ

نظر بظاہر حالات جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی کوئی امید نہ تھی

یہاں سے غزوہ بدر کی تصویر کشی کی جارہی ہے اور خدا کی تدبیر و کارسازی کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔اور یہ حقیقت آشکار کی جارہی ہے کہ اگر خدا کا خصوصی فضل و کرم مسلمانوں کے شامل حال نہ ہوتا اور وہ ان پر خاص نظر شفقت نہ کرتا تو حسب ظاہر ان کی کامیابی کی کوئی امید نہ تھی۔

اور وہ یہ حالات تھے۔

۱۔محاذ جنگ کا نقشہ یہ تھا۔مسلمان اس میدان کے عدوہ دنیا یعنی اس جانب تھے جو مدینہ کے قریب اور دشمن ''عدوہ قصوی'' دور والے کنارہ پر تھے۔

۲۔جس جگہ دشمن ٹھہرا ہوا تھا وہ جگہ پکی تھی اور جہاں مسلمانوں کا پڑاؤ تھا وہ جگہ ریتلی تھی جس میں پاؤں دھنس جاتے تھے اور چلنا دشوار تھا۔

۳۔جس سمت دشمن ٹھہرا ہوا تھا ادھر پانی موجود تھا۔اور جس جانب مسلمانوں کا قیام تھا وہاں پانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔

۴۔دونوں لشکر بالکل آمنے سامنے تھے۔کسی کی طاقت یا دوسرے کی کمزوری ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھی۔

۵۔تجارتی قافلہ نیچے ساحل سمندر کی طرف سے گزر رہا تھا اور عین اسی وقت قریش کا لشکر وادی بدر کی دوسری جانب پہنچ گیا تھا۔

مسلمانوں کی فتح کے لئے خدائی تدابیر کا اجمالی خاکہ

اس جنگ میں جو بالآخر اپنے عواقب و نتائج کے اعتبار سے حق و باطل کے پہنچانے جانے کا امتیازی نشان بنی۔قادر مطلق نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمۃ بالغہ کے کئی کرشمے دکھائے۔

۱۔خدا نے موسلا دھار بارش برسائی جس کی وجہ سے ساحل جل تھل ایک ہوگیا۔جس سے ایک طرف ان لوگوں نے غسل جنابت کیا،جن کو احتلام ہوگیا تھا اور غسل کے بارے میں شیطان نے ان کو مختلف وسوسوں میں مبتلا کر رکھا تھا۔دوسری طرف عارضی حوض بنا کر پینے کے لیے پانی جمع کیا۔اور ریتلی زمین کی ریت جم گئی جس

پر چلنا پھرنا آسان ہوگیا۔اور قدم جم گئے۔

۲۔کفار کا لشکر جو حقیقت میں مسلمانوں سے تین گنا سے بھی زیادہ تھا قادر مطلق نے اس کی تعداد کم کرکے مسلمانوں کو دکھائی (زیادہ سے زیادہ دوگنا تاکہ مسلمان کمزوری اور اختلاف کا شکار نہ ہوجائیں اور گھبرا نہ جائیں۔اس بات کی تفصیل تفسیر کی پہلی جلد سورہ آل عمران کی آیت ۱۳ کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے۔اور ایسا دو بار ہوا ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ منظر دکھایا ہے جو آیت ۴۳ میں مذکور ہے۔اور دوسری بار عین میدان جنگ میں جس کا تذکرہ آیت ۴۴ میں کیا گیا ہے۔

۳۔مسلمان جو پہلے ہی تھوڑے تھے وہ اور بھی کم کرکے کافروں کو دکھائے۔تاکہ وہ مرعوب ہوکر جنگ سے پہلی ہی راہ فرار اختیار نہ کرجائیں۔

۴۔مسلمانوں کی تائید غیبی اور ان کی دلجمعی واطمینان کی خاطر آسمان سے فرشتے نازل کئے۔

۵۔چونکہ حق و باطل کے امتیاز کی خاطر خدائے حکیم کو یہ جنگ کرانا مقصود تھی تو ایسا انتظام کیا کہ دونوں لشکر ایک ہی وقت میں محاذ جنگ پر پہنچے کیونکہ لشکر کا دشمن کے مقابلہ میں وقت پر پہنچ جانا جنگی نقطہ نگاہ سے بڑا اہم معاملہ ہے اور کافی حد تک فتح وشکست کا دار و مدار اس پر ہوتا ہے۔اور معمولی سا تاخیر سے پہنچنا بھی شکست کا باعث بن جاتا ہے۔یہ خدا ساز اتفاق تھا حالانکہ نظر بہ ظاہر حالات یہ جنگ اعلان کرکے اور وقت مقرر کرکے بھی لڑی جاتی تو بھی دونوں فریق اس طرح ایک ہی وقت میں نہ پہنچ پاتے۔یا قلت وکثرت کی وجہ سے یا طریقہ کار اختیار کرنے کی وجہ سے اختلاف ہوجاتا اور بالآخر جنگ لڑی ہی نہ جاتی۔**ولکن لیقضی اللہ امراً کان مفعولاً**۔یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ اس بات کا فیصلہ کردے جس کا ہونا مقرر اور طے ہو چکا تھا۔

۳۹۔لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ ... الآیۃ۔

یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے کہ خدا کو یہ بات بہر حال مطلوب ہے کہ حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا لوگوں پر بالکل واضح ہوجائے۔اور وہ اس مقصد کے لئے پہلے تو دلائل و براہین سے کام لیتا ہے کہ داعی حق دلائل کے زور سے حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا ثابت کرتا ہے۔اور آخر کار خدائے قہار اس کی تکمیل کسی آسمانی معجزہ یا زمینی غلبہ سے انجام دیتا ہے جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔پہلے حالات ایسے پیدا کر دیئے گئے کہ جنگ کے بغیر کوئی چارہ کار ہی باقی نہ رہ گیا۔اور پھر قلیل التعداد اور بے سروسامان مسلمانوں کو محیر العقول فتح ونصرت عطا کرکے اور کفار کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کرکے خدا نے حق و باطل میں وہ خط امتیاز کھینچ دیا کہ اب کسی کو بھی حق و باطل میں امتیاز کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔تاکہ اگر کوئی دین حق

اختیار کر کے روحانی حیات جاودانی اختیار کرے تو وہ بھی دلیل و برہان کے ساتھ اور اگر کوئی بد بخت ان روشن حقائق کے سامنے آجانے کے باوجود کفر و شرک کے تیرہ و تاریک راستہ پر چلتا ہے اور کفر سے چمٹا رہے تو وہ بھی دلیل و برہان کے ساتھ۔ بہر حال اب اتمام حجت میں کوئی کمی باقی نہیں رہ گئی ہے۔ والی اللہ ترجع الامور۔ تمام معاملات کی بازگشت خدا کی طرف ہے اور تمام امور کی زمام اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

آیات القرآن

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

ترجمۃ الآیات

وہ وقت یاد کرو۔ جب اللہ نے نہیں تمہاری نگاہوں میں کم کر کے دکھایا۔ اور تمہاری تعداد کو ان کی نظروں میں کم کر کے دکھایا تا کہ اللہ اس کو پورا کرے جو ہو کر رہنا تھا۔ اور تمام معاملات کی

بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے(۴۴) اے ایمان والو! جب کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہا کرو۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔(۴۵) اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور (ہر قسم کی مصیبت وتکلیف میں) صبر سے کام لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے(۴۶) اور ان لوگوں کی مانند نہ ہو جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی شان وشوکت دکھاتے ہوئے نکلے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ خدا کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ (اپنے علم وقدرت سے) اس کا حاطہ کئے ہوئے ہے (۴۷) اور وہ وقت بھی یاد کرو جب شیطان نے ان کے اعمال ان کیلئے آراستہ کردے (انہیں خوشنما کر دکھایا) اور کہا آج کے دن لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب آنے والا نہیں ہے۔ اور میں تمہارا حامی ہوں۔ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ الٹے پاؤں واپس ہوا اور کہا میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے(۴۸)

تشریح الالفاظ

۱۔ فئۃً کے معنی جماعت اور گروہ کے ہیں ۲۔ بطر اً کے معنی نعمت میں پڑ کر اترانا۔ اور تکبر کرنا ہیں۔

۳۔ لیقضی۔ قضا کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں۔

۴۔ یصدون۔ یہ صد سے مشتق ہے جس کے معنی روکنے کے ہیں۔

۵۔ زین۔ کے معنی خوبصورت اور خوشنما بنانے کے ہیں

تفسیر الآیات

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ...الآیۃ

کامیابی کے اسباب

معرکہ جنگ ہو یا معرکہ حیات کامیابی کے اسباب پانچ ہیں

ایک خدا پرست مسلمان کے لئے اس حقیقت میں تو کسی قسم کا شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ میدان جنگ ہو یا عام زندگی کا میدان اس میں کامیابی تو منجانب اللہ ہی ہوتی ہے۔ وما النصر الا من عند الله۔ لیکن یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ خدائی کامیابی اور اس کی مدد ہمیشہ اسباب وآلات کے پردہ میں آتی ہے اس کے بغیر نہیں آتی۔ لہٰذا ایک مسلمان یا ان کی جماعت کا فرض ہے کہ کسی کام کی کامیابی کے جو اسباب ہیں حتی الامکان ان کو فراہم کرنیکی کوشش کرے۔ ہاں البتہ اگر کچھ کمی باقی رہ گئی تو خداوند کریم اسے خود پورا کردے گا۔

اور کامیابی کے وہ پنجگانہ اسباب یہ ہیں

۱۔ پہلا سبب ثبات قدم

اسلام چونکہ امن پسندی کا دین ہے اس لئے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ جنگ وجدال میں پہل نہ کرے۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو اپنی جگہ مضبوط سے مضبوط تر کرنے میں کوشاں رہے یہاں تک کہ حریف خود چڑھائی کرے۔ اور جب ایسی صورت حال کا سامنا ہو تو پھر اس طرح ثابت قدمی کے ساتھ جم کر لڑے کہ اس کے قدموں میں لغزش نہ آئے اور کبھی دشمن سے نہ منہ موڑے اور نہ اسے کبھی پیٹھ دکھائے۔ ظاہر ہے کہ ثبات و استقلال کامیابی کی کلید ہے۔

۲۔ دوسرا سبب خلوص کے ساتھ ذکر خدا۔

ذکر خدا اور وہ بھی خلوص کے ساتھ وہ کیمیا اثر ہے جس سے پراگندہ حواس کو سکون اور پریشان دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے الا بذکر الله تطمئن القلوب۔ اور اسی کی برکت سے اکھڑے ہوئے قدم جم جاتے ہیں۔ کیونکہ اصلی قوت دل کی قوت ہے اور دل کو ایمان سے قوت ملتی ہے اور ایمان کو جلا ذکر خدا سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے اذکروا الله کثیراً۔ اللہ کو بکثرت یاد کرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ... الآیة۔

۳۔ تیسرا سبب خدا اور رسولؐ کی اطاعت یعنی تقویٰ کے اسلحہ سے مسلح ہونا۔

میدان جنگ میں خدا اور رسول کی اطاعت کے عام مفہوم سے ہٹ کر اس کا ایک خاص مفہوم یہ ہے کہ حریف کے مقابلہ میں کامل نظم وضبط اور مکمل ڈسپلن کا ثبوت دیا جائے۔ اسی کا دوسرا نام تقویٰ ہے اور یقیناً اللہ انہی لوگوں کی مدد فرماتا ہے جو تقویٰ کے اسلحہ سے مسلح ہوتے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے۔ **ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب۔**

۴۔ چوتھا سبب باہمی اختلاف وافتراق سے مکمل اجتناب۔

یہ بات کامیابی کے تیسرے اصول یعنی خدا و رسول کی اطاعت کے منفی پہلو کو اجاگر کر رہی ہے کہ خدا و رسول کے اوامر و احکام سے اختلاف نہ کرنا اور اپنی صفوں میں اتحاد برقرار رکھنا اور ان میں انتشار پیدا نہ کرنا ورنہ یاد رکھو جس طرح اپنے اتحاد و اتفاق سے دشمن کو مرعوب کر سکتے ہو اس کے برعکس اگر تم نے باہم اختلاف کیا اور اپنی صفوں میں انتشار کو جگہ دی تو پھر تمہارے حوصلے پست ہو جائیں گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اسی چیز کا خمیازہ مسلمانوں نے جنگ احد میں بھگتا بھی تھا۔ ارشاد قدرت ہے۔ ''**حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ**''۔ (آل عمران ...... ۱۵۲) یہاں تک کہ جب تم کمزور پڑ گئے۔ اور باہم دیگر جھگڑنے لگے اور اپنے سرور (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کی جبکہ اللہ نے تمہیں فتح مندی کا جلوہ دکھا دیا تھا جو تمہیں محبوب تھی۔ تو تم جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔

۵۔ پانچواں سبب صبر وضبط۔

صبر کا مطلب قریب قریب وہی ہے جو ثبات کا ہے تو خدائے حکیم نے جو بات فاثبتوا کے ذریعہ بتائی تھی تو گویا واصبروا کی لفظ کے ذریعہ اسی بات کو دہرایا جا رہا ہے۔ اس پیرایہ میں خداوند عالم مسلمانوں کو ہدایت کر رہا ہے کہ وہ ایسے صبر آزما مواقع میں بے جا جوش کی بجائے ہوش سے کام لیں۔ اور اشتعال میں آ کر کوئی غلط قدم نہ اٹھائیں اور شتاب کاری سے کوئی بے محل کام نہ کریں۔ جلد کامیابی کے شوق میں غیر پختہ اقدام نہ کریں وقتی منافع کی بجائے ہمیشہ آخری منزل پر نگاہ رکھیں۔ اور پوری دلجوئی اور قوت فیصلہ کے ساتھ صحیح اقدام و کام کریں۔ تو جو لوگ مصائب و مشکلات کے وقت اس طرح صبر وضبط سے کام لیں گے۔ بے شک ان کو خدا کی تائید و نصرت حاصل ہو گی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب و کامران ہوں گے۔ ان اللہ مع الصابرین۔

یہی وہ اسباب ہیں جن کے پردہ میں خدا کی نصرت و فتح آتی ہے اور بندہ کی دستگیری کرتی ہے۔

ناکامی ونامرادی کے تین اسباب کا تذکرہ

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ...الآیۃ۔

خدائے حکیم مسلمانوں کو میدان کارزار اور کارگاہ حیات میں کامیابی کے پنجگانہ اسباب و آلات جمع کرنے کا حکم دینے کے بعد ان کو تین کاموں کی ممانعت کر رہا ہے۔ جو کارگاہ زندگی میں ناکامی ونامرادی کا باعث ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔اترانا اور تکبر کرنا۔ ۲۔ ریاکاری کرنا۔ ۳۔اور اللہ کی راہ سے روکنا۔خدا نے ان برے صفات کی نسبت ان کفار قریش کی طرف دی ہے۔ جو مکہ سے بمقام بدر پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے تھے۔اور راستے میں جا بجا ان بری صفتوں کا مظاہرہ کرتے آئے تھے۔وہ اپنی کثرت پر اتراتے بھی تھے۔اپنی شان وشکوہ لوگوں کو دکھاتے بھی تھے اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے بھی تھے مؤرخین نے لکھا ہے ابوجہل لشکر جرار کے ساتھ نکلا تھا تو گانے بجانے والی لونڈیاں بھی ساتھ تھیں۔اور شاہد وشراب کا بھی وافر مقدار میں انتظام تھا لہٰذا وہ جا بجا ٹھہرتے اور رقص وسرود اور مئے خواری کی محافل جماتے اور داد عیش وعشرت دیتے،اور پھر تمام راستہ میں ڈینگیں مارتے اور شیخی بگھارتے کہ ہمارا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ اور ہمارے سامنے کون سر اٹھا سکتا ہے؟ تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ جب ابوسفیان اپنا تجارتی قافلہ بحفاظت لے کر مسلمانوں کی زد سے نکل گیا اور اس نے ابوجہل کے پاس قاصد بھیجا کہ اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ہے تو تم واپس آجاؤ۔مگر ابوجہل نے جواب دیا کہ ہم (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لڑے بغیر (اور اسلام کا روڑا راستہ سے ہٹائے بغیر) واپس نہیں جائیں گے۔ جب تک بمقام بدر (جنگ فتح کرکے) شراب کا دور نہ چلائیں اور محفل رقص وسرود نہ جمائیں اور سارے عرب پر اپنا رعب داب نہ بٹھائیں۔(قرطبی ومجمع البیان)۔

یہ سارا جوش وجذبہ یہ سارا شور وشر کس لئے تھا؟ محض اس لئے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی سیدھی راہ (اسلام) سے روکیں اور شمع اسلام کو گل کریں۔نتیجہ کیا نکلا؟ جب بھی خدا کے سپاہیوں سے مقابلہ ہوا وہ سارا نشہ ہرن ہو گیا۔، پندار کا طلسم ٹوٹ گیا۔ابوجہل واصل جہنم ہوا اور اس کے سارے بڑے بڑے ساتھی وہیں ڈھیر ہوئے۔اور زبان حال سے یہ کہتے ہوئے دنیا والوں کے لئے نشان عبرت بن گئے۔

ما در چہ خیالیم و فلک درچہ خیال

بہر حال اس پیرایہ میں مسلمانوں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ چونکہ تمہاری جنگ محض جنگ نہیں ہے بلکہ اللہ کی عبادت ہے۔ لہٰذا ہر حال میں اس کی شانِ عبادت قائم رہنی چاہیے اور ان کو کافروں، مشرکوں اور فاسقوں، فاجروں کے طور طریقوں سے بکلی اجتناب کرنا چاہیے۔ اور انہیں ہرگز اپنی قوت و طاقت پر نہ اترانا چاہئے۔ نہ اپنے اخلاصِ عمل میں ریا کاری کو جگہ دینی چاہیے اور نہ ہی انہیں اپنے کسی قول و فعل سے راہ خدا میں رکاوٹ بننا چاہیے بالخصوص ان حالات میں جب کہ مسلمان جنگ حنین میں اپنی کثرت عددی پر اترانے کا انجام بھی دیکھ چکے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ''ویوم و حینن اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡئًا وَّ ضَاقَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ'' (توبہ...... ۲۵) (جب حنین والے دن تم اپنی کثرت پر اترا گئے۔ اور زمین ساری وسعت سمیت تمہارے لئے تنگ ہوگئی۔ اور انجام کار تم پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے)

وَاِذۡ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ ...الآیة

شیطان نے کس طرح کافروں کو فریب دیا

یہ جو خدا فرما رہا ہے کہ وہ وقت یاد کرو جب شیطان نے کفار کے عملوں کو بنا ٹھنا کر پیش کیا اور کہا آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ میں تمہارا پشت پناہ ہوں اور جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو الٹے پاؤں پلٹ گیا اور کہا۔ میں تم سے بیزار ہوں۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ مفسرین میں فی الجملہ اختلاف ہے کہ شیطان نے جنگ بدر کے دن کس طریقہ کار سے اپنے حوالی موالی کو یہ فریب دیا تھا؟ بعض کا خیال ہے کہ شیطان نے وسوسہ اندازی کی۔ اس نے ان لوگوں میں یہ خیالات ڈال دیئے تھے کہ تم ضرور کامیاب ہوگے کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اس وسوسہ نے الفاظ کا جامہ نہیں پہنا تھا (تفسیر بیضاوی وغیرہ)

مگر اکثر مفسرین کا نظریہ ہے کہ شیطان نے انسانی شکل وصورت میں آ کر یعنی مشہور سردار قبیلہ سراقہ بن مالک کی صورت میں آ کر کفار قریش سے یہ گفتگو کی تھی اور یہی قول اشہر و اظہر ہے۔ اور شیطان کا انسانی صورت میں آنا ممکن ہے محال نہیں ہے کیونکہ جن ایک ناری مخلوق ہے جو مختلف شکلیں اختیار کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ ہجرت نبوی کے موقع پر دارالندوہ میں شیخ نجد کی شکل میں اس اجلاس میں شریک ہوا تھا۔ الغرض اس نے جبرئیل و میکائیل اور دوسرے ملائکہ کو اس جنگ میں مسلمانوں کی نصرت کے لئے نازل ہوتے دیکھا تو یہ یقین کر کے کہ وہ ان کے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلا۔ اور با آواز بلند کہا۔ اے کفار قریش! میں تم

سے بری ہوں۔ میں اس کٹھن وقت میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو کچھ تم نہیں دیکھ رہے۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ چنانچہ مکہ کے لوگ کہنے لگے کہ سراقہ نے ہمیں ہرا دیا اور مروا دیا۔لیکن جب اس سے یہی بات کی گئی تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تو اس کی کوئی خبر نہیں ہے(مجمع البیان وغیرہ)

شیطان کا رویہ اپنے پرستاروں کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح کا رہا ہے۔ پہلے وہ ان کو خوب اکساتا ہے۔ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہے انہیں سنہرے سپنے دکھاتا ہے اور جب وہ اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جاتے ہیں اور اپنے گناہوں کی دلدل میں دھنسے لگتے ہیں تو انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر خود رفو چکر ہو جاتا ہے۔ اور جو بدنصیب اس کے دام فریب میں پھنس جاتا ہے اس کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔ **نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم**۔(ضیاء القرآن)۔ارشاد قدرت ہے **کمثل الشیطان اذقال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریٔ منك انی اخاف اللہ رب العالمین**۔یہی وجہ کہ محقق علماء نے ہمیشہ لوگوں سے کہا ہے کہ کسی شخص کو کوئی عجیب کام کرتے دیکھ کر یا کوئی عمدہ کلام کرتے سنکر بلا سوچے سمجھے اس کی اقتداء کرنا مناسب نہیں ہے اس کا برا انجام بھی ہو سکتا ہے اور وہ شخص انسانی لباس میں شیطان بھی ہو سکتا ہے۔اور کسی صوفی چلہ کش کا نام نہاد کشف والہام تلبیس ابلیس بھی ہو سکتا ہے

اے بسا ابلیس آدمؑ روئے است
پس بہر دستے نشاید داد دست

آیات القرآن

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۹ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۵۱ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲ ذٰلِكَ

بِاَنَّ اللّٰهَ لَمۡ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعۡمَةً اَنۡعَمَهَا عَلٰى قَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۵۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ وقت بھی قابل یاد ہے) جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں (مسلمانوں) کو ان کے دین نے فریب اور خبط میں مبتلا کر دیا ہے اور جو کوئی اللہ پر توکل (بھروسہ) کرتا ہے سو اللہ بڑا زبردست، بڑا حکمت والا ہے۔ (۴۹) اور کاش تم وہ موقع دیکھو کہ جب فرشتے کافروں کی روحیں قبض کرتے ہیں اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب عذاب آتش کا مزا چکھو (۵۰) (اے دشمنان حق!) یہ سزا ہے اس کی جو تمہارے ہاتھ پہلے بھیج چکے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (۵۱) ان کا حال قوم فرعون اور ان لوگوں جیسا ہے۔ جو ان سے پہلے گذر چکے۔ جنہوں نے آیات الٰہی کا انکار کیا اور خدا نے انہیں گناہوں پر پکڑ لیا۔ بے شک اللہ بڑا طاقتور ہے اور بڑی سزا دینے والا ہے (۵۲) یہ اس بنا پر ہے کہ اللہ کبھی اس نعمت کو تبدیل نہیں کرتا جو اسنے کسی قوم کو عطا کی ہے جب تک وہ خود اپنی حالت تبدیل نہ کر دیں اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔ (۵۳)

تشریح الالفاظ

۱۔ نکص علی عقیبہ۔ کے معنی ہیں پچھلے پاؤں ہٹ جانا۔ ۲۔ عذاب الحریق۔ کے معنی ہیں بھڑک والی آگ کا عذاب یعنی سخت عذاب۔ ۳۔ داب۔ کے معنی عادت، شان اور حالت کے ہیں۔

تفسیر الآیات

اِذۡ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ ... الآیۃ۔

یہ آیت بھی جنگ بدر سے متعلق ہے کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہتے ہیں۔ ظاہر

ہے کہ منافقین سے مراد مدینہ کے منافق ہیں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے ان سے مکہ کے مشرک و کافر وغیرہ مراد ہیں بہرحال وہ سب لوگ جن کا خدا، دین ھدیٰ اور آخرت کی جزا و سزا پر ایمان نہیں ہے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ یہ مٹھی بھر بے سروسامان مجاہدین کفار کے مسلّح لشکرِ جرار سے ٹکرانے کے لئے بےخوف وخطر جا رہے ہیں۔ اور اس طرح موت کے منہ میں جا رہے ہیں تو پکار اٹھے کہ ان کو دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے اور دین کے نشہ نے ان کو مغرور کر دیا ہے۔ اگرچہ ان لوگوں نے یہ بات طعن وتشنیع کے طور پر کہی تھی۔ لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو ایک اعتبار سے بالکل غلط بھی نہ تھا۔ واقعاً یہ دین کا نشہ تھا جس نے ان لوگوں کو اس قدر جری وجسور بنا دیا تھا۔ مگر یہ نشہ حق تھا، نشہ باطل نہ تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو اس بات کا علم نہ تھا کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کی اس خود فراموشی اور سرفروشی کی وجہ یہ ہے کہ ان کا بھروسہ اللہ پر ہے۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ خدا اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگاتا کیونکہ وہ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی۔ اس لئے اس پر توکل کرنے والے دنیا و آخرت میں کامیاب وکامران ہوتے ہیں۔

۴۵۔ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ...الآیۃ۔

اس آیت کا صحیح مطلب کیا ہے؟

اے کاش کہ تم دیکھو کہ جب فرشتے کافروں کی روح قبض کر رہے ہوں گے۔ تو وہ ان کے مونہوں اور پشتوں پر مارتے ہوں گے؟ اس مارنے کا مطلب کیا ہے؟ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ جنگ بدر کے موقع کا تذکرہ ہے کہ جب ملائکہ اہل اسلام کی مدد کے لیے آسمان سے اترے تھے۔ تو انہوں نے کافروں کے مونہوں اور پشتوں پر ضربیں لگائی تھیں۔ (تبیان ومعارف القران)

مگر ہم کئی بار اس حقیقت کا اظہار کر چکے ہیں کہ فرشتوں کا یہ اترنا مسلمانوں کو بشارت دینے، ان کو اطمینان دلانے اور ثبات قدم کا سامان بہم پہنچانے کی خاطر تھا نہ کہ عملی طور پر سیف وسنان چلانے اور عملی طور پر جنگ میں حصہ لینے کے لئے۔ لہٰذا یہ تاویل درست نہیں ہو سکتی۔ اور بعض مفسرین نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ عام کفار ومشرکین کی موت کے بارے میں ہے کہ جب وہ مرنے لگتے ہیں۔ تو فرشتہائے موت ان کے مونہوں اور پشتوں پر آتشیں کوڑے اور لوہے کے گرز مارتے ہیں۔ (معارف) مگر اس پر یہ ایراد وارد ہوتا ہے کہ جب موت کے وقت اس واقعہ کے وقوع کا تعلق عالم دنیا اور عالم عناصر سے ہے تو پھر یہ سب کچھ نظر کیوں نہیں آتا اور اس کے آثار ظاہری آنکھ سے کیوں دکھائی نہیں دکھائی دیتے؟

بناء بریں نظر قاصر میں شیخ محمد جواد مغنیہ کا یہ قول قوی معلوم ہوتا ہے کہ ''ضرب الوجوہ والا قفیۃ کنایۃ عما یقاسیہ الکفار من العذاب عند الموت۔ کہ چہروں اور پشتوں پر ضرب کا لگایا جانا ان شدائد سے کنایہ ہے کہ جو کافر موت کے وقت جھیلتے ہیں (تفسیر کاشف)۔

فاضل رازی نے تفسیر کبیر میں بھی یہی مجازی معنی مراد لئے ہیں۔ واللہ العالم۔

اللہ عادل ہے ظالم نہیں ہے

۴۶۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ... الآیۃ

عقل سلیم یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتی کہ جب اللہ اپنے بندوں کو ظلم کرنے سے منع کرتا ہے اور پھر ظالموں پر لعنت بھی کرتا ہے تو لامحالہ وہ خود ہرگز ظلم نہیں کرسکتا۔ اور یہی عدلیہ کا اعتقاد ہے کہ خدا اگر اپنے فضل سے گنہگار کو معاف کردے اور اسے جنت میں داخل کردے تو ایسا کرنا عقلاً جائز ہے لیکن اگر کسی نیکو کار کو جہنم میں جھونک دے تو چونکہ یہ کھلم کھلا ظلم ہے۔ لہٰذا خدا ہرگز اس طرح نہیں کرتا۔ مگر کچھ مسلمان یہ کہتے ہیں۔ کہ خدا کے لئے عقلاً جائز ہے کہ نیکو کار کو سزا دے اور بدکار کو جزا دے نیز خدا کے لئے عقلاً وعدہ خلافی بھی جائز ہے۔ (العیاذ باللہ) جسے شک ہو وہ کتاب مواقف مقصد خامس وسادس۔؟ از معاد۔ اور کتاب مذاھب اسلامیہ ابوزھرہ مصری ص ۱۰۴ ملاحظہ کرے۔ بہرحال دوسرے عقلی وشرعی دلائل سے قطع نظر یہی آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ جزا وسزا انسانی عقائد واعمال کا نتیجہ ہے۔ خدا بلاوجہ نہ کسی کو جزا دیتا ہے اور نہ ہی بلاسبب سزا دیتا ہے۔ کیونکہ یہ بات عدل الٰہی کے منافی ہے۔ و ان اللہ لا یرید ظلماً للعباد (القران۔) خدا کبھی اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔

۴۷۔ كَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ۔ الایۃ

یہ سابقہ بات کا تتمہ ہے۔ کہ خدا چونکہ عادل ہے لہٰذا وہ انسانی عقائد واعمال کے مطابق جزا وسزا دیتا ہے۔ چنانچہ اس کا یہی دستور فرعونیوں اور ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کے بارے میں جاری وساری نظر آتا ہے کہ انہوں نے آیات الٰہیہ کے ساتھ کفر کیا اور ان کو جھٹلایا اور زمین خدا میں فساد پھیلایا لہٰذا خدا نے ان کے عمل و کردار کی فطری پاداش میں ان کو ہلاک وبرباد کردیا اور پاش پاش کردیا۔ وہ خود کسی مصلحت کے تحت مہلت دے یہ اور بات ہے لیکن جب پکڑنا چاہے تو پھر کوئی فرعون ہو یا نمرود۔ کوئی شداد ہو یا عاد۔ اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ ارشاد قدرت ہے ان اخذ ربک لشدید۔ تیرے پروردگار کی گرفت بڑی سخت ہے۔ بہرحال یہ حقیت ہر قسم کے شک

وشبہ سے بالاتر ہے کہ اگر خدائے عادل نے فرعون اور فرعونیوں اوران جیسے لوگوں کو ہلاک و برباد کیا تو ان کے کفر اور ان کی سرکشیوں کی وجہ سے اور اگر جناب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہیوں کو نجات عطا فرمائی تو ان کی عبودیت و بندگی اور شکرانہ نعمت کی وجہ سے۔ اس مطلب کی مزید وضاحت تفسیر کی پہلی جلد سورہ آل عمران کی آیت ''کداب آل فرعون والذین من قبلھم ''الآیۃ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

قوموں کے عروج و زوال کا قانون قدرت

۴۸۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ... الآیۃ

اس آیت مبارکہ میں اسی اصول قدرت اور قانون فطرت کی ترجمانی کی گئی ہے جس کی قبل ازیں متعدد مقامات پر وضاحت کی جا چکی ہے۔ کہ اس عالم آب و گل میں ہر چیز علل و اسباب کی فطری زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اگرچہ خدا کسی کو نعمت سے بلا طلب بھی نواز دیتا ہے مگر بلا وجہ وہ نعمت سلب نہیں کرتا۔ اگر وہ کسی کو عزت کی مسند پر بٹھاتا ہے تو کسی وجہ سے اور اگر کسی کو ذلت کے گھڑے میں گراتا ہے تو بھی کسی سبب سے، کسی کو بادشاہ بناتا ہے تو بھی کسی سبب سے اور اگر گدا بناتا ہے تو بھی کسی علت سے۔ الغرض کسی کو زندہ رکھتا ہے تو بھی کسی وجہ سے اور اگر موت کے گھاٹ اتارتا ہے تو بھی کسی وجہ سے''۔

بہر حال یہ ازل سے قانون قدرت ہے۔ اور ابد تک رہے گا کہ جب خداوند عالم کسی قوم و ملت کو کسی نعمت سے نوازتا ہے اور اسے عزت و عروج کی دولت سے مالا مال کرتا ہے تو پھر بلا وجہ وہ اس میں تغیر نہیں کرتا اور وہ نعمت واپس نہیں لیتا۔ اور بلا سبب اس قوم کو زوال و اضمحلال سے دو چار نہیں کرتا۔ اس کا باعث خود اس قوم کی روش و رفتار اور اس کا کردار ہوتا ہے۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد۔ ''ہر قوم خود ہی اپنی زندگی کا گہوارہ بناتی ہے اور پھر خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر بھی کھودتی ہے'' (ترجمان القرآن)۔

اسی حقیقت کو ایک دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر و اما بانفسھم (رعد۔ ۱۱) خدا اس وقت تک کسی قوم کی حالت کو تبدیل نہیں کرتا۔ جب تک وہ قوم خود اپنی حالت کو تبدیل نہ کر دے اس کا وعدہ ہے کہ لئن شکرتم لا زیدنکم۔ اگر تم میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو گے تو میں نعمتوں میں اور اضافہ کروں گا۔ ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔ اور اگر تم نے کفران نعمت کیا تو پھر یاد رکھو کہ میری گرفت بھی بڑی سخت ہے۔ سچ ہے۔ ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ہاں البتہ چونکہ خدا مسبب الاسباب ہے وہ کبھی کبھار علل واسباب کو بے اثر کرکے اور ان سے ہٹ کر کبھی کوئی کام کر گذرتا ہے چنانچہ آگ ہے مگر جناب خلیلؑ کو جلاتی نہیں ہے۔ پانی ہے مگر جناب موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے سے ڈھلوان کی طرف بہتا نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس چیز کا نام شریعت کی زبان میں معجزہ ہے۔ جسے خدا ماوشما کے ہاتھوں پر ظاہر نہیں کرتا۔ بلکہ انبیاء اور ان کے اوصیاء کی دعا و استدعا پر ان کے مقدس ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔ مارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمٰی۔

آیات القرآن

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿54﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿55﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿56﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿57﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ﴿58﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿59﴾

ترجمۃ الآیات

(کفار مکہ کا) حال قوم فرعون اور ان سے پہلے گذرے ہوئے (سرکشوں) کا سا ہے جنہوں نے آیات الٰہی کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ اور فرعونیوں کو (سمندر میں) غرق کر دیا۔ اور وہ سب کے سب ظالم تھے (۵۴) بے شک زمین پر چلنے والی سب مخلوق میں سے بدترین وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں اور اب وہ کسی طرح

بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں (۵۵) (اے رسول) جن لوگوں سے آپ نے (کئی بار صلح کا) معاہدہ کیا اورانہوں نے ہر بارا سے توڑا۔ اور وہ (اللہ سے) نہیں ڈرتے (۵۶) پس اگر وہ جنگ میں آپ کے ہاتھ آجائیں تو (انہیں ایسی عبرت ناک سزا دیں کہ) جو ان کے بعد والے ہیں (ان کے پشت پناہ ہیں) ان کو منتشر کردے تاکہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں (۵۷) اور اگر آپ کو کسی جماعت کی طرف سے خیانت (عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو پھر ان کا معاہدہ اس طرح ان کی طرف پھینک دیں کہ معاملہ برابر ہو جائے۔ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (۵۸) اور کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ وہ وہ بازی لے گئے (بچ گئے)۔ یقیناوہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ (۵۹)

تشریح الالفاظ

۱۔الدواب۔دابہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ہر وہ جانور جو زمین پر چلتا ہے۔۲۔ تثقفنہم۔ثقف کے معنی فتح مندی اور کسی کو جا پکڑنے کے ہیں۔۳۔ فشر دھم۔تشرید کے معنی متفرق کرنے اور دھتکارنے کے ہیں۔۴۔فانبذ۔نبذ کے معنی پھینکنے کے ہیں

تفسیر الایات

۴۹۔اِنَّ شَرَّ الدَّوَآب...الآیۃ۔

یہ آیت مفہوم ومطلب کے لحاظ سے ویسی ہی ہے جیسے اسی سورہ میں آیت نمبر ۲۲ پر گذر چکی ہے۔ معمولی الفاظ کا ادل بدل ہے۔مثلاً وہاں وارد ہے۔ان شر الدواب عنداللہ الصم البکم الذین لایعقلون۔اور یہاں یوں وارد ہے ان شر الدواب عنداللہ الذین کفرو افھم لا یومنئون۔ اب ظاہر ہے کہ جو کافر ہے اور ایمان نہیں لاتا۔تو گو یا وہ خداداد قوتوں سے کام نہیں لیتا۔اور نہ ہی خدا کی عطاء کردہ صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔تو وہ بہرہ بھی ہے، اندھا بھی ہے اور بے عقل بھی۔اور جو ایسا ہے وہی کافر بھی ہے اور بے ایمان بھی۔

حذو النعل بالنعل والقذۃ بالقذہ۔

۵۰۔ اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ... الآية۔

معاہدہ شکنی کرنے والے یہود کا تذکرہ

فریقین کے مفسرین نے ان لوگوں سے یہود مدینہ کے بنی قریظہ اور بنی نضیر مراد لئے ہیں جن سے حضرت رسول خداؐ نے معاہدۂ امن کیا تھا جس کے بڑے بڑے دو جزء تھے پہلا یہ کہ اختلاف کی صورت میں آنحضرتؐ کا فیصلہ سب کے لئے نافذ العمل ہوگا۔ دوسرا یہ کہ یہ لوگ مسلمانوں کے دشمن کی ظاہراً اور باطناً کوئی مدد نہیں کرینگے۔ مگر انہوں نے جنگ بدر کے موقع پر کفار کو ہتھیار دے کر ان کی مدد کی۔ اور جب ان سے اس کی باز پرس کی گئی تو یہ عذر پیش کیا کہ ہم بھول گئے تھے۔ آنحضرتؐ نے درگذر کرتے ہوئے ان کا عذر قبول کیا مگر جب جنگ احزاب ہوئی تو انہوں نے کفار کے سرخیل ابوسفیان کا ساتھ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور خدا نے ان سے یہ انتقام لیا کہ کعب بن اشرف مارا گیا اور یہود مدینہ ذلیل کر کے جلاء وطن کر دیئے گئے۔

۵۱۔ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ...الآية۔

عہد شکنی کرنے والوں کے متعلق ہدایت نامہ

ثقف کے معنی قابو پانے اور تشرید کے معنی منتشر کر دینے کے ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ اے رسول! اگر آپ کبھی میدان جنگ میں ان عہد شکنی کرنے والوں پر قابو پالیں تو ان کو وہ عبرتناک سزا دیں کہ ان کے پچھلے اپنی جان بچانے کے لئے منتشر ہو جائیں اور بھاگ جائیں۔ کہ پھر کبھی مسلمانوں سے ٹکر لینے کی جرات نہ کر سکیں شاید اس طرح ان کو نصیحت حاصل ہو جائے اور اپنی اصلاح کر لیں۔ اور درس عبرت حاصل کریں۔

۵۲۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ ... الآية۔

جب دوسرے فریق سے عہد شکنی کا سخت اندیشہ ہو تو پھر معاہدہ شکنی جائز ہے

اسلام جو معاہدوں کی پابندی کرنے کرانے کا علمبردار ہے۔ وہ بلا وجہ معاہدہ صلح کی عہد شکنی کو بدترین گناہ سمجھتا ہے اور جس قوم سے معاہدہ ہو چکا ہو اس کے خلاف در پردہ کسی قسم کے جنگی اقدام کرنے کو خیانت مجرمانہ تصور کرتا ہے۔ ہاں البتہ اگر دوسرے فریق کے حرکات وسکنات سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو اور اس کے آثار و قرائن ظاہر ہو جائیں۔ جن سے ان کے برے عزائم کا علم ہو جائے تو پھر ادھر سے بھی اس معاہدہ کو قائم رکھنا لازم نہیں ہے۔ بلکہ اسے توڑا جا سکتا ہے۔ مگر پھر بھی قرآن یہ حکم دیتا ہے۔ کہ دوسرے فریق کو اس معاہدہ توڑنے کی

باقاعدہ اطلاع دینی چاہیے کہ ہم تمہارے غلط رویئے کی بناء پر معاہدہ توڑ رہے ہیں اور ان کا معاہدہ ان کی طرف پھینک دینا چاہیے تاکہ دونوں برابر ہو جائیں اور اس معاہدہ کے پابند نہ رہیں۔ مگر ان کو اس کی باضابطہ طور پر اطلاع دینے سے پہلے ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا جائے تاکہ مسلمانوں پر غدر اور خیانت کا الزام عائد نہ ہو۔ چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ من کان بینه وبین قوم عهد فلا یحلن عقدہ حتی ینقضی امدها او ینبذ الیهم علی سواء۔ جس شخص کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو مدت ختم ہونے سے پہلے اس کی گرہ نہ کھولے یا پھر برابری کی سطح پر اسے ان کی طرف پھینک دے۔ (بحارالانوار)

ہاں البتہ اگر دوسرے فریق نے علی الاعلان معاہدہ توڑ دیا ہو تو پھر ادھر سے بھی کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ خدا خیانت کاروں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی ان کو پسند کرتا ہے۔ اسلام کی یہ روح پرور تعلیم عالمگیر بھی ہے اور ہمیشہ کے لئے بھی ہے۔ لہٰذا اگر اقوام عالم اپنے معاہدوں کی پروا نہ کریں اور عہد شکنی کو شیوہ اور اپنے سیاست مدار اور سمجھدار ہونے کا شعار قرار دیں تو مسلمانوں کو اپنی اسلامی روایات اور اسلامی اقدار سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ان پر لازم ہے کہ سیسہ پلائی دیوار کی طرح اپنے اسلامی عادات واطوار پر برقرار رہیں۔ اسی میں ان کی بقا اور فوز وفلاح کا راز مضمر ہے۔

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ...الآیۃ

حسب ظاہر تو یہ دھمکی ان کافروں کو دی جا رہی ہے جو جنگ بدر میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے مرنے سے بچ گئے یا جو اس جنگ میں شامل تو تھے۔ مگر راہِ فرار اختیار کر کے اپنی جان بچائی۔ اور بباطن سب کفار واشرار کو دھمکی ہے کہ وہ ان حرکتوں سے قادر مطلق خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ جب چاہے ان کو اپنی گرفت میں لے سکتا ہے اور انہیں اپنے کئے کی سزا دے سکتا ہے۔ انه علی کل شئ قدیر۔

آیات القرآن

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾

ترجمۃ الآیات

(اے مسلمانو!) تم جس قدر استطاعت رکھتے ہو ان (کفار) کے لئے قوت و طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو۔ تا کہ تم اس (جنگی تیاری) سے خدا کے دشمن اور اپنے دشمن کو اوران کھلے دشمنوں کے علاوہ دوسرے لوگوں (منافقوں) کو خوفزدہ کر سکو۔ جن کو تم نہیں جانتے البتہ اللہ ان کو جانتا ہے اور تم جو کچھ اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کسی طرح ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۶۰) اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھیں بے شک وہ بڑا سننے والا، بڑا علم والا ہے (۶۱) اور اگر ان کا ارادہ یہ ہو کہ آپ کو دھوکہ دیں۔ تو (فکر نہ کریں) اللہ تمہارے لئے کافی ہے وہ وہی ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنین کی جماعت سے آپ کی تائید کی (۶۲) اور اسی نے ان (اہل ایمان) کے دلوں میں اپنی الفت پیدا کی اگر آپ تمام روئے زمین کی دولت بھی خرچ کر دیتے تو ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ مگر اللہ نے (اپنی قدرت کاملہ سے) ان کے درمیان الفت پیدا کر دی بے شک وہ غالب اور بڑا حکمت والا ہے (۶۳) اے نبی آپ کے لئے اللہ اور وہ اہل ایمان کافی ہیں جو آپ کے پیروکار ہیں (۶۴)

تشریح الالفاظ

۱۔اعدوا۔اعداد کے معنی مہیا کرنے کے ہیں۔۲۔رباط الخیل۔کے معنی ہیں گھوڑے باندھنا۔۳۔یوفّ۔توفیہ سے مشتق ہے جس کے ہے معنی ہیں کسی کا حق پورا دینا۔۴۔جنجوا۔یہ جنوح سے مشتق ہے جس کے معنی مائل ہونے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۵۴۔وَاَعِدُّوْالَهُمْ...الآیۃ۔

دشمن کے خلاف ہر وقت اپنی قوت وطاقت اور اسلحہ جنگ کا مجتمع رکھنا لازم ہے

وہ لوگ جو اسلام وقرآن پر زبان اعتراض دراز کیا کرتے ہیں کہ اسلام اللہ پر توکل کی تعلیم دیتا ہے اور وہ کامیابی کے لئے الات واسباب مھیا کرنے کا حکم نہیں دیتا۔یا وہ بے خبر مسلمان جو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے اور ترک اسباب کو توکل سمجھتے ہیں وہ آئیں اور اسلام وقرآن کا یہ حکیمانہ حکم ملاحظہ کریں جو کہ اپنے نام لیواؤں کو حکم دے رہا ہے کہ ان سے جس قدر ہوسکتا ہے یہ دشمن کے خلاف اپنی قوت وطاقت اور تیار بندھے ہوئے گھوڑے مہیا رکھیں۔تاکہ اس جنگی تیاری سے اپنے اور خدا کے دشمن کو خوف زدہ کر دیں۔اور پھر اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو اور اپنے غلط نظریہ پر نظر ثانی کریں۔اور یہ سمجھیں کہ انہوں نے توکل کا مفہوم سمجھا ہی نہیں ہے۔اور جو ایسا کرتے یا سوچتے ہیں وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔بلکہ توکل نام ہے کسی کام کے پورے آلات واسباب جمع کرکے اور پوری کدوکاوش کرنے اور پھر نتیجہ خدا کے حوالے کرنے کا کہ جو میرا فرض تھا وہ میں نے ادا کر دیا۔اب کامیابی جانے اور مسبب الاسباب جانے۔قرآن کے اس حکیمانہ حکم کہ جس قدر ممکن ہے اپنی قوت اور مورچوں پر گھوڑے تیار رکھو، سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام قوت کے استعمال سے زیادہ قوت کے مظاہرہ پر زور دیتا ہے۔تاکہ حریف کو اس طرح مرعوب کیا جائے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی جرات ہی نہ کرسکیں۔اسلام اپنے نام لیواؤں کو طاقتور بنانا چاہتا ہے۔مگر ضرور لڑنے کے لئے نہیں بلکہ دشمن پر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے۔تاکہ وہ کوئی جارحانہ کاروائی کرنے کی ہمت نہ کرسکے۔اسی سے مستفاد ہوتا ہے کہ سامان حرب و

ضرب اور لڑنے والی فوج نہ صرف یہ کہ ہر وقت موجود رہنی چاہیے بلکہ تیار بھی رہنی چاہیے۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر فوری کاروائی کی جاسکے۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمان تیاری کرتے رہ جائیں اور دشمن اپنا کام کر جائے۔ پھر یہ قوت کسی خاص اسلحہ جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ حالات کے بدلنے سے بدلتی رہتی۔ لہٰذا اس سے ہر وہ ہتھیار مراد لیا جاسکتا ہے۔ جس سے اس دور کے تقاضوں کے مطابق طاقت وقوت حاصل کی جاسکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ القوۃ الرمی۔ (قوت رمی میں ہے)

اس دور میں اس سے تیر وکمان سمجھا جاتا تھا مگر آج اس سے نشانہ پر پھینکے جانے والے تمام ہتھیار مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اس دور میں گھوڑوں سے جہاد کا کام لیا جاتا تھا جن پر سوار ہو کر مجاہد میدان میں جاتے تھے۔ مگر آج یہ کام جنگی بسوں اور جنگی جہازوں سے لیا جارہا ہے۔ بعض روایات کے مطابق سفید ریش مجاہد کا۔ خضاب لگانا بھی اسباب جنگ میں شمار کیا گیا ہے تاکہ آدمی جوان نظر آئے (تفسیر صافی)

خداوند عالم مسلمانوں کو طاقتور بنانے کے سلسلہ میں اپنا مال و دولت خرچ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ان کو اس کا کئی گنا عوض دیا جائے گا۔ اور تمہاری یہ مالی قربانی اکارت نہیں جائے گی۔

ایضاح

یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ اللہ اور مسلمانوں کے کھلے دشمن تو تمام کفار و مشرکین اور سب یہود و ہنود ہیں۔ مگر وہ دشمن کون ہے جسے خدا جانتا ہے مگر مسلمان نہیں جانتے؟ تو اس سے باتفاق تمام مفسرین منافقین کا گروہ مراد ہے جو تمام دشمنوں سے زیادہ خطرناک تھا کہ وہ کفر چھپا کر اور اسلام ظاہر کر کے مار آستیں کا کردار ادا کرتا تھا۔ اور اس گروہ نے اسلام و مسلمانوں کے خلاف وہ ریشہ دوانیاں کیں کہ جن کے نتائج و آثار اسی دور تک محدود نہیں رہے بلکہ مسلمانوں میں خلفشار و انتشار کا وہ بیج بویا جس کے تلخ ثمرات کا مزہ مسلمان قیامت تک چکھتے رہیں گے۔

۵۵۔ وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ ... الآیۃ۔

اس لئے کبھی ناگزیز حالات کے تحت جنگ چھڑ جائے تو وہ خونریزی روکنے کے بہانے تلاش کرتا ہے۔ اس لئے حکم دیتا ہے کہ اگر فریق ثانی صلح کی پیش کش کرے تو تم ہر قسم کے اندیشہ اور ہر سود و زیاں کو نظر انداز کر کے اس کی یہ پیشکش نیک نیتی پر مبنی ہے یا دفع الوقتی کے ارادہ سے صلح کرنا چاہتا ہے تم اس بات کی ٹوہ نہ لگاؤ۔ تم یہ معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ اور اسی پر بھروسہ کرو۔ اور صلح کے لئے بڑھے ہوئے ہاتھ کے جواب میں تم بھی ہاتھ

بڑھاؤ اور صلح کر لو تاکہ خونریزی ختم ہو اور پرامن فضا میں اسلام کا دعوتی نظام شروع ہو سکے اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اسلام کوئی وسیع پسندانہ عزائم نہیں رکھتا بلکہ وہ بقائے باہمی کے اصول کے تحت امن و سلامتی کے ساتھ خود جینا چاہتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی اسی طرح جینے کا موقع فراہم کرنا چاہتا ہے اور اگر تلوار اٹھانے کی اجازت بھی دیتا ہے تو امن بذریعہ قوت قائم کرنے اور آتش فتنہ و فساد کو فرو کرنے کی خاطر۔ حتی لا تکون فتنة۔

مخفی نہ رہے کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے یہ "فاجنح" کا امر وجوبی نہیں ہے بلکہ اباحت کے لئے ہے۔ لہٰذا اسلامی جہاد کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ حالات کے مطابق کوئی مناسب فیصلہ کرے۔ و هو لا یخلو من قوة

۵۶۔ وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ... الآية

اگر کافر دھوکہ دینا چاہیں گے تو تمہارے لئے اللہ کافی ہے

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر دشمنان اسلام خلوص نیت سے صلح کی پیشکش نہیں کریں گے اور ان کی نیت میں فتور ہوگا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ وہ اس طرح آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے۔ اور اندرخانہ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوئی تدبیر کریں گے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اس کی پرواہ نہ کریں اور صلح کے لئے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو خالی نہ لوٹائیں اللہ آپ کے لئے کافی ہے۔ جس نے پہلے ہر آڑے وقت میں تمہاری مشکل کشائی کی ہے اب بھی وہی تمہاری دستگیری کرے گا۔

۵۷۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ... الآية

وہ مومن کون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے رسول کی تائید کی؟

ارشاد قدرت ہے۔ اللہ وہ ہے، جس نے اپنی خاص مدد سے اور مومنین سے آپ کی تائید کی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مخلص اہل ایمان کون ہیں جن کے ذریعے سے خدائے منان نے پیغمبر آخرالزمانؐ کی تائید کی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دوسرے مخلص اہل ایمان کے علاوہ (جن کی تعداد و تشخیص میں اختلاف کی گنجائش ہے) ایک بالاتفاق وہ بزرگوار ہیں جو صرف مومن کامل اور پیکر ایمان ہی نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں امیر المومنین بھی ہیں جن کا نام نامی و اسم گرامی حضرت علیؑ ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے درمنثور میں ابن عساکر وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ مکتوب علی العرش لا اله الا الله انا وحدی لا شريك لی محمد عبدی و رسولی أيدته بعلی عليه السلام و ذلك قوله تعالیٰ هو الذی

ایدك بنصرہ و بالمومنین۔

عرش پر لکھا ہے میرے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ میں واحد و یکتا ہوں۔ میرا کوئی شریک نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بندے اور میرے رسول ہیں میں نے علی علیہ السلام سے ان کی تائید کی ہے۔ اور یہی مطلب ہے اس آیت کا ھو الذی۔ (تفسیر در منشور ج ۳ ص ۱۹۹ طبع مصر کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۸ کذا فی زین الفتی و ینا بیع المودۃ وغیرہا)

۵۸۔ وَ اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ ...الآیۃ

خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے مختلف دلوں میں الفت پیدا کی

تفسیر کی دوسری جلد میں ہم (سورہ آل عمران آیت نمبر...... ۱۰۳) وَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا''۔ کی تفسیر کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی احسان و انعام کا تفصیل سے تذکرہ کر چکے ہیں کہ اس قادر مطلق نے کس طرح قرآن و اسلام اور نبی رحمت کی برکت سے ان لوگوں کے درمیان نہ صرف صلح کرادی۔ جو ایک سو سال سے زیادہ عرصے سے باہم برسر پیکار تھے۔ جیسے انصار کے دو مشہور قبائل اوس اور خزرج۔ بلکہ ان کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا اس طرح دلوں سے نفرت و کدورت کا نکالنا، محبت و اخوت کا پیدا کرنا، اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو باہم جوڑنا قادر مطلق کا ہی کام ہوسکتا ہے اس لئے وہ یہ فرمانے میں حق بجانب ہے کہ اگر تم سارے جہاں کے خزانے لٹوا دیتے تب بھی دو دشمنوں کے دلوں میں الفت نہیں ڈال سکتے تھے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اتحاد اور تنظیم میں بڑی طاقت ہے اور جماعت خواہ تعداد میں کم ہو مگر متحد و منظم ہو تو اپنے سے زیادہ تعداد رکھنے والی جماعت پر غالب آسکتی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ و کم من فئۃٍ قلیلۃ غلبت فئۃً کثیرۃً باذن اللہ۔

اور یہ بات بھی کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ یہ جماعتی اتحاد و اتفاق کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بلکہ بڑا مشکل کام ہے کسی گروہ کے مویّد من اللہ ہونے کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اس کے افراد میں ایسا پائیدار اتحاد ہو کہ کوئی ان کے اس اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ نہ کرسکے اس مقام پر مولانا آزاد بڑے قلبی دکھ کے ساتھ لکھتے ہیں ''اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی باہمی الفت ایک ایسی نعمت ہے جسے خدا نے اپنا خاص انعام قرار دیا ہے۔ افسوس ان پر جو اس نعمت سے محرومی پر قانع ہوگئے اور اس کے لیے اپنے اندر کوئی جلن محسوس نہیں کی۔ آج باہمی

الفت کی جگہ باہمی مخاصمت مسلمانوں کی بڑی پہچان ہوگئی ہے اسی کو انقلاب حال کہتے ہیں''۔(ترجمان القرآن)

۵۹۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ ... الآیة

اے نبی! آپ کے لئے اللہ کی مدد اور اہل ایمان کی رفاقت اور ان کی تائید کافی ہے یہ وہی مفہوم ہے جو ابھی اوپر آیت ۶۲ میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ وہ ہے جس نے اپنی مدد اور اہل ایمان کے ساتھ آپ کی تائید کی ہے اس طرح ومن اتبعك کا عطف لفظ اللہ پر ہوگا۔ نہ معلوم اس میں کچھ فضلاء کو شرک کا کیا شائبہ نظر آیا کہ انہوں نے یہ صاف وسادہ مفہوم چھوڑ کر جو قریباً تمام سنی شیعہ مترجمین نے اختیار کیا ہے، ایک ٹیڑھا سا ترجمہ کر ڈالا کہ۔''اے پیغمبر اللہ تیرے لئے کفایت کرتا ہے اور ان مومنوں کو بھی جو تیرے پیچھے چلنے والے ہیں (ترجمان القران)''۔''اے نبی! تمہارے لئے اور تمہارے پیرو اہل ایمان کے لئے تو بس اللہ کافی ہے (تفہیم القران)۔''اس طرح'' ومن اتبعك کا عطف حسبک کے کاف خطاب پر ہوگا۔ اور اس طرح معطوف اور معطوف علیہ میں ایک اجنبی لفظ اللہ کا فاصلہ واقع ہو جائے گا جو کہ آئمہ نحو کے نزدیک جائز نہیں ہے چنانچہ اس بات کا خود مولانا آزاد کو بھی احساس تھا چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر اس سے جان چھڑانا چاہی ہے کہ اگرچہ بصرہ کے آئمہ نحو اس کے خلاف گئے ہیں''وما کان سیبویه نبی النحو ولا معصوماً''(حاشیہ ترجمان) ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سیبویہ نحو کا نہ نبی تھا اور نہ ہی معصوم تھا۔ مگر اتنا تو مولانا بھی اور باقی سب علماء بھی مانتے ہیں کہ وہ فن نحو کا امام ضرور تھا اس لئے۔ مستند ہے ان کا فرمایا ہوا۔ ہم اس سے زیادہ یہاں کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے

وللناس فیما یعشقون مذاهب

آیات القرآن

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾

ترجمۃ الایات

اے نبی ! اہل ایمان کو جنگ پر آمادہ کرو۔ اگر تم میں سے بیس صابر (ثابت قدم) آدمی ہوئے تو وہ دوسو (۲۰۰) (کافروں) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوئے تو کافروں کے ایک ہزار پر غالب آجائیں گے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے (۶۵) اب خدا نے تم پر بوجھ ہلکا کر دیا اور اسے معلوم ہوگیا کہ تم میں کمزوری ہے۔ تو اب اگر تم میں سے ایک سو صابر (ثابت قدم) ہوں تو دو سو۔۔ پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے۔ اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۶۶) اور یہ بات نبی کے شایان شان نہیں ہے کہ اس کے لئے قیدی ہوں۔ جب تک وہ زمین میں خوب خون ریزی نہ کرے (فتنہ کو کچل نہ دے) تم دنیا کا مال ومتاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے (۶۷)

تشریح الالفاظ

۱۔حرض۔ یہ تحریض سے مشتق ہے جس کے معنی کسی امر پر اکسانے اور برانگیختہ کرنے کے ہیں۔

۲۔یثخن فی الارض کے معنی ہیں زمین میں بڑی خونریزی کرنا

۳۔عرض الدنیا۔ عرض کے معنی دنیا کا مال ومتاع

تفسیر الآیات

۶۰۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ ... الآیة

جب مسلمانوں کا ایمان پختہ تھا تو ایک اور دس کی نسبت سے جہاد واجب تھا

ارشاد ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو جہاد پر آمادہ کرو۔ پھر خبر کے ضمن میں کہ ''تمہارے بیس صابر و ثابت قدم مجاہد دو سو کافروں پر اور تمہارا ایک سو صابر ثابت قدم مجاہدان کے ایک ہزار پر غالب آئے گا'' گویا امر کیا جارہا ہے کہ بیس مسلمانوں کو دو سو کافروں کا اور ایک سو مسلمان کو ایک ہزار کافر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے اور میدان کارزار سے راہ فرار اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو خدا نے ایمان و بصیرت کی دولت سے نوازا ہے اور وہ ایک مقصد کی خاطر جنگ لڑ رہے ہیں۔ اگر کسی گروہ میں خدا اور روز آخرت پر ایمان پختہ ہو جائے تو اس سے اس کے اندر وہ قوت و طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ سو آدمی نہ صرف یہ کہ ایک ہزار سے ٹکرا جاتے ہیں بلکہ ان پر غالب بھی آجاتے ہیں۔ جیسا کہ اسلام کی پہلی جنگ بدر کے موقع پر یہی کیفیت تھی۔ مگر کفار اس ایمانی بصیرت سے تہی دامن ہیں۔ لا یفقھون۔ لہٰذا ان کی یہ جنگ چونکہ بلند مقصد کے لئے نہیں ہے بلکہ محض تعصب و عناد اور ذاتی مفاد کے لئے ہے۔ اس لئے ان میں اس معنوی اور روحانی قوت کا فقدان نظر آتا ہے جو ایک با بصیرت مسلمان میں موجود ہوتی ہے جس کی وجہ سے اسے نصرت خداوندی اپنے گردو پیش نظر آتی ہے اور جس کی بدولت شہادت کی موت زندگی سے زیادہ عزیز دکھائی دیتی ہے

۶۱۔ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰه... الآیة

مگر جب ایمان کمزور ہو گئے اور بصیرت میں کمی آ گئی تو اب صرف دوگنی تعداد سے جہاد واجب ہوا۔

موجودہ ترتیب کے اعتبار سے تو یہ دونوں آیتیں بالکل قریب قریب ہیں۔ مگر الآن کی لفظ اور دونوں آیتوں کے مضمون سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ دوسری آیت بہت بعد اس وقت نازل ہوئی ہے جب مسلمانوں کی ظاہری تعداد تو بہت بڑھ گئی تھی مگر ان کی قوت بصیرت اب گھٹ گئی تھی اور ایمان، بصیرت اور صبر میں ضعف آ گیا تھا۔ چنانچہ صاحب تدبر قرآن رقمطراز ہیں ضعف کا لفظ جسمانی اور مادی کمزوری کے لئے نہیں آتا بلکہ عزم و ارادہ اور معرفت و بصیرت کے ضعف کے لئے آتا ہے (تدبر قرآن)

الغرض ع

جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

اب اللہ نے تخفیف کردی ہے۔ یعنی ایک مسلمان اور دس کفار کے جہاد کا حکم منسوخ کرکے ایک اور دو کا جہاد واجب قرار دیا۔ (مجمع البیان وجلالین)۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ۔ **علم ان فیکم ضعفاً**۔ اور اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم میں ضعف و کمزوری ہے۔ اللہ کو یہ علم تو ازل سے تھا پھر یہ کیوں کہا کہ اللہ کو معلوم ہوا؟ مطلب یہ ہے کہ قوی اور ضعیف کا باہمی امتیاز اور فرق وقوع میں اب آیا اور ظہور اب ہوا الغرض یہ بات پہلے صرف علم خدا میں تھی مگر اب سارے جہان پر واضح ہو گئی۔ بہر حال پہلا حکم جو خاصا سخت تھا منسوخ ہو گیا۔ اور اس کی جگہ دوسرا قدرے نرم حکم آ گیا۔ چنانچہ حضرت امیرؑ سے مروی ہے فرمایا۔ جو شخص اپنے سے دو گنا کافروں کے مقابلے میں راہ فرار اختیار کرے گا وہ فرار من الزحف کے گناہ کبیرہ کا مرتکب متصور ہوگا اور جو اپنے سے تین گنا دشمن کے مقابلہ میں بھاگے گا وہ اس جرم کا مرتکب نہیں سمجھا جائے گا۔ (تفسیر عیاشی وصافی وغیرہ)

واللہ مع الصابرین۔ یہ فتح و غلبہ کا وعدہ صرف انہی صبر و ضبط کرنے والے اہل ایمان سے ہے جو دشمن کی تعداد و طاقت کو دیکھ کر نہ گھبراتے ہیں اور نہ میدان جنگ سے کنی کتراتے ہیں بلکہ صبر و ضبط کا دامن مضبوطی سے تھام کر چٹان کی طرح میدان میں ڈٹ جاتے ہیں۔

٦٢۔ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ۔ الآیۃ۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰى حَتّٰى يُثۡخِنَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ کا صحیح مفہوم

عام تفسیروں میں بالخصوص برادران اسلامی کے عام مفسروں نے اس آیت میں جو اخبار احاد نقل کئے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ فتح بدر کے بعد اسیران بدر کے بارے میں حضرت رسول خدا نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے تو کسی نے کہا کہ انہیں قتل کر دیا جائے اور کسی نے کہا کہ ان سے فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے بہر کیف مختصر رد و بدل کرنے کے بعد بالآخر طے یہی ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جس پر خدا نے یہ عتاب آمیز آیتیں نازل کیں۔ مگر ان روایات پر چند ایرادوارد ہوتے ہیں جن کا ان مفسرین کے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہے۔ (الف) پیغمبر اسلامؐ بموجب ارشاد قدرت۔ اتبع ما اوحی الیک وحی الٰہی کے تابع تھے نہ کہ لوگوں کے مشورے کے، وہ تو کبھی کبھار صرف مسلمانوں کی تالیف قلب کی خاطر کر لیا کرتے تھے۔ مگر کرتے وہی تھے جو حکم خدا ہوتا تھا۔ جیسا کہ آیت وشاورہم فی الامر کی تفسیر میں یہ بات گذر چکی ہے۔ تو یہاں آپ نے کس طرح لوگوں کے مشورہ پر عمل کیا؟ (ب) پیغمبر اسلامؐ عصمت کبریٰ کے تاجدار اور وما

ینطق عن الھویٰ کے مصداق تھے، انہوں نے کس طرح وہ اقدام کیا۔ جس کی وجہ سے خدا کو عتاب والی آیتیں نازل کرنا پڑیں۔ (ج)۔ بعض حضرات کا یہ عذر پیش کرنا کہ یہ آنحضرتؐ کی خطائے اجتہادی تھی جو نبی معصوم تک کے لئے جائز ہے (تفسیر ماجدی بحوالہ مرشد تھانوی) یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی بدترین مثال ہے۔ بھلا جس نبی کا براہ راست خدا سے رابطہ قائم ہو۔ اس کے لیے اجتہاد جائز کب ہے۔ تاکہ خطا وصواب کی بحث کی جائے؟ (د)۔ اگر یہ نبی یا مسلمانوں کی خطائے اجتہادی تھی اور پھر خطاء اجتہادی پر عذاب وعتاب نہیں ہوتا تو پھر خدا نے عتاب آمیز آیتیں نازل کرکے عتاب کیوں کیا؟ الی غیر ذلك من الایرادات۔ ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ یہ تفسیر درست نہیں ہے۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان آیات کی صحیح تفسیر کیا ہے؟ تو جہاں تک میں اللہ کے قرآن، معصومینؑ کے کلام اور محقق مفسرین کے بیان سے سمجھ سکا ہوں اس کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے اسلامی جنگ کے بارے میں خدا نے مسلمانوں کو جو مختصر مگر جامع ہدایات دی تھیں وہ کچھ اس طرح تھیں۔ فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما مناً بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا۔ (سورہ محمد۔ ۴)۔ جب تمھاری کافروں سے مڈبھیڑ ہو تو ان کی گردنیں مارو۔ یہاں تک کہ جب ان کی خوں ریزی کر چکو (انہیں کچل چکو) تو پھر مضبوطی سے باندھ لو۔ پھر اس کے بعد یا احسان رکھ کر یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ تا آنکہ لڑائی ختم ہوجائے یہاں مفسرین نے اثخن یثخن اثخان کے بارے میں بڑی موشگافیاں اور بڑی بحثیں کی ہیں کہ ''اثخان'' کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ خون بہانا، کسی کی قوت وطاقت کو توڑنا، کچل دینا۔ اور کسی پر غلبہ حاصل کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کدوکاوش اس لئے کی گئی ہے۔ کہ اسلام کو خون ریزی کے الزام سے بچایا جائے۔ مگر میرے نزدیک یہ چیز اہم نہیں ہے۔ بلکہ اہم چیز یہ ہے کہ اگرچہ ''اثخان'' کے معنی خون ریزی کے ہی ہیں تو اسلام کا اس خون ریزی سے مقصد کیا ہے؟ اگر اس سے مقصود جوالارض ہے؟ ہوس زر اور محض اقتدار برائے اقتدار حاصل کرنا ہے تو بے شک یہ جذبہ قابل مذمت ہے اور اگر اس اثخان وخون ریزی کا مقصد فتنہ وفساد کی جڑ کاٹنا ہے۔ (حتی لا تکون فتنۃ)۔ اور کفر کا منہ کالا کرکے اللہ کے دین کا بول کرنا ہے اور بندگان خدا سے طاغوت کی پرستش چھڑا کر خدا کی عبادت کرانا ہے (ویکون الدین کله لله) تو پھر یہ مقصد بڑا عظیم ہے تو پھر یقیناً کسی بھی نبی ورسولؐ کو اس وقت تک کافروں سے قتل وقتال اور جنگ وجدال جاری رکھنا چاہیے جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہوجائے یعنی فتنہ وفساد کی بالکل بیخ کنی نہ ہوجائے۔ اس ارشاد خداوندی میں حریف کے فوجیوں کو قید کرنے اور پھر ان سے فدیہ لینے یا احسان رکھ کر آزاد کردینے کی اجازت تو دی گئی ہے۔ مگر اس وقت جب پہلے جنگ کرکے دشمن کی قوت کو کچل دیا جائے اور اس کی شان وشوکت کو خاک میں ملا دیا جائے۔ جنگ بدر میں مجاہدین

سے یہی غلطی ہوئی۔ کہ جونہی جنگ کا پانسہ بدلا۔ اور حریف فوج نے راہ فرار اختیار کی تو مسلمان مال غنیمت لوٹنے اور بچے کھچے کافروں کو قید کرنے اور پھر فدیہ لے کر چھوڑنے کی فکر میں لگ گئے حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ مجاہدین کفار کے بھگوڑوں کا پوری شدت سے تعاقب کرتے اور ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے تا کہ ہمیشہ کے لیے کفار قریش کی طاقت وشوکت کا خاتمہ ہو جاتا اور پھر کبھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کی جرات ہی نہ کر سکتے۔ خدا نے مسلمانوں کی اس کوتاہی پر یہ عتاب آمیز آیتیں نازل فرمائیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس عتاب کا روئے سخن پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی طرف ہے اور ان کو یہ دھمکی دی ہے کہ اگر اس سے پہلے اللہ کا نوشتہ (قانون) نہ ہوتا (کہ بلا بیان سزا جائز نہیں ہے یا فدیہ وصول کرنا اور مال غنیمت حاصل کرنا جائز ہے) تو تمہیں بڑی سزا دی جاتی اور تمہارا سخت مواخذہ کیا جاتا۔ اس لئے خدا فرماتا ہے کہ یہ بات نبی کے شایان شان نہیں ہے کہ جنگی قیدی بنائے، ان سے فدیے وصول کرے اور مال غنیمت حاصل کرے اور اس طرح دولت اکٹھی کرے بلکہ ان کا اصلی ہدف اور نصب العین یہ ہے۔ کہ جس طرح بھی ممکن ہو کافروں کا سر کچلے اور ان کی قوت وطاقت کا خاتمہ کرے۔ مگر تم لوگوں پر دنیوی مال ومنال کی محبت غالب آگئی۔ اور ایسا کر بیٹھے۔ بہر حال یہ غنیمت اور فدیہ والا مال کھاؤ کہ وہ پاک بھی ہے اور حلال بھی ہے۔ **واتقو اللہ**۔ تقوائے الٰہی اختیار کرو۔ **ان اللہ غفور لرحیم**۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔

آیات القرآن

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ

اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

ترجمۃ الآیات

اگر خدا کی جانب سے پہلے ایک نوشتہ موجود نہ ہوتا تو تم نے جو کچھ کیا ہے اس کی پاداش میں تمہیں بڑا عذاب پہنچتا (۶۸) بہر کیف جو کچھ تمہیں بطور غنیمت حاصل ہوا حلال سے اور پاکیزہ سمجھ کر کھاؤ اور اللہ (کی نافرمانی سے) ڈرو۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے (۶۹) اے نبی! ان قیدیوں سے کہو جو آپ کے قبضہ میں ہیں کہ اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں کچھ نیکی اور بھلائی پائی تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا۔ اور تمہیں بخش بھی دے گا کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے (۷۰) اور اگر انہوں نے آپ کو فریب دینا چاہا۔ تو وہ اس سے پہلے خدا کو فریب دے چکے ہیں اور (اس کی پاداش میں) اللہ نے (آپ کو) ان پر قابو دے دیا کیونکہ خدا بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ہے (۷۱) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کیا اور جنہوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور امداد کی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے حامی و مددگار ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان تو لائے مگر ہجرت نہیں کی تو ان سے تمہارا ر ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ہجرت کریں اور اگر وہ کسی دینی معاملہ میں تم سے مدد چاہیں۔ تو تم پر (انکی) مدد کرنا فرض ہے۔ سوا اس صورت کے کہ یہ مدد اس قسم کے خلاف مانگیں جس سے تمہارا معاہدہ امن ہو۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھنے والا ہے (۷۲)

تشریح الالفاظ

۱۔ امکن منھم۔ کے معنی ہیں کسی کو کسی پر قابو دینا۔ ۲۔ آواوا۔ ایواء کے معنی ہیں پناہ دینا۔ ۳۔

ولایت۔ ولی یلی ولایۃ ولایۃ۔معنی ہیں حاکم مقرر کرنا۔متصرف ہونا۔ نیز ولایت کے معنی محبت کرنے کے بھی ہیں۔

تفسیر الآیات

۶۳۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ... الآیۃ

جنگ بدر کے قیدیوں میں سے جن لوگوں کو فدیہ لے کر آزاد کیا گیا تھا۔جن میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس اور ان کے دو بھتیجے عقیل اور نوفل بھی شامل تھے۔تو خدا نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ ان فدیہ دے کر رہائی پانے والوں سے کہو کہ اگر خدا نے تمہارے دلوں میں کوئی خیر و خوبی دیکھی از قسم خلوص نیت، صحت اعتقاد اور ایمان تو خدا تمہیں (دنیا و آخرت میں یا صرف آخرت میں) اس فدیہ سے زیادہ اور بہتر عطا فرمائے گا اور مزید برآں تمہارے سابقہ گناہ بھی معاف کر دیگا۔اور اگر آپ کو دغا دینا چاہینگے تو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ اس سے پہلے خدا سے دغا بازی کر چکے ہیں اور اسی کی پاداش میں خدا نے آپ کو ان پر قدرت دی ہے۔اگر وہ آئندہ بھی ایسا کریں گے تو خدا بھی ویسا ہی ان کے ساتھ کرے گا۔سبحان اللہ کس احسن انداز میں ترغیب و ترھیب کے ذریعہ سے ان لوگوں کو اسلام اختیار کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

اس آیت کی شان نزول

عام مفسرین نے لکھا ہے کہ جب جناب عباس اور ابن عباس اور ان کے دو بھتیجے قید کر کے بارگاہ رسالت میں پیش کئے گئے تو ان سے کہا گیا کہ اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا فدیہ ادا کرو جس کی مقدار بیس اوقیہ سونا تھی انہوں نے کہا کہ میں تو اسلام لا چکا ہوں۔مگر یہ لوگ مجھے زبردستی پکڑ کر اپنے ساتھ لائے ہیں اور میرے پاس جو سونا تھا وہ ان لوگوں نے لوٹ لیا ہے آنحضرتؐ نے کہا کہ جہاں تک آپ کے اسلام لانے کا تعلق ہے تو وہ خدا بہتر جانتا ہے۔حسب ظاہر تو آپ کفار کے ساتھ اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے آئے ہیں اور جو مال مسلمانوں نے اپنے قبضے میں لے لیا وہ تو غنیمت بن گیا وہ تو فدیہ نہیں بن سکتا عباس نے کہا پھر مجھے قریش سے بھیک مانگنی پڑے گی کیونکہ میرے پاس اور تو کوئی مال نہیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا آپ کے پاس وہ مال موجود نہیں ہے جو مکہ سے روانگی کے وقت اپنی بیوی ام الفضل کے حوالے کیا تھا۔اور کہا تھا کہ اگر مجھے کچھ ہو جائے تو میرا یہ مال تمہارا اور تمہاری اولاد کا حق ہے۔یہ سنکر عباس چونکے اور بولے کہ آپ کو یہ بات کس نے

بتائی ہے؟ فرمایا ''اللہ نے'' عباس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ بخدا یہ بات میرے اور میری بیوی کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں تھی اس کے بعد عباس کہا کرتے تھے کہ خدا اور رسول نے سچ کہا اس فدیہ دینے کے بعد خدا نے مجھے اس سے کئی گنا زیادہ مال ومنال عطا فرمایا۔ (ابن جریر طبری، تفسیر کبیر رازی، قرطبی، مجمع البیان، صافی)

۶۴۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا ... الآیۃ۔

ان آیتوں میں گو مہاجرین وانصار کی بے پناہ مدح کی گئی ہے مگر یہ مدح چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے نیز ان آیتوں میں اہل ایمان کی باہمی ولایت ونصرت اور اس کے شرائط نیز کافروں کی باہمی ولایت اور مسلمانوں اور کافروں کے درمیان عدم ولایت اور اولوالارحام کی میراث کا بھی اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان امور کی ذیل میں تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

اخروی اجر وثواب کے حصول کی پہلی شرط ایمان ہے

قرآن مجید میں جہاں جہاں مہاجرین وانصار کے مناقب ومحامد بیان کئے گئے تو وہ کہیں مطلق ہیں اور کہیں مشروط۔ جیسے ''وَ الَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِی اللہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّھُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً ط وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ''۔ (سورہ نحل ...... ۴۱)۔ جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی بعد اس کے ان پر ظلم ڈھائے گئے، ہم ان کو دنیا میں بہتر ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ تو چونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جہاں عام اور خاص، مطلق اور مقید دونوں وارد ہوں تو عام کو خاص پر اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔ بنا بریں جہاں بھی قرآن وسنت میں صرف اسلام لانے، صرف ہجرت کرنے، صرف کسی کو پناہ دینے یا صرف بیعت رسول ﷺ کرنے کے بے حساب اجر وثواب بیان کئے گئے ہیں تو ان عمومات میں تخصیص، مطلقات میں تقیید اور چند مخصوص شرائط کے ساتھ مشروط کرنا پڑے گا۔ چنانچہ قرآن وسنت کی ورق گردانی اور مختلف کڑیوں کو باہم ملانے سے واضح ہوتا ہے کہ حصول ثواب کی پہلی شرط خالص ایمان ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ ''وَعَدَ اللہُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا''۔ (سورہ توبہ ...... ۷۲) ایمان لانے والے مردوں اور ایمان لانے والی عورتوں سے اللہ نے بہشت کے ان باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے نیز فرماتا ہے۔ **ومن یعمل من الصالحات وھو مومن فلا یخاف ظلما و لا ھضما** (سورہ طہ ۱۱۷) جو شخص نیک عمل بجالائے بشرطیکہ وہ مومن ہو اسے نہ

کسی بے انصافی کا ڈر ہوگا اور نہ کسی نقصان کا۔ نیز ارشاد قدرت ہے" فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ "۔ (سورہ انبیاء...... ۹۴) جو شخص نیک کام کرے بشرطیکہ وہ مومن ہو اس کی کوشش سے انکار نہیں کیا جائے گا۔ دوسری شرط عمل ہے اور وہ بھی خلوص نیت کے ساتھ۔ چونکہ ایمان کا تعلق دل و دماغ کے ساتھ ہے۔ ولما یدخل الایمان فی قلوبکم۔ اور وہ باطن ہیں جو ظاہری حواس سے محسوس نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ایمان بھی آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا اس لئے عمل صالح کو نہ صرف وجود ایمان بلکہ اس کی پختگی کی علامت قرار دیتے ہوئے ایمان اور عمل صالح کو لازم وملزوم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ تفسیر کے مقدمات میں سے گیارہویں مقدمہ میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی جا چکی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔" اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔" (سورہ حج...... ۲۳) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی بجالائے خدا ان کو بہشت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ ہم نے کہا ہے کہ عمل میں خلوص نیت بھی لازم ہے۔ تو یہ بات اسلام کے مبادیات پر نگاہ رکھنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ اعبدو الله مخلصین له الدین۔ خلوص نیت کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو۔ ہجرت ہی کو لے لیں جس کی بات ہو رہی ہے۔ پیغمبر اسلام فرماتے ہیں کہ انما الاعمال بالنیات وانما لامرء مانوی فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجر ته الی الله رسوله ومن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او امراه یتزو جها فهجرته الی ماهاجر الیه۔ یعنی تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملے گا پس جس شخص کی ہجرت خدا اور رسول کے لئے ہے تو اس کی ہجرت خدا اور رسول کے لئے ہے اور جس کی ہجرت اس لئے ہے کہ دنیا حاصل کرے یا کسی عورت سے شادی کرے تو اس کی ہجرت اس چیز کی طرف ہے جسکی خاطر اس نے ہجرت کی یہ (مشکوٰۃ المصابیح حدیث اول)۔ بہرحال یہ بات واضح ہے کہ خلوص نیت کے بغیر عمل ایک ایسے جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو۔ یا ایسے پھول کی مانند ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔ ع

نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بے کار ہوتا ہے

تیسری شرط یہ ہے کہ آدمی استقامت سے کام لے اور خاتمہ بالخیر ہو ظاہر ہے کہ انما الاعمال بالخواتیم۔ کہ تمام اعمال کا انحصار خاتمہ پر ہے (بخاری و مسلم و مشکوہ باب الایمان بالقدر) لہٰذا ایمان و اعمال کا فائدہ اسی شخص کو ہوگا۔ جو ایمان لانے کے بعد پھر کبھی دین میں شک نہ کرے اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔" اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ "(سورہ

احقاف...... ۱۳) بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر اس پر قائم رہے تو ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے۔" اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ "(سورہ حجرات...... ۱۵) اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ جس شخص کا خاتمہ کفر وشرک پر ہوگا، اس کے تمام عقائد واعمال رائیگان ہوجائینگے۔ حبطت اعمالهم فلا نقيم لهم يوم القيامته وزنا۔ لہٰذا ہجرت اور پناہ والی آیات سے تمسک کرنے اور ان کو کسی شخص پر منطبق کرنے سے پہلے یہ دیکھنا لازم ہوگا کہ آیا اس میں یہ شرائط پائے جاتے ہیں یا نہیں فاحفظ هذا فانه مفيد جداً۔ ان تمہیدی اور ضروری بیانات کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

ان آیات میں اسلام کی عادلانہ خارجی سیاست اور اس کی بعض اہم دستوری شقوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اسلامی معاشرہ کے چند اقسام کا بیان

۱۔ مہاجرین جو دارالکفر سے ہجرت کرکے دارالاسلام کی طرف آجائیں۔

۲۔ انصار جو مقامی مسلمان ہیں ان بے گھر و در مہاجرین کو پناہ دیں اور اس کے لئے اسباب زیست فراہم کریں۔

۳۔ وہ مسلمان جو اسلام تو لائیں مگر دنیوی مفادات کے تحفظ کی خاطر دار الکفر میں رہ جائیں اور ہجرت کرسکنے کی طاقت وقوت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کریں۔ ۴

۔ان باقی رہ جانے والوں کی پھر دو قسمیں ہیں ایک قسم ان مسلمانوں کی ہے۔ جو ایسے کافر سرداروں کی رعایا ہے جن کا اسلامی حکومت سے دوستی کرنے اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ اور دوسری قسم ان مسلمانوں کی ہے جو ایسے کافر سرداروں کی رعایا ہے جن سے دوستی رکھنے اور جنگ نہ کرنے کا کوئی معاہدہ نہیں ہے۔

ان مختلف اقسام کے مسلمانوں کے احکام

۱۔ مہاجرین اور انصار میں تو کامل موالات وولایت ہوگی۔ بعضهم اولياء بعض وہ بھائی بھائی ہیں جیسا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشہور واقعہ مواخات میں ان کو آپس میں بھائی بھائی بنایا تھا۔ جبکہ حضرت علی کو اپنا بھائی بنایا تھا لہٰذا ان پر ایک دوسرے کی رعایت کرنا اور خوف وخطر کے مقام پر ایک دوسرے

کی مدد و حفاظت کرنا بھی لازم ہوگا۔ بلکہ آیت وراثت کے نزول سے پہلے تو ان میں باہمی وراثت کا سلسلہ بھی جاری کیا گیا تھا یہ بمنزلہ یک جان اور دو قالب کے تھے ان کے مفادات وتحفظات ایک تھے۔ باقی رہے وہ مسلمان جنہوں نے باوجود مسلمان ہونے کے دنیوی مفادات یعنی مال و جائداد اور اولاد کی خاطر ہجرت نہیں کی۔ بے شک ان میں اور دوسرے دارالاسلام کے مسلمانوں میں اسلامی بھائی چارہ والا رشتہ قائم ہے۔ مگر بموجب ارشاد خداوندی۔ مالکم من ولا یتھم من شیٔ اسلامی ریاست کا ان سے وہ سیاسی اور معاشرتی رشتہ اور بھائی چارہ نہیں ہے جو ایک ریاست کا اپنے ہم شہریوں سے ہوتا ہے لہٰذا ان کی معاشی کفالت اور ان کے جان و مال کی حفاظت مسلمان ریاست کی ذمہ داری نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حقوق صرف ان مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں جو اسلامی حکومت کی حدود کے اندر رہتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ لفظ ولایت سے ہے جو قرآن میں واؤ کی زبر کے ساتھ ہے اور اگر یہ لفظ واؤ کی زیر کے ساتھ ہو تو اس کے معنی محبت اور دوستی کے ہوتے ہیں اور جب واؤ کی زبر کے ساتھ ہو تو پھر اس کے معنی سرپرستی کرنے اور حمایت و نصرت کرنے کے ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ چونکہ ان لوگوں کے ساتھ اخوت کا رشتہ قائم ہے اس لئے بحیثیت مسلمان ہونے کے ان لوگوں کو دارالکفر میں کوئی تکلیف پہنچے جیسے ان کو اسلام کے ترک کرنے یا اسلامی شعائر کی توہین کرنے پر مجبور کیا جائے یا کوئی اور دنیوی ظلم و جور ان پر کیا جارہا ہو۔ اور وہ اسلامی حکومت سے مدد طلب کریں تو آیا ان کی امداد فرض ہے یا نہیں؟ تو یہاں سابقہ تفصیل کے مطابق جواب مختلف ہے لہٰذا وہ دارالکفر کے مسلمان جس ریاست کے رعایا ہیں اگر تو مسلمان ریاست کا اس سے معاہدہ دوستی ہے تو پھر اس معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی بلکہ اس معاہدہ کا احترام کیا جائے گا۔ لہٰذا ان مسلمانوں سے معذرت کی جائے گی جنہوں نے اپنے سوءِ اختیار سے اپنا یہ حق ضائع کیا ہے۔ اور اگر اس حکومت سے کوئی معاہدہ امن و دوستی نہیں ہے اور مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے تو پھر اسلامی رشتہ اخوت کی بناء پر ان کی بھرپور مدد کی جائے گی۔

ایضاح

اب تک ہجرت کرنے، یا نہ کرنے والے لوگوں کی جن اقسام کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کے علاوہ ایک قسم اور بھی ہے جو اپنی طبعی کمزوری یا کسی اور لاچاری کی وجہ سے دارالکفر سے ہجرت نہ کرسکیں اور مجبوراً وہ وہاں قیام پذیر ہوں۔ یا کفار کے ہاتھوں قید و بند میں مبتلا ہوں تو ان کی رہائی اور گلوخلاصی کرنا تمام عالم اسلام پر فرض کفائی ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں معاشرتی اور سیاسی رشتہ نہیں ٹوٹتا۔

آیات القرآن

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے حامی و مددگار ہیں اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد پھیل جائے گا (۷۳) جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور امداد کی یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی (۷۴) اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ بھی تم ہی میں داخل ہیں اور جو صاحبان قرابت ہیں، وہ اللہ کی کتاب میں (میراث کے سلسلہ میں) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے۔ (۷۵)

تشریح الالفاظ

۱۔ میثاق کے معنیٰ عہد و پیمان کے ہیں۔ ۲۔ فتنه۔ کے کئی معنیٰ ہیں منجملہ ان کے بعض یہ ہیں۔ آزمائش، گمراہی، عذاب، مال و اولاد اور جنگ وجدال۔ ۳۔ اولوالارحام۔ کے معنی ہیں قرابتدار اور رشتہ دار۔

تفسیر الآیات

٦٥۔ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡضُھُمۡ ... الآیۃ۔

مومن مومن کا ولی ہے اور کافر کافر کا، اس موضوع پر تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۲۸۔ لایتخذ لمومنون الکافرین اولیاء کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جا چکی ہے کہ مجبوری کے علاوہ تمام حالات میں اہل ایمان کے لئے کفار سے قلبی دوستی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے درمیان دینی اخوت کا رشتہ موجود نہیں ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

٦٦۔ اِلَّا تَفۡعَلُوۡہُ تَکُنۡ فِتۡنَۃٌ ... الآیۃ۔

اگر تم نے ایسا نہ کیا آیا اس فقرہ کا تعلق صرف قریبی فقرہ ہے۔ **والذین کفروا الآیہ**۔ کے ساتھ ہے یا تمام سابقہ احکام وارشادات کے ساتھ؟ اسمیں فی الجملہ اختلاف نظر پایا جاتا ہے مگر اشہر واظہر یہ ہے کہ اس کا تعلق تمام سابقہ ہدایات کے ساتھ ہے اور اس پیرایہ میں ان حکیمانہ ہدایات کی حکمت ومصلحت بیان کی گئی ہے کہ اگر ایسا کرو گے تو امن وسلامتی برقرار رہے گی ورنہ ان احکام کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں وہ آتش فتنہ و فساد بھڑکے گی کہ امن وامان اور خوش حالی وفارغ البالی کے خرمن کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔

٦٧۔ والذین آمنوا ۔۔۔ آلاٰیۃ

ابھی اوپر آیت ۸۲ کی تفسیر میں اس آیت کی مکمل ومفصل تفسیر مذکور ہے۔

٦٨۔ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ ... الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ میں '' وَ السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُھٰجِرِیۡنَ وَ الۡاَنۡصَارِ '' (سورہ توبہ ...... ۱۰۰) میں اور **والذین اتبعوھم باِلاحسان** (ایضاً) میں جو طبعی اور فطری فرق مراتب ہے، اس کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے، ہجرت کی ہے اور پھر جہاد بھی کئے ہیں، بے شک وہ تم ہی سے ہیں، تمہارے اسلامی بھائی ہیں انہیں وہ تمام سیاسی اور مذہبی حقوق حاصل ہیں جو تمہیں حاصل ہیں۔ لیکن جہاں تک مدارج اور مراتب کا تعلق ہے وہ یقیناً مختلف ہیں سابقون واوّلون کا مقام اور ہے اور تابعون آخرون کا مقام اور؟ ان کی شان اور ہے اور ان کی منزل اور۔ ع

گر حفظ مراتب نکنی زندیقی

٦٩۔ وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ ... الآیۃ۔

ہجرت کے بعد جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان عقد مواخات پڑھایا تھا تو اس وقت اوائل ہجرت میں اس اخوت کی بناء پر مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے مالی وارث بھی قرار دے گئے تھے مگر اس آیت کے ذریعہ یہ سلسلہ وراثت منسوخ کر دیا گیا اور واضح کیا گیا کہ مالی وراثت دینی ولایت واخوت کی بناء پر نہیں بلکہ قرابت داری اور رشتہ داری کی بناء پر ہے اور وہ اس طرح کہ **اولو الارحام بعضهم اولیٰ ببعض**۔ کہ بعض بعض سے زیادہ حقدار ہے۔ یعنی الاقرب یمنع الابعد جو وارث مرنے والے کا زیادہ قریبی رشتہ دار ہے وہ دور کے رشتہ دار کو محروم کر دیتا ہے اور اقرب کی موجودگی میں ابعد کو کچھ نہیں ملتا۔ اس سے فقہ جعفریہ کے نظریہ کی تائید مزید ہوتی ہے کہ اس کی رو سے وارثوں کے تین طبقات میں اولیٰ ثانیہ اور ثالثہ اور معیار یہ ہے کہ جو اقرب ہے وہ ابعد کے لئے حاجب ومانع ہوتا ہے خواہ وہ سہم والا ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ عصبہ ہو یا نہ ہو۔ قانون وراثت کی بقدر ضرورت تفصیل تفسیر کی دوسری جلد سورہ نساء کی آیت (۱۱) **یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین** تا آیت ۱۲ کی تفسیر میں گذر چکی ہے تفصیل دیکھنے کے خواہشمند حضرات اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔ **فان فیہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایہ**

۷۰۔ ان اللہ۔ الایۃ۔

خدا ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے اور اس نے اپنے علم کامل اور اپنی حکمت بالغہ سے ہر چیز کی اپنی ایک حد مقرر کر دی ہے۔ مہاجرین وانصار کا مقام اپنا ہے، عام دینی بھائیوں کا مقام اپنا ہے۔، دینی ومذہبی اخوت و برادری کا مقام الگ ہے اور قرابتداری ورشتہ داری کی منزل الگ ہے، اور یہ فرق مراتب کائنات کی ہر دو چیزوں میں جاری وساری ہے دونبیوں کے مقام میں بھی فرق اور دو وصیوں کی شان میں بھی فرق ہے۔ اسی اصول کی اساس پر ہمارے مذہبی اصول قائم ہیں۔ ہم کبھی سب کو برابر نہیں کہتے اور کچھ فرق نہیں ان چاروں میں کا راگ نہیں الاپتے بلکہ ہر ہر معاملہ میں افضل کو افضل اور مفضول کو مفضول کہتے ہیں اور اعلیٰ کو اعلیٰ اور ادنیٰ کو ادنیٰ کہتے ہیں اسلامی عدل الٰہی کے مطابق نہ کسی کو اس کے مقام سے بڑھاتے ہیں اور نہ کسی کو اس کے مقام سے گھٹاتے ہیں بلکہ اعلیٰ کو اعلیٰ اور ادنیٰ کو ادنیٰ کہتے ہیں۔ خدائے علیم وحکیم نے جس کو جو مقام عطا کیا ہے ہم اس کو اسی مقام پر فائز جانتے ہیں اور یہی اسلامی عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔ دعا ہے کہ خداوند کریم ہم سب کو اپنے فرائض اور اپنی شرع شریف کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ بحق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآلہ۔۔

بفضلہٖ وعونہٖ تعالیٰ انہی الفاظ پر سورۂ انفال کی تفسیر ختم کرتے ہیں۔

والحمد للہ اولاً وآخراً۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ

یہ سورہ مدنی ہے اسکی ۱۲۹ آیات اور ۱۶ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

عام حدیثوں میں تو اس کا نام ''سورہ البراۃ'' مذکور ہے کیونکہ اس کا آغاز ''**براۃ من اللہ ورسولہ**'' سے ہوتا ہے ہاں البتہ! اسکی تیسری آیت میں چونکہ توبہ کا ضمنی طور پر تذکرہ کیا گیا ہے۔ جسکی وجہ سے عموماً اس سورہ کے سرنامے پر سورۃ التوبہ ہی لکھا جاتا ہے۔ بہرحال عنوان میں لکھا کچھ ہی جائے یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ سورۂ عذاب اور سورہ فاضحہ ہے۔

ا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی ابتداء میں بسم اللہ نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں لکھوائی تھی اور تیسری وجہ بسم اللہ نہ لکھنے کی یہ ہے کہ بسم اللہ امان کی علامت ہے جبکہ یہ سورہ رفع امان کے لئے نازل ہوا ہے۔ اور یہ سورہ قرآن کی وہ واحد سورہ ہے جسکی بسم اللہ جزء نہیں ہے جیسا کہ تفسیر کی پہلی جلد میں بسم اللہ کی بحث میں اس بات کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

اس سورہ کا زمانہ نزول

قطع نظر دوسرے تاریخی شواہد کے خود اس سورہ میں مذکورہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ فتح مکہ کے بعد مدینہ میں ۹ھ میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں غزوہ تبوک کے تفصیلی واقعات کا تذکرہ ہے جو رجب ۹ھ میں پیش آئے اور اس میں مشرکین عرب سے لاتعلقی اور عام برات و بیزاری کے اعلان کا بھی تذکرہ ہے جو اسی سال (۹ء) حج کے موسم میں کیا گیا۔

اعلان برأت کے لئے حضرت علیؑ کی تقرری کا تذکرہ۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال حضرت ابوبکر کو امیر الحاج، مقرر کر کے روانہ کر چکے کہ یہ تقریر نازل ہوئی اور حضور نے فوراً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے بھیجا تا کہ حج کے موقع پر تمام عرب کے نمائندہ اجتماع میں اسے سنائیں اور اس کے مطابق جو طرز عمل تجویز کیا گیا تھا۔ اس کا اعلان کردیں'' (تفہیم القرآن ج ۲)

جس واقعہ کا مولانا مودودی نے سرسری تذکرہ کیا ہے، یہ تاریخ اسلام کا ایک معرکۃ الاراء واقعہ ہے

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے اس اعلان برات کا فریضہ ادا کرنے کے لئے جناب ابوبکر کو مامور فرمایا۔ اور بعد ازاں ان کو معزول کر کے حضرت علیؑ کو اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے مقرر فرمایا۔ چنانچہ جناب ابوبکر دل گرفتہ واپس آئے اور اپنی معزولی کا سبب پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **لا یبلغ الا انا او رجل منی** ''(اپنے فرائض نبوت کو یا میں خود ادا کر سکتا ہوں یا وہ شخص جو مجھ سے ہو یعنی اور کوئی ادا نہیں کر سکتا) چنانچہ یہ ایک مسلمہ تاریخی واقعہ ہے۔ لہٰذا امیر الحاج اور مبلغ سورہ برات حضرت علیؑ ہی تھے ملاحظہ ہو تفسیر در منثور ج ۳۔ ۲۰۹ ص ۲۱۰ ۳ طبع مصر خصائص نسائی ۶۱ / ۶۲ فتح الباری شرح بخاری ج ۸ ص ۲۴۱، کنز العمال ج ۱ ص ۲۴۶ الروض الانف ج ۳ ص ۳۲۸ تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۳ وغیرہ وغیرہ۔ اس واقعہ سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، ہم نے ان پر اثبات الامامت میں تبصرہ کر دیا ہے۔

بہر حال ان حقائق کی روشنی میں صاحب ضیاء القرآن کے اس بیان کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے کہ'' چنانچہ آپ (حضرت علیؑ) حضرت صدیق کی اقتدا میں ہی نمازیں ادا کرتے آپ کی ہدایت کے مطابق ارکان حج ادا کرتے مکہ پہنچے (ضیاء القرآن)

(اس سورہ کے مضامین کی اجمالی فہرست)

۱۔ مشرکین عرب سے اعلان برات اور سابقہ رعایتوں کی منسوخی کا اظہار یعنی مکمل ترک موالات۔

۲۔ جو مشرک پناہ طلب کریں ان کو پناہ دینے کا حکم۔

۳۔ جنگ حنین اور مسلمانوں کا اپنی کثرت پر اترانے اور اس کے انجام بد کا تذکرہ۔

۴۔ مشرکین کی نجاست کا بیان

۵۔ دین اسلام کے ادیان عالم پر غالب ہونے کا اعلان۔

۶۔ مساجد کے احترام اور ان میں مشرکوں کے داخلہ پر اور برہنہ طواف کرنے پر پابندی۔

۷۔ دولت اکٹھی کر کے رکھنے اور مالی حقوق ادا نہ کرنے کی ممانعت۔

۸۔ بارہ مہینوں میں چار محترم مہینوں کا تذکرہ۔

۹۔ نسئی کی ممانعت اور اس کی وضاحت۔

۱۰۔ شب ہجرت کا بیان۔

۱۱۔ جہاد کے موقع پر مسلمانوں کے کمزوری ظاہر کرنے کا تذکرہ۔

۱۲۔ منافقین کے کردار کی کچھ جھلکیاں۔

۱۳۔ مستحقین زکوٰۃ کا تذکرہ

۱۴۔منافقین سے (قولی) جہاد کرنے کا حکم۔

۱۵۔مشہور عام منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت۔

۱٦۔مسجد ضرار کا تذکرہ اوراس کے گرانے کا حکم۔

۱۷۔مومنین کے جان و مال کے جنت کے عوض خریدنے کا تذکرہ۔

۱۸۔کفار ومشرکین کے لئے طلب مغفرت کی ممانعت۔

۱۹۔دین کی معرفت حاصل کرنے کے لئے سفر کرنے کا حکم۔

۲۰۔علماء کی طرف رجوع کرنے کا حکم۔

۲۱۔غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں کی سرزنش۔

۲۲۔اگر کوئی کافر قرآن سننے کے لئے آئے تو اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ اسے اس کے مقام پر پہنچایا جائے۔

۲۳۔سب مومن بھائی ہیں۔

۲۴۔تکبروغرور کی برائی۔

۲۵۔مشرکوں کے نجس العین ہونے کا تذکرہ۔

۲٦۔صادقین کون ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

(سورہ التوبۃ مدنیۃ وھی ماۃ وتسع وعشرون آیۃ وستہ عشر رکوعا)

(سورہ توبہ مدنی ہے اس کی آیات ۱۲۹ ہیں اور رکوع ١٦ ہیں)

آیات القرآن

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۴﴾

ترجمۃ الآیات

اے مسلمانو! خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان برات ہے ان مشرکین سے جن سے تم نے (صلح کا) معاہدہ کیا تھا۔(۱)۔(اے مشرکو) اب تم صرف چار ماہ تک اس سرزمین پر چل پھرلو اور تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو ذلیل ورسوا کرنے والا ہے۔ (۲)۔اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کو حج اکبر والے دن اعلان عام ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری وبیزار ہیں۔اب اگر تم (کفر وشرارت سے) توبہ کرلو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم نے اس سے روگردانی کی تو پھر جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور (اے نبی) کافروں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادو۔(۳) سوا ان مشرکوں کے کہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا اور انہوں نے (اپنا قول وقرار نبھانے میں) کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کی امداد کی سو تم ان سے کیا ہوا معاہدہ اس کی مقررہ مدت تک پورا کرو۔بے شک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے (۴)

تشریح الالفاظ

۱۔فسبحوا۔ یہ ساح یسیح سیاحۃ سے مشق ہے جس کے معنی زمین پر چلنا پھرنا اور سفر کرنا۔۲۔غیر معجز اللہ۔وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ۳۔مخزی۔خزی ء سے مشتق ہے، جس کے معنی ذلیل ورسوا کرنے کے ہیں۔۴۔ولم یظاھروا علیکم۔اس کے معنی ہیں تمہارے خلاف کسی کی امداد نہیں کی۔۵۔انسلخ۔کے معنی گذر جانے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۱۔ بَرَآئَۃٌ مِّنَ اللہِ وَرَسُوۡلِہٖ...الآیۃ۔

اعلان برات کا پس منظر

سنہ ۶ ھ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار قریش سے صلح حدیبیہ کے مقام پر دس سال کے لئے معاہدہ امن کیا تھا کہ دونوں فریق صلح وامن کے ساتھ رہینگے، اس دوران نہ باہمی جنگ ہوگی اور نہ ہی کسی جنگ کرنے والے کی مدد کی جائے گی اور اس معاہدہ میں قریش کے علاوہ دوسرے قبائل کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ آزاد ہیں۔ جس کے چاہیں حلیف بن جائیں۔ چنانچہ بنی خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف بنے اور بنی بکر نے قریش کا حلیف بننا پسند کیا۔ ۷ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سمیت مکہ جاکر فوت شدہ عمرہ کی قضا کی اور تین دن وہاں قیام فرمایا۔ اور اس معاہدہ کی کوئی خلاف ورزی نہ ہوئی کچھ عرصہ کے بعد قبیلہ بنی بکر نے (جو قریش کے حلیف تھے) قبیلہ خزاعہ پر شبخون مارا (جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف تھے) اور قریش نے بھرپور ان کی مدد کی۔ حتی کہ سہیل بن عمرو خود اس حملہ میں شریک ہوا جس نے معاہدہ حدیبیہ پر دستخط کئے تھے۔ بنی خزاعہ نے خانہ کعبہ میں پناہ لی۔ اور خدا کے نام پر امان مانگی۔ مگر اس کے باوجود ان کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ ان کے چالیس آدمی جو اس قتل سے بچ گئے تھے۔

مدینہ پہنچے اور پیغمبر اسلام کو اپنا ماجرا سنایا۔ قریش کا اس بدعہدی کی وجہ سے یہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔ اب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی اس معاہدہ کی پابندی ضروری نہ رہی۔ جب کفار قریش کو اس کی اطلاع ہوئی تو ابوسفیان نے اس معاہدہ کی تجدید کی کوشش تو کی مگر اسے ناکام ہونا پڑا۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس ماہ رمضان المبارک ۸ ھ کو دس ہزار مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ مکہ کا قصد فرمایا اور بغیر کسی قابل ذکر خونریزی کے فتح مکہ کی فتح مبین ظہور میں آئی۔ اس سال حج قدیم طریقہ پر ہوا۔ ۹ ھ میں مسلمانوں نے اپنے طریقہ پر اور مشرکین نے اپنے طریقہ پر کیا۔ نیز ۹ ھ میں مسلمانوں کو غزوہ تبوک کی مہم پیش آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور دوسرے مسلمانوں کو مدینے سے بہت دور قصر روم سے نبرد آزمائی و پنجہ آزمائی کے لئے دور دراز سفر پر جانا پڑا اور ان آستین کے سانپوں کو پھر موقع ملا کہ مسلمانوں کو ڈسیں۔ بہرحال جب آپ اس سفر سے مظفر ہو کر واپس آئے تو (سورہ انفال کی آیت ۵۸)

و اما تخافن من قوم خیانۃً ...الآیۃ۔

کے حکم کے مطابق اے نبی! جب آپ کو کسی قوم سے نقض عہد اور غداری کا سخت اندیشہ ہو تو آپ ان کا معاہدہ ان کی طرف پھینک دیں اور ان کو بتا دیں کہ اب ہمارا تمہارا کوئی معاہدہ نہیں ہے اور اس کی اطلاع و اعلان کے بغیر جنگ نہ کریں کہ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے خیانت متصور ہو گی۔ اب ان حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قانونی، شرعی، اور اخلاقی جواز پیدا ہو گیا تھا کہ ان تمام معاہدات کی منسوخی کا اعلان کر دیں تا کہ کفار کو اب اسلامی انقلاب کو ناکام بنانے اور مار آستین بن کر ڈسنے کا مزید موقع نہ دیا جائے چنانچہ ۹ھ کو حج کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے بروز حج اکبر (۱۰ ذی الحجہ) کو سورہ برات کی ابتدائی چند آیات پڑھ کر اعلان برات فرمایا اور اس اعلان کی رو سے یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ (الف) آئندہ کوئی کافر و مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ (ب)۔ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف نہیں کر سکے گا۔ (ج)۔ باوجودیکہ کہ اب معاہدہ امن ختم ہو چکا مگر پھر بھی اعلان کیا گیا کہ اچانک حملہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس اعلان سے لے کر چار ماہ تک کی مدت تک مہلت دی گئی جو ۱۰ ذی الحجہ سے شروع ہو کر ۱۰ ربیع الثانی کو ختم ہو گی اس مدت میں ان کو نقل وحرکت کی مکمل آزادی ہو گی۔ (البتہ) اس کے بعد حالت جنگ متصور ہو گی کہ ان بدعہدی کرنے والوں کو قتل بھی کیا جا سکے گا اور قید بھی کیا جا سکے گا اور ان کا محاصرہ بھی کیا جائے گا۔ (د)۔ جن گروہوں نے معاہدہ شکنی نہیں کی ان کا معاہدہ اپنی جگہ قائم رہے گا اور اس کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ ۱۰ھ میں خالص اسلامی طریقہ پر حج ادا کیا گیا جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے اس طرح خانہ خدا کو کفر و شرک اور غلط رسم و رواج کی آلودگیوں سے پاک کر دیا گیا۔ اور آئندہ کے لئے اس عبادت گاہ کو اہل توحید و ایمان کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

مخفی نہ رہے کہ یہاں ''اربعۃ اشہر'' (چار مہینوں) سے وہ اشہر حرم مراد نہیں جن میں جنگ کرنا حرام ہے اور جن کا تذکرہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۴ میں کیا گیا ہے اور وہ ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب ہیں۔ بلکہ ان چار مہینوں سے وہ مہینے مراد ہیں جن میں مشرکین عرب سے جنگ کرنا حرام قرار دی گئی تھی، وہ دس ذی الحجہ سے لیکر دس ربیع الثانی تک چار مہینے ہیں کہ اس دوران وہ سوچ سمجھ کر اپنے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کر لیں کہ اسلام لانا ہے، لڑنا ہے یا ملک چھوڑ کر کہیں اور جا کر رہنا ہے بہر حال جو فیصلہ بھی کرنا ہے وہ غور و فکر کر کے کریں جلد بازی میں کوئی غلط فیصلہ نہ کریں جس کا انہیں بعد میں خمیازہ بھگتنا پڑے۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کفار کولڑنے مرنے یا کلمہ پڑھنے یا ملک چھوڑنے پر مجبور کرنا لا اکراہ فی الدین۔ اور من شاء فلیومن و من شاء فلیکفر کے منافی معلوم ہوتا ہے۔تو اس شبہ کا ازالہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ ہاں یہ درست ہے کہ اسلام کسی کوکلمہ پڑھنے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ وہ حکمت اور موعظہ ءحسنہ کے ساتھ دعوت دیتا ہے۔ قل الحق من ربکم فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر ۔مگر حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ اور نہ ہی سارے کافر ومشرک ایک جیسے ہوتے ہیں اس لئے کبھی حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے کو کفار ومشرکین کے نجس وجود سے پاک کر دیا جائے تا کہ زمین خدا کو ان کی فتنہ سامانیوں اور ہنگامہ آرائیوں سے محفوظ رکھا جا سکے اور بندگان خدا کو ان کے ضرر روزیاں سے بچایا جا سکے (حتی لا تکون فتنۃ)۔ ورنہ اگر کافر بے ضرر ہوں اور پر امن شہری بنکر رہنا چاہیں تو اسلام ہرگز ان کی رہائش پر کوئی قدغن نہیں لگا تا۔

ایضاح

ان دونوں آیتوں میں صنعت التفات کو کام میں لایا گیا ہے یعنی خطاب سے خطاب کی طرف التفات ہے پہلے خطاب مسلمانوں سے ہے کہ تم نے جن (کفار) سے معاہدہ کیا تھا پھر یکدم روئے خطاب کفار ومشرکین کی طرف ہو گیا ہے کہ تمہیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے اس مدت میں تم خوب گھوم پھر لو اس کے بعد اذان من اللہ ورسولہ میں پھر غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے۔''خدا ورسول مشرکوں سے بیزار رہیں'' یہاں غائب کے طور پر مشرکین کا تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر انہی سے خطاب ہے فان تبتم ۔ وان تولیتم ۔تم اگر توبہ کرلو جس کا دروازہ بہر حال کھلا ہے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم اس سے روگردانی کرو اور بدستور مخالفت پر کمر بستہ رہو تو تم اللہ کو عاجز و بے بس نہیں کر سکتے ۔ پھر یکدم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روئے خطاب ہو جاتا ہے اور ان کا ذکر غائب کے طور پر ہو رہا ہے۔ کہ ان کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ بطور تحکم بدخبری کو خوشخبری کہا ہے جیسے ارشاد قدرت ہے۔ ذق انك انت العزیز الکریم ۔جہنم کے پانی کا مزہ چکھ کیونکہ تو عزیز بھی ہے اور کریم بھی ہے مخفی نہ رہے کہ اس آیت میں حج اکبر کی لفظ استعمال کی گئی ہے۔؟ اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔فرمایا عمرہ حج اصغر ہے اور اس کے مقابلے میں حج۔ حج اکبر ہے (الکافی العیاشی والصافی)

''عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جس سال عرفہ بروز جمعہ واقع ہو صرف وہ ہی حج اکبر ہے اس کی اصلیت

اس کے سوانہیں ہے کہ اتفاقی طور پر جس سال رسول کریم ﷺ کا حجۃ الوداع ہوا ہے اس میں عرفہ بروز جمعہ ہوا تھا''(معارف القرآن ج ۴)

۲۔ إِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ ... الآیۃ۔

اس آیت میں اسی حکم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔جسکی طرف اوپر پس منظر میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ جن لوگوں نے معاہدہ امن وصلح کا احترام کرتے ہوئے اس کی ظاہری و باطنی طور پر خلاف ورزی نہیں کی تو مسلمانوں کو تلقین کی جارہی ہے کہ وہ اس معاہدہ کا احترام کریں اور اس معاہدہ کی مدت ختم ہونے تک ان لوگوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کریں اور معاہدہ توڑنے کے لیے بہانے تلاش نہ کریں۔ان اللہ یحب المتقین۔اور واضح ہے کہ تقویٰ کا مفہوم اس کے سوا اور کیا ہے کہ واجبات کو ادا کیا جائے اور محرمات سے احتراز کیا جائے۔اور ظاہر ہے واجبات شرعیہ میں سے ایک واجب عہد و پیمان کا پورا کرنا بھی ہے۔

آیات القرآن

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ إِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ إِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَإِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ إِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ كَيْفَ وَإِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ إِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ

یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨

ترجمۃ الآیات

پس جب محترم مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں کہیں بھی پاؤ قتل کرو اور انہیں گرفتار کرو اور ان کا گھیراؤ کرو اور ہر گھات میں ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کرلیں نماز پڑھنے لگیں اور زکوۃ ادا کرنے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک خدا بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔(۵) اور اے رسول! اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو تا کہ وہ اللہ کا کلام سنے اور پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ (حکم) اس لئے ہے کہ یہ لوگ (دعوت حق کا) علم نہیں رکھتے (۶) بھلا ان مشرکوں کا اللہ اور اس کے رسول کے ہاں کس طرح کوئی عہد و پیمان ہوسکتا ہے بجز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس (بمقام حدیبیہ) معاہدہ کیا تھا سو جب تک وہ لوگ تم سے سیدھے رہیں (معاہدہ پر قائم رہیں) تو تم بھی ان سے سیدھے رہو (قائم رہو)۔ بے شک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔ (۷)(ان کے سوا دوسرے) مشرکین سے اس طرح کوئی معاہدہ ہوسکتا ہے؟ حالانکہ اگر وہ تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت کا پاس کریں اور نہ کسی عہد و پیمان کی ذمہ داری کا۔ وہ صرف تمہیں اپنے منہ (کی باتوں) سے راضی کرنا چاہتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔ (ان کے سوا دوسرے) مشرکین سے کس طرح کوئی معاہدہ ہوسکتا ہے؟ حالانکہ اگر وہ تم پر غلبہ پا جائیں تو وہ تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت کا پاس کریں اور نہ کسی عہد و پیماں کی ذمہ داری کا۔ وہ صرف تمہیں اپنے منہ (کی باتوں) سے راضی کرنا چاہتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں میں سے زیادہ تر لوگ فاسق (نافرمان) ہیں (۸)

تشریح الفاظ

۱۔مرصد۔ کے معنی ہیں گھات میں بیٹھنے کی جگہ۔ ۲۔مامن۔ کے معنی ہیں جائے امن و آرام۔
۳۔یرقبوا۔ رقوب کے معنی ہیں لحاظ کرنا نگرانی کرنا۔ ۴۔الا۔ ال کے معنی ہیں اقرار، عہد اور پڑوسی وغیرہ۔

۵۔ ذمہ۔ کے معنی ہیں امان، ذمہ داری، حفاظت اور معاہدہ وغیرہ۔

تفسیر الآیات

۳۔۳۔ فاذا انسلخ... الآیۃ۔

اس آیت میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جنھوں نے معاہدہ شکنی کا آغاز کیا مگر ان کے خلاف کوئی کاروای کرنے سے پہلے اسلامی رواداری کے تحت چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی ارشاد ہو رہا ہے کہ جب یہ چار مہینے گذر جائیں تو پھر انہیں قتل کرو، قید کرو اس موضوع پر او پر پس منظر کے آخر میں بقدر ضرورت تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

۴۔ فَاِنۡ تَابُوۡا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ... الآیۃ۔

یہاں یہ حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر کفار و مشرکین اپنے کفر و شرک سے توبہ کر لیں تو پھر ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا مگر یہ توبہ تین چیزوں پر موقوف ہے ایک یہ ہے کہ ایمان لائیں اور چونکہ ایمان ایک باطنی کیفیت کا نام ہے اس کا سراغ لگانے کے لئے دو ظاہری علامتیں مقرر کی گئیں ہیں۔ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں۔ ان چیزوں سے معلوم ہوگا کہ واقعاً ان لوگوں نے کفر و شرک چھوڑ دیا ہے اور دین اسلام اختیار کر لیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس جماعت سے یہ دو عملی باتیں (اقامۃ الصلوۃ اور اداء الزکوۃ) مفقود ہو جائیں اس جماعت کا مسلمانوں میں شمار کرنا مشکل ہے۔

۵۔ وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ... الآیۃ۔

اسلام کی اعلیٰ وارفع تعلیم

اگر کوئی کافر و مشرک مسلمانوں سے درخواست کرے کہ وہ اسلام کو سمجھنا چاہتا ہے تو مسلمانوں پر اس کو پناہ دینا اور اسے اسلام سمجھانا لازم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح وہ کفر چھوڑ کر اسلام کی پناہ گاہ میں داخل ہو جائے۔ اور اس کی دنیا و آخرت سنور جائے اور اس عرصہ میں (جو زیادہ طویل نہیں ہوسکتا) اس کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر لازم ہوگی اب اگر اس کے شکوک و شبہات زائل ہو جائیں اور وہ بتوفیق الٰہی مشرف باسلام ہو جائے تو فہو المراد اور اگر مسلمان نہ ہو تب بھی اسے بحفاظت اس کے مسکن پہنچانا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں پر خائن اور دغا باز ہونے کا الزام عائد نہ ہو سکے۔ اب رہی یہ بات کہ اس مشرک سے کون مراد ہے؟ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ پہلا حکم (فاقتلوا المشرکین) ان کے واسطے تھا جو اتمام حجت کی تمام منزلیں ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کے لئے برسر آزار رہے۔ لیکن ایسے مشرکین جو خالی الذہن ہیں اور ان میں کچھ افراد حق طلب بھی ہو سکتے ہیں ان کے لئے یہ روادارانہ حکم ہے کہ

اگروہ اسلامی مرکز میں تحقیق کے لئے آنا چاہتے ہیں تو انہیں پورے تحفظات کے ساتھ آنے دیا جائے (فصل الخطاب)
لیکن اکثر مفسرین نے یہ خالی الذہن افراد کی کوئی قید نہیں لگائی۔ بلکہ اسے اپنے عموم پر باقی رکھا ہے۔
بلکہ یہاں تک تصریح کی ہے کہ اگر کوئی دشمن دوران جنگ بھی یہ درخواست کرے کہ وہ اسلام سمجھنا چاہتا ہے تو
اسے امان دے کر اپنے ہاں آنے کا موقع دینا چاہیے (تفہیم القرآن) نظر قاصر میں یہی عموم والا قول اسلام کے
مزاج سے زیادہ ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ العالم

ذلك بانهم قوم لايعلمون۔ یہ ایسی قوم ہیں جو جانتے نہیں ہیں۔لہٰذا انہیں جاننے کا موقع
فراہم کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔

۵۔ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ ... الآية۔

اس آیت میں پہلی آیت والے عہد شکنوں اور چوتھی آیت والی پہلی قسم کے عہد و پیمان پر کوئی اعتبار
نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ ایسے بدقماش اور بدمعاش ہیں کہ اگر ان کو ذرا بھی غلبہ حاصل ہو جائے تو یہ اہل ایمان
کے بارے میں نہ کسی قسم کی قرابتداری کا لحاظ رکھیں اور نہ ہی قسم کے عہد و پیمان کا پاس کریں تمہارے خون ناحق
سے نہ صرف یہ کہ اپنی پیاس بجھائیں۔ بلکہ خون کی ندیاں بہائیں۔ وہ صرف زبانی کلامی طور پر تمہیں خوش کرنا
چاہتے ہیں مگر ان کے دل ان کی زبان سے متفق نہیں ہیں وہ اکثر فاسق و فاجر ہیں جنہیں اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کا
کوئی احساس اور پاس نہیں ہے ہاں البتہ اگر وہ جو اپنے کفر و شرک سے توبہ کر لیں (اس سے باز آ جائیں)۔ نماز
قائم کریں اور زکوٰۃ دیں جو حقوق میں سے جامع حق ہے تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ الغرض ایسے مشرکوں کا
خدا اور رسول کی نگاہ میں کوئی عہد نہیں ہو سکتا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے مسجد الحرام کے پاس (یعنی مقام
حدیبیہ میں) عہد و پیمان کیا تھا۔ (یعنی بنی خزاعہ، بنی کنانہ اور بنی ضمرہ) تو جب تک وہ لوگ تمہارے ساتھ کئے
ہوئے عہد پر قائم رہیں تم بھی اپنے عہد پر قائم رہو۔ ان اللہ یحب المتقین۔

آیات القرآن

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ

فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمۃ الآیات

انہوں نے تھوڑی سی قیمت پر آیات الٰہی فروخت کردی ہیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکنے لگے۔ بہت ہی برا ہے وہ کام جو یہ کررہے ہیں۔(۹) وہ کسی مومن کے بارے میں نہ قرابت کا پاس کرتے ہیں اور نہ کسی عہد و پیمان کی ذمہ داری کا اور یہی لوگ ہیں جو ظلم و تعدی کرنے والے ہیں (۱۰) (بہرحال اب بھی) اگر یہ لوگ توبہ کرلیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں ہم اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں (۱۱) اور اگر یہ لوگ اپنے عہد و پیمان کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن و تشنیع کریں تو تم کفر کے ان سرغنوں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تاکہ یہ باز آئیں (۱۲) تم ان لوگوں سے کیوں جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا پیغمبر کو (وطن سے) نکالنے کا ارادہ کیا اور پھر تمہارے برخلاف لڑائی میں پہل بھی کی۔ تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو (۱۳)

تفسیر الآیات

۷۔ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ... الآیۃ۔

اس آیت کا صحیح مفہوم و مطلب کیا ہے؟

اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں، ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ اکثر مفسرین نے تو ان

سے وہی کفار ومشرکین مراد لیے ہیں جنہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ سے جنگ نہ کرنے کے معاہدہ کئے، قسمیں کھائیں۔مگر پھر سب کچھ توڑ تاڑ کر کبھی جنگ بدر میں برسر پیکار ہوئے اور پھر صلح حدیبیہ والا آخری عہد بھی پائمال کر دیا اور کبھی فتح مکہ کے موقع پر اور کبھی دوسرے مواقع پر اس عہد و پیمان کی خلاف ورزی کی اور اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف لشکر کشیاں کیں۔ انہی کے خلاف خداوند عالم مسلمانوں کو جنگ کرنے پر برآنگیختہ کر رہا ہے ان آئمہ کفر وضلالت یعنی سردارن قریش کے خلاف جنگ کرو کہ وہی جنگوں کے موجب ہیں ان کی قسمیں قسمیں نہیں ہیں اور ان کے عہد عہد نہیں ہیں کیونکہ وہ ان کی پرواہ جو نہیں کرتے اور ان کی ایفاء جو نہیں کرتے اور قسم توڑنے اور عہد شکنی کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔مگر بعض مفسرین کو اصرار ہے کہ ان لوگوں سے مراد وہ مرتد ہیں جو اسلام کا اظہار کرنے کے بعد پھر مرتد ہو گئے چنانچہ مولانا مودودی رقم طراز ہیں"اس جگہ سیاق وسباق خود بتا رہا ہے کہ قسم اور عہد و پیمان سے کفر چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کا عہد ہے۔ یہ آیت مرتدین سے جنگ کے معاملہ میں بالکل صریح ہے دراصل اسمیں فتنہ ارتداد کیطرف اشارہ ہے جو ڈیڑھ سال بعد خلافت صدیق کی ابتداء میں برپا ہوا۔" (تفہیم القرآن ج ۲)

اور جناب پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں" جن کفار ومشرکین نے اسلام قبول کر کے اس کے احکام بجا لانے کا وعدہ کر لیا یا اسلامی مملکت کی پر امن رعایا بن کر رہنا منظور کر لیا پھر اگر وہ یہ عہد توڑ دیں یا اسلام کے عقائد و نظریات پر زبان طعن دراز کرنے لگیں تو انہیں مملکت اسلامیہ کا باغی تصور کیا جائیگا ان لوگوں کو کفر کے پیشوا اور سرغنے کہا جا رہا ہے جو قبول اسلام کے بعد مرتد ہو گئے۔"

(ضیاء القرآن ج ۲) ان دونوں حضرات کے کلام وبیان سے ہماری اس قدیم تفسیر کی تائید مزید ہوتی ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اپنے ظاہری دور خلافت میں اپنے خلاف جنگ جمل وصفین اور نہروان میں لشکر کشی کرنے والوں کے خلاف اسی آیت شریفہ کی تلاوت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ **والذی اخرج نحیۃ الجۃ و برأ النسمۃ و اصطفی محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالنبوۃ انھم اصحاب ھذہ الآیۃ و ما قوتلوا امنذنزلت۔**" (تفسیر عیاشی وصافی وقرب الاسناد وغیرہ) مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا، روح کو پیدا کیا اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کو منتخب فرمایا کہ یہی لوگ اس آیت کے مصداق ہیں اور جب سے یہ آیت نازل ہوئی مجھ سے پہلے کسی نے بھی ان سے قتال وجدال نہیں کیا۔ (کذا عن الصادق علیہ السلام) نیز اس قسم کی متعدد روایتیں کتب حدیث میں ملتی ہیں۔ کہ حضرت رسول خدا ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ آپ باغین، ناکثین، قاسطین اور مارقین سے قتال وجدال کریں گے اور آپ تاویل

قرآن پر جہاد کریں گے جس طرح میں نے تنزیل پر کیا ہے لعلھم ینتھون تا کہ یہ ظلم اور بدعہدی سے باز آ جائیں۔

۸۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا ... الآیۃ۔

بھلا جن لوگوں نے عہد شکنی کی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وطن بدر کیا اور بمقام بدر جنگ کا آغاز کیا۔ تم ان سے جنگ کیوں نہیں کرتے؟ اس ارشاد قدرت سے واضح ہوتا ہے کہ جنگ بدر کا آغاز کفار نے ہی کیا تھا۔ لہٰذا جو لوگ خانہ ساز راویتوں کو پیش کر کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جارحیت کا الزام عائد کرتے ہیں ان کو اپنے اس نظریہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ اگر مومن ہو تو پھر ان کافروں سے مت ڈرو۔ ہاں البتہ اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس کے قبضہ قدرت میں تمہاری بست وکشاد اور موت وحیات ہے کیونکہ مومن خدا کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ تم ان سے جنگ کرو، اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے سزا دلوائے گا اور انہیں ذلیل ورسوا کر کے اور تمہاری مدد ونصرت کر کے اہل ایمان کے دلوں کو شفا دے گا اور جسے چاہے گا توفیق توبہ دے گا اور اس کی توبہ قبول فرمائے گا حسب ظاہر تو یہ تمام اوصاف فتح مکہ پر منطبق ہوتے ہیں جس میں خدا نے اکابر قریش کو ذلیل وخوار کیا، مسلمانوں کی نصرت و مدد فرمائی اور ان اہل ایمان کے دلوں کو شفا دی جن کو صنادید عرب نے ہجرت سے پہلے کمزور سمجھ کر مختلف اذیتیں پہنچائی تھیں اور ان میں سے کچھ لوگ مشرف باسلام بھی ہوئے۔

آیات القرآن

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

ان سے جنگ کرو اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے سزا اور انہیں ذلیل وخوار کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا اور جماعت مومنین کے دلوں کو شفا دے گا (ان کے سارے دکھ درد دور کردے گا) (۱۴) اور ان کے دلوں کے غم وغصہ کو دور کرے گا اور جسے چاہے گا توبہ کی توفیق دے گا (اور اس کی توبہ کو قبول کرے گا۔) اور اللہ بڑا جاننے والا، حکمت والا ہے (۱۵) (اے مسلمانو!) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو معلوم ہی نہیں کیا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور خدا ورسول اور اہل ایمان کو چھوڑ کر کسی کو اپنا جگری دوست اور (محرم راز) نہیں بنایا۔ اور اللہ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو (۱۶) اور مشرکین کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ خود اپنے اوپر اپنے کفر کی گواہی دے رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے سب اعمال ضائع ہوگئے اور وہ ہمیشہ آتش دوزخ میں رہینگے (۱۷)

تفسیر الآیات

۹۔ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا ... الآیۃ۔

اختبار اور امتحان ضروری ہے تاکہ کھوٹے اور کھرے میں امتیاز ہوجائے

درحقیقت یہ خطاب ان مسلمانوں سے ہے جو ابھی اپنے سابقہ روابط اور تعلقات سے پوری طرح آزاد نہیں ہوئے تھے۔ ان کے لئے یہ اعلان برات ایک سخت آزمائش بن گیا تھا۔ ان کو خطاب کرکے گویا یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ اعلان برات تو کھرے اور کھوٹے کو معلوم کرنے کی ایک کسوٹی ہے کہ وہ مخلص لوگ کون ہیں جو راہِ خدا میں ایسے جہاد کرنے والے ہیں کہ جنہیں اللہ اس کے رسول اور اہل ایمان کے سوا کسی کی قرابت اور دوستی کی پرواہ نہیں ہے۔ اور وہ کون ہیں جو اپنے پوشیدہ اور جگری دوستوں کی خاطر اللہ، اس کے رسول اور مومنین کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ یہ امتحان وہ سنت الٰہی ہے کہ جس سے ہر ایمان کے دعویدار کو گزرنا پڑتا ہے۔ اسی مضمون کو ایک اور آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ احسب الناس ان یترکو ان یقولو ا منا وھم لا یفتنون۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے مگر وہ امتحان اس لئے لیتا ہے تاکہ عام لوگوں پر بھی غث وثمین اور کھرے اور کھوٹے میں جو فرق ہے وہ نمایاں ہو جائے۔ اس بیان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ جب کوئی اسلام کا سچا مجاہد اور خدا کا بندہ مومن بن جائے تو اس کا تمام تر تعلق خدا اور رسول اور اہل ایمان سے ہو جاتا ہے اور وہ ان کے علاوہ کسی کو اپنا ولیجہ یعنی دلی دوست اور محرم راز نہیں بناتا۔ اسی ولیجہ کو ایک اور آیت میں بطانہ کہا گیا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ یہاں لما یعلم اللہ۔ میں علم کا مفہوم خود جاننا نہیں ہے بلکہ دوسروں کو جتوانا اور پہچان کرانا ہے اور اس بات کی وضاحت قبل ازیں متعدد مقامات پر کی جا چکی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ ہماری بعض احادیث میں وارد ہے کہ یہاں مومنین سے آئمہ طاہرین اور ولیجہ سے مراد مخالفین ہیں (الکافی، الصافی)۔

۱۰ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ... الآیۃ

کافر و مشرک مساجد کے بانی و متولی نہیں بن سکتے

خبر کی صورت میں نہی کی جا رہی ہے کہ جو مشرک ہیں وہ نہ مسجد بنا سکتے ہیں، نہ اسے آباد کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے متولی ہو سکتے ہیں کیونکہ عمر یعمر عمارۃ۔ کی لفظ جس کی مشرکین سے نفی کی جا رہی ہے وہ ان تینوں معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ چونکہ کفار مکہ فخر کیا کرتے تھے کہ وہ بیت اللہ کے معمار ہیں اور اس کے متولی ہیں جیسا کہ یہ بات قبل ازیں سورۂ انفال کی آیت ۳۴ ان اولیائه الا المتقون کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے۔ گویا اس عنوان سے فتح مکہ کے بعد حرم کعبہ کی تولیت کفار و مشرکین سے واپس لی جا رہی ہے جو عرصۂ دراز سے ان کی تولیت میں تھا۔ اب ان کا داخلہ بھی خانہ خدا میں ممنوع قرار پایا۔ اس طرح اب حرم کعبہ شرک کی تمام نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کر دیا گیا جو مشرکین عرب نے پیدا کر دی تھیں۔ اور اب اس عبادت گاہ خلائق کی تعمیر، آبادی اور تولیت صرف اہل توحید وایمان سے مختص کی جا رہی ہے جسکی تفصیل درج ذیل آیت میں بیان کی جا رہی ہے۔ بھلا وہ لوگ اپنے کفر و شرک کی گواہی بھی دیں جسکی وجہ سے ان کے اعمال رائیگاں ہو گئے اور آتش دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے مستوجب بھی قرار پائے اور پھر مساجد آباد کرنے کا دعویٰ بھی کریں۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است؟

ایسے لوگوں کو اس عبادت گاہ کا متولی بننے کا کیا حق ہے جو واحد و یکتا معبود کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے؟؟

اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ... الآیۃ۔

مساجد کے معمار، آباد کرنے والے اور متولی وہ لوگ ہو سکتے ہیں جن میں مندرجہ ذیل صفات بدرجہ اتم

پائی جائیں۔ (۱) جو ایمان لائیں (۲) نماز قائم کریں (۳) زکوۃ ادا کریں (۴) اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں امید کی جاسکتی ہے کہ وہ سعادت اور کامیابی کی راہ پائیں۔ مخفی نہ رہے کہ اگر چہ مساجد اللہ سے یہاں مسجد الحرام مراد ہے جیسا کہ ابھی آیت ۱۹ میں اس کی صراحت آ رہی ہے۔ مگر اسے ''مساجد'' جمع کی لفظ سے تعبیر کر کے یہ بتایا جارہا ہے کہ تمام روئے زمین کی مساجد کا یہی حکم ہے۔ یہ حکم صرف مسجد الحرام سے مخصوص نہیں ہے۔ مذکورہ بالا حقائق سے واضح ہو گیا کہ مساجد کی تعمیر و تولیت اور ان کے انتظام و انصرام کی انجام دہی کسی خاص جماعت یا کسی خاندان کی اجارہ داری نہیں ہے۔ بلکہ اس منصب جلیل کا وہی مستحق ہے جو ان اوصاف کا حامل ہو ان اولیاؤه الا المتقون۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو خوش قسمت لوگ مساجد بناتے ہیں عبادت و ذکر خدا سے انہیں آباد کرتے ہیں، صفائی وغیرہ کر کے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی نگہداشت کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ کام ان کے مومن ہونے کی عملی شہادت ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں حضرت رسول خدا ﷺ سے مروی ہے۔ فرمایا جب دیکھو کہ کوئی شخص باقاعدہ مسجد میں حاضری دے رہا ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دے دو۔ کیونکہ ارشاد قدرت ہے انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ (ترمذی)

حدیث قدسی میں وارد ہے کہ خدا فرماتا ہے ان بیوتی فی الارض المساجد وان زوّاری فیھا عمّارھا فطرلی لعبد تطھر فی بیتہ ثم زارنی فی بیتی فحق علی المزور ان یکرم زائرہ (کواکب مضیہ، در احادیث قدسیہ) زمین میں میرے گھر میری مسجدیں ہیں اور ان میں آنے جانے والے ان کو آباد کرنے والے ہیں خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جو طہارت اپنے گھر میں کرے اور میرے گھر میں میری زیارت کرے ہر اس ذات پر جسکی زیارت کی جائے لازم ہے کہ وہ اپنے زائر کا احترام کرے

آیات القرآن

اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰۤـئِكَ اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُهۡتَدِيۡنَ۝۱۸ اَجَعَلۡتُمۡ سِقَايَةَ الۡحَآجِّ وَعِمَارَةَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ كَمَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ عِنۡدَ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ‌۝۱۹ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳

ترجمۃ الآیات

درحقیقت مسجدوں کو وہ آباد کرتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، نماز قائم کرتا ہے اور زکوۃ ادا کرتا ہے اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ انہی کے متعلق یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے (۱۸) کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کے آباد رکھنے کو اس شخص (کے کام کے) برابر قرار دیا ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہ دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا (۱۹) جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہِ خدا میں اپنے مال و جان سے جہاد کیا، اللہ کے نزدیک وہ درجہ میں بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں (۲۰) ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت خاص اور خوشنودی اور ایسے بہشتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں دائمی نعمت ہوگی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ ہی کے پاس بہت بڑا اجر ہے (۲۱) اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح دیں تو پھر ان کو اپنا رفیق وکارساز نہ بناؤ۔ (۲۲) جو ان کو رفیق وکارساز بنائے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (۲۳)

تفسیر الآیات

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَآجِ... الآیۃ۔

حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت کا تذکرہ

فریقین کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک بار جناب عباس (عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور طلحہ بن شیبہ وغیرہ باہم فخر کر رہے تھے اور ہر شخص اپنے اپنے مفاخر بیان کر رہا تھا۔ مثلاً طلحہ نے کہا کہ میں افضل ہوں کہ خانہ کعبہ کی کلید میرے پاس ہے۔ جناب عباس نے کہا کہ میں افضل ہوں کیونکہ حاجیوں کو پانی پلانے کا منتظم اعلیٰ میں ہوں اور مسجد الحرام بھی میرے اختیار میں ہے۔ اس موقعہ پر حضرت علی علیہ السلام کا وہاں سے گذر ہوا تو انہوں نے ان کی گفتگو سن کر فرمایا۔ میں تم سب سے افضل ہوں کیونکہ میں نے تم سے پہلے اظہار اسلام کیا، اور راہِ خدا میں جہاد کیا۔ یہاں تک کہ جب یہ معاملہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں فیصلے کیلئے پیش ہوا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی **اجعلتم سقایته الحاج** الآیہ اس طرح خداوند عالم نے حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ (تفسیر درمنثور ج ۳ ص ۲۱۹ طبع مصر تفسیر واحدی مسند عبد الرزاق وغیرہ) اس سے واضح ہوا کہ کسی زیارت گاہ کی سجادہ نشینی، مجاوری اور چند نمائشی مذہبی اعمال کی بجا آوری جس پر دنیا کے سطح بین لوگ بالعموم شرف اور تقدس کا مدار رکھتے ہیں خدا کے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتی۔ اصلی قدر و قیمت ایمان اور راہ خدا میں قربانی کی ہے ان صفات کا جو شخص بھی حامل ہو وہ قیمتی آدمی ہے (تفہیم القرآن)۔

۱۳۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُو... الآیۃ

گویا یہ آیت سابقہ مفاضلہ والی آیت کا تتمہ اور تکملہ ہے اور خداوند عالم واشگاف الفاظ میں اعلان فر رہا ہے کہ کعبہ کی کلید برداری، سقایۃ الحاج اور مسجد الحرام کی تولیت کو ایمان لانے، ہجرت کرنے، اور راہ خدا میں مالی و جانی جہاد کرنے کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ قبل ازیں سورۃ الانفال کی آیت ۷۲ جو بالکل اس آیت جیسی ہے **ان الذین امنوا و ھاجروا و جاھدوا** الآیہ کی تفسیر میں اس آیت کے مطالب و معانی کی توضیح کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں اہل ایمان کی صفتیں بھی تین بیان کی گئیں ہیں (۱)۔ ایمان۔ (۲)۔ ہجرت (۳) اور جہاد۔ اور خداوند کریم نے ان کے بالمقابل انعام بھی تین بیان فرمائے ہیں۔ (۱)

رحمت (۲) رضوان (۳) اور جنان۔ ارشاد ہوتا ہے ''یبشرھم ربھم برحمۃ و رضوان و جنت لھم'' ان کا پروردگاران کو اپنی رحمت، رضوان (خوشنودی) اور بہشت کے ہرے بھرے باغوں کی بشارت دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی رضوان میں سب کچھ آجاتا ہے۔ورضوان من اللہ اکبر

۱۴۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُو...الآیۃ

دین اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے وہ نسبی وسببی رشتہ داروں کی محبت سے منع نہیں کرتا ہے ہاں البتہ افراط سے روکتا ہے

اس آیت میں ان عوائق وموانع کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو ایک مسلمان کو دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے سے روکتے ہیں جیسے ماں باپ اور اولاد کی محبت، بھائی بہنوں اور دوسرے قرابت داروں کی الفت، کاروبار تجارت سے لگاؤ اور محلات، مکانات سے قلبی ٹھہراؤ وغیرہ کی ہجرت کرنے سے ان چیزوں کا داغ مفارقت سہنا پڑے گا اور ان کی جدائی برداشت کرنا پڑے گی ان فطری بندھنوں سے کوئی بھی آزاد نہیں ہے چونکہ دین اسلام دین فطرت ہے اور ان چیزوں سے انسان کی دل بستگی اور لگاؤ ایک فطری عمل ہے اس لئے اسلام ہرگز یہ حکم نہیں دیتا کہ یہ سارے رشتے ناطے توڑ لئے جائیں اور ان دنیوی امور سے بالکل توجہ ہٹالی جائے بلکہ وہ اس محبت اور تعلق میں افراط سے روکتا ہے یعنی اسلام یہ کہتا ہے کہ بے شک مذکورہ چیزوں سے محبت کرو تم ادھر توجہ کرو مگر نہ اس حد تک کہ ان چیزوں کی بے پناہ محبت اور پیار تمہیں راہ حق سے گمراہ کردے۔ اور خدا و رسول ﷺ اور خاندان نبوت کی محبت ومودت کے راستے میں حائل ہوجائے اور راہ خدا میں ہجرت کرنے سے مانع ہوجائے بلکہ اگر کبھی ایسی تصادم وٹکراؤ کی صورت پیدا ہوجائے تو پھر مومن وہ ہوگا جو راہ حق میں اور خدا اور رسول کے احکام کی تعمیل میں ہر رکاوٹ کو پائے استحقار سے ٹھکراتا ہوا آگے نکل جائے۔ اور ان چیزوں میں سے کوئی بھی چیز راہ حق میں اس کیلئے زنجیر پا نہ بن جائے ورنہ پھر خدا کے عذاب کا انتظار کرنا پڑے گا۔ (العیاذ باللہ)۔

لہٰذا ضروری ہے کہ طبیعت شریعت کے تابع ہو اور وہ اسی بات کا تقاضا کرے جس کا شریعت حکم دے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ کا فرمان ہے لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک میری ذات اسے اپنے والد اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو (مشکوٰۃ المصابیح) اللھم ازرقنا ھذا المقام۔

آیات القرآن

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسول) کہدو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ، قبیلہ اور تمہارا وہ مال جو تم نے کمایا ہے۔ اور تمہاری وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو اور تمہارے وہ رہائشی مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو۔ تم کو اللہ، اس کے رسول اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں۔ تو پھر انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ (تمہارے سامنے) لے آئے اور اللہ فاسق و فاجر قوم کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا (۲۴) بے شک اللہ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی ہے اور حنین کے موقع پر بھی جب تمہاری کثرت تعداد نے تمہیں مغرور کر دیا تھا مگر اس (کثرت) نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ

دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ (۲۵) پھر اللہ نے اپنی طرف سے رسول اور اہل ایمان پر سکون و اطمینان نازل کیا اور ایسے لشکر نازل کئے۔ جو تمہیں نظر نہیں آئے۔ اور اللہ نے کافروں کو سزا دی اور یہی کافروں کا بدلہ ہے۔ (۲۶)

تفسیر الآیات

۱۵۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ... الآیة

بقدر ضرورت جنگ حنین کی تفصیل اور اس کا پس منظر

جسے غزوہ اوطاس، اور غزوہ ہوازن بھی کہا جاتا ہے یہ حنین مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ یہ غزوہ شوال ۸ھ میں پیش آیا اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب ۸ھ ماہ رمضان میں مسلمانوں کو فتح مکہ کی شکل میں خدا نے فتح مبین عطا فرمائی جس سے کفار کا سارا پندار وغرور پیوند خاک ہو گیا۔ اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور ان کا محکم قلعہ گر گیا تو پورے عالم کفر وشرک میں عموماً اور عرب کے ایک مشہور جنگجو قبیلہ ہوازن اور ان کی دوسری شاخ بنی ثقیب جو طائف میں رہائش پذیر تھے میں خصوصاً کھلبلی مچ گئی انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو بے پناہ قوت حاصل ہو گئی ہے اس لئے اب ان کا اگلا نشانہ ہم لوگ ہوں گے۔ تو مناسب یہ ہے کہ ان کے حملہ کرنے سے پہلے ہم ان پر حملہ کر دیں لہٰذا انہوں نے جن کا سربراہ مالک بن عوف نضری تھا۔ جنگی تیاری شروع کر دی دوسری طرف حضرت رسول خدا ﷺ کو بھی اس بات کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بارہ ہزار کا لشکر جرار ہمراہ لے کر جنمیں دس ہزار تو وہ مہاجر اور انصار تھے جنہوں نے فتح مکہ میں حصہ لیا تھا اور مزید برآں دو ہزار طلقاء (فتح مکہ کے نومسلم) بھی ساتھ شریک ہو گئے جن میں امیر شام اور اس کا باپ ابوسفیان بھی شامل تھے اتنا بڑا لشکر جرار اس سے پہلے کسی اسلامی جنگ میں اکٹھا نہیں ہوا تھا چنانچہ بعض مسلمان سپاہیوں نے اسی کثرت پر اتراتے ہوئے کہا آج کوئی طاقت ہمیں مغلوب نہیں کر سکتی خدا کو ان کا یہ غرور پسند نہ آیا جو توکل کے خلاف تھا جب کے مخالف سپاہ کی تعداد چار ہزار تھی۔ بہر حال اس سے آگے دو روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو کفار کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمان لوٹ میں مشغول ہو گئے۔ اور کفار کو غیرت آئی ایک نے دوسرے سے کہا کہاں جاتے ہو تمہاری عورتیں مسلمان قید کر رہے ہیں جو پھر کبھی نہ چھوڑیں گے اس پر کفار واپس پلٹ آئے اور اس طرح یکبارگی بھرپور حملہ کیا کہ جو مسلمان لوٹ میں مشغول تھے وہ اس حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور صرف معدودے چند مجاہد آنحضرت ﷺ کے پاس رہ

گئے۔ جیسے حضرت علی ۔، جناب عباس فضل بن عباس، وغیرہم۔ اور دوسری مشہور روایت یہ ہے کہ جب یہ اسلامی لشکر جرار حنین کی وادی میں پہنچا تو ہوازن وثقیف کے ماہر تیر انداز جو چھپ کر اس وادی میں بیٹھے ہوئے تھے جونہی لشکر اسلام ان کی زد میں آیا تو انہوں نے چاروں طرف سے یکبارگی تیروں کی بارش برسادی اور اس قدر غبار جنگ میں اڑا کہ جس نے دن کو رات بنا دیا۔ اس طرح معدودے چند سوا عام مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بے تحاشا بھاگنے لگے مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان بھاگنے والوں میں پہلا شخص ابوسفیان تھا (فقہ السیر ہ شیخ غزالی مصری) اور شرقاوی مصری نے لکھا ہے کہ ابوسفیان اور اس کے دو ہزار نومسلم جو اس جنگ میں شریک تھے وہ اسلام کی نصرت کیلئے نہیں بلکہ اسلام کی پسپائی کے لئے شامل ہوئے تھے (محمد رسول الحریۃ شرقاوی) ان کٹھن حالات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ ہوئی اور پیچھے ہٹنے کی بجائے اپنے سفید خچر کو جس پر آپ سوار تھے ایڑ لگائی اور آگے بڑھے جناب عباس نے باگ پکڑی ہوئی تھی اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے رکاب تھامی ہوئی تھی۔ فضل بن عباس آپ کے دائیں طرف اور ایمن بائیں جانب تھے اور حضرت علی علیہ السلام علم لشکر ہاتھ میں لئے آگے جہاد کررہے تھے۔ اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے جاتے تھے۔

انا النبی لا کذب
انا ابن عبد المطلب

اسی اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی کفار کی طرف پھینکی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں کوئی کنکری نہ پڑی ہو۔ خدائے مہربان نے آسمان سے مسلمانوں کی نصرت کے لئے فرشتوں کا لشکر بھی اتارا۔ ادھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب عباس کو حکم دیا۔ جن کی آواز بہت بلند تھی کہ مہاجرین و انصار کو بہ آواز بلند بلائیں۔ چنانچہ انہوں نے بہ آواز بلند بلانا شروع کیا۔ یا معشر الانصار الذین اووا ونصروا یا معشر المهاجرین الذین بالیعوا تحت الشجرۃ ان محمداً حی فهلموا

یہ آواز سنتے ہی مسلمان دوڑتے ہوئے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے اور داد شجاعت دینے لگے بس ادھر حضرت علی علیہ السلام نے کفار کے علمبردار ابو جرول پر حملہ کر کے اسے واصل جہنم کر دیا بس اس کا قتل ہونا تھا کہ کفار کے قدم اکھڑے گئے۔ اور بھاگ کھڑے ہوئے، ان کے ستر سردار مارے گئے سینکڑوں زخمی ہوئے۔ کئی ہزار عورتیں بچے اور مرد قیدی بنائے گئے۔ کئی ہزار اونٹ اور کئی ہزار گائیں اور بھیڑ بکریاں مال غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ اس طرح اللہ کے فضل وکرم سے ہاری ہوئی جنگ فتح ونصرت

سے ہمکنار ہوئی۔ اور مسلمانوں کو یہ عظیم کامیابی حاصل ہوئی (تواریخ اسلام)۔ ان آیات میں خداوند عالم نے اپنی اسی مدد و نصرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ علاوہ دوسرے مقامات کثیرہ کے (جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ اسی بتائی گئی ہے (تفسیر بتیان، شیخ طوسیؒ)

خدا نے خصوصی طور پر جنگ حنین میں تمہاری نصرت فرمائی جبکہ تمہارے پندار و غرور کی وجہ سے زمین خدا باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہوگئی تھی اور تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور یہ بات خدا کی طرف سے مسلمانوں کے لئے تادیب تھی کہ کثرت تعداد کو کامیابی کی ضمانت نہ سمجھیں اللہ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے اپنے پیغمبر اور مومنین کاملین پر اپنا سکون و اطمینان نازل کیا اور غیر مرئی (فرشتوں کے) لشکروں سے تمہاری تائید کی اور کافروں کو سزا دی اور یہی کافروں کی سزا ہے پھر یہ سب تو دنیا میں ہوا کہ ان کو رسوا کن شکست کا سامنا کرنا پڑا جبکہ آخرت کا عذاب اشد و ابقی ہے۔

آیات القرآن

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

اسکے بعد اللہ جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے (اور اسے توفیق توبہ دیتا ہے) اور اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے (۲۷) اے ایمان والو! مشرکین سراسر نجس و ناپاک سو وہ اس سال (۹ھ) کے بعد مسجد الحرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں۔ اور اگر تمہیں ان کی آمد ورفت کے بند ہونے سے تنگدستی کا اندیشہ ہے تو عنقریب خدا اپنے فضل وکرم سے تمہیں تونگر بنادے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے (۲۸) (اے مسلمانو!) اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور خدا اور رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں جانتے اور دین حق (اسلام) کو اختیار نہیں کرتے ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ چھوٹے بنکر (ذلیل ہوکر) ہاتھ سے جزیہ دیں (۲۹) یہودی کہتے ہیں کہ عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں کہکہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کی باتیں ہیں (بغیر سوچے سمجھے) ان کے منہ سے نکالی ہوئی۔ یہ لوگ بھی ان جیسی باتیں کرنے لگے ہیں جو ان سے پہلے کفر کر چکے ہیں اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کدھر بہکے جارہے ہیں (۳۰)

تشریح الالفاظ

۱۔عیلۃ کے معنی محتاج ہونے کے ہیں۔ ۲۔صاغرون یہ صغر وصغار سے مشتق ہے جس کے معنی ذلیل و خوار ہونے کے ہیں۔ ۳۔جزیہ وہ ٹیکس جو کافر ذمی سے لیا جاتا ہے نیز یہ لفظ زمین کے محصول اور خراج کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔

تفسیر الآیات

۱۶۔یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا...الآیۃ۔

مشرکین کی نجاست کا تذکرہ

خالق حکیم نے دوٹوک الفاظ میں مشرکین کو کلمہ حصر ''انما'' کے ساتھ ''نجس'' (بفتح جسیم) کہا ہے جس

کے معنی عین نجاست کے ہیں یعنی مشرک ایسے نجس العین ہیں کہ ان کے اندر طہارت کا کوئی بھی پہلو نہیں ہے اسی لئے فقہ جعفریہ کے نقطہ نگاہ سے کافر و مشرک کو نجس العین قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد مشرکین کے مسجد الحرام یعنی حرم میں داخلہ پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ اور چونکہ شرعی احکام تدریجاً نازل ہوئے ہیں اس لئے یہ نجاست مشرکین والا حکم ۹ ھ میں نازل ہوا جس سال سورہ براۃ نازل ہوا۔

ورنہ اس سے پہلے وہاں ان کا آنا جانا اور ان کے ساتھ اکل و شرب کے واقعات مل جاتے ہیں مگر ان سے ان کی طہارت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کا تعلق نجاست مشرکین کے حکم کے نزول سے پہلے واقعات سے ہے کما لا یخفیٰ۔ اس نص صریح کے بالمقابل یہ کہنا کس قدر جسارت ہے کہ ناپاک ہونے سے مراد یہ نہیں کہ وہ بذات خود ناپاک ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے اعتقادات، ان کے اخلاق، ان کے اعمال اور ان کے جاہلانہ طریق زندگی ناپاک ہیں اور اسی نجاست کی بناء پر حدود حرم میں ان کا داخلہ بند کر دیا گیا (تفہیم القرآن)

ہمیں اس سے غرض نہیں کہ ان کی نجاست کی علت کیا ہے؟ شرک ہے؟ ان کے اعمال ہیں؟ اخلاق ہیں؟ یا کچھ اور علت جو بھی ہو مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہے؟ مشرک نجس ہیں۔ حکم کیا ہے؟ مساجد میں ان کا داخلہ ممنوع ہے۔ پھر اس بحث کا فائدہ کیا ہوا؟ ہمیں علت حکم سے غرض نہیں ہمیں تو حکم شرع سے غرض ہے۔

سر خدا کہ عارف سالک بکس نگفت

درحیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

واضح رہے کہ مشرکین میں تین قسم کی نجاستیں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ ظاہری نجاست جیسے شراب و خنزیر وغیرہ کہ وہ ان سے اجتناب نہیں کرتے۔

۲۔ معنوی نجاست کہ وہ غسل جنابت وغیرہ نہیں کرتے

۳۔ عقیدہ و اخلاق کی نجاست

ایضاح

یہاں اگر چہ صرف مسجد الحرام کا لفظ مذکور ہے کہ وہ مسجد الحرام میں داخل نہ ہوں جس کی بناء پر امام شافعی نے اسی پر جمود کرتے ہوئے اس حرمت کو صرف مسجد الحرام کے ساتھ مختص قرار دیا ہے (تفسیر کبیر)۔

مگر تنقیح مناط کے طور پر ہر مسجد کا یہی حکم ہے کیونکہ جب اس حرمت کی علت مسجد کا احترام اور مشرک کی نجاست ہے تو ظاہر ہے کہ ہر مسجد محترم ہے اور ہر مشرک نجس اس لئے فقہاء اہلبیت ؑ کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے اور

برادران اسلامی کے فقہاء اربعہ میں امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے (تفسیر کبیر)

۱۷۔ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً ...الآیۃ۔

چونکہ مکہ مکرمہ عالم عرب کا بڑا شہر ہونے کی وجہ سے کاروبار تجارت کا مرکز تھا۔ اور تمام اطراف عرب سے مشرکین کاروبار کرنے کی غرض سے یہاں آتے جاتے، بیع وشرا کرتے، مکانات کرایہ پر لیتے اور وہاں رہتے تھے۔ اس طرح اہل مکہ ان سے کافی مالی فوائد حاصل کرتے تھے۔ تو جب ان کا داخلہ یہاں ممنوع قرار دے دیا گیا تو وہاں کے بعض مسلمانوں کو اپنے فقر وفاقہ کا اندیشہ لاحق ہوا تو خداوند عالم اس اندیشہ کو دور کرتے ہوئے ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر تمہیں فقر وفاقہ کا خوف ہے تو خدا تمہیں اپنے فضل وکرم سے غنی کر دے گا۔ کیونکہ رزق اور اس کے اسباب اس کے قبضہ قدرت میں ہیں چنانچہ خدا نے اپنے وعدے کے مطابق اس طرح انہیں مالدار بنایا کہ علاقے فتح ہوئے، غنائم ہاتھ آئے۔ اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے اور کاروبار کی غرض سے مکہ مکرمہ آنے جانے لگے۔ اس طرح اہل مکہ کا یہ اندیشہ دور ہو گیا۔ ان اللہ علیم حکیم۔

۱۸۔ قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ ...الآیۃ۔

اس تفسیر کی پہلی جلد سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۰ وقاتلو فی سبیل اللہ الآیۃ کی تفسیر میں اسلامی جہاد کا فلسفہ، اسلامی جہاد کے خصوصیات اسلامی جہاد کے اقسام اور ان کے احکام پر مفصل بحث کی جا چکی ہے۔ لہٰذا اس موضوع کی حقیقت سمجھنے کے لئے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ نیز قبل ازیں اور بھی متعدد مقامات پر اس سلسلہ میں مفصل گفتگو کی جا چکی ہے۔ لہٰذا اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اس آیت میں اہل کتاب کو خدا اور قیامت کا منکر قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ بظاہر وہ دونوں کو مانتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود اس خدا کو مانتے ہیں جس کا بیٹا عزیر ہے اور نصاریٰ کا اس خدا پر ایمان ہے جس کا بیٹا عیسیٰؑ ہے جب کہ حقیقی خدا وہ ہے کہ جس کا کوئی بیٹا یا بیٹی نہیں ہے وہ لم یلد ولم یولد کا مصداق ہے لہٰذا ان کا ایمان قابل اعتبار نہیں ہے۔ اور جب ان کا خدا پر صحیح ایمان نہیں ہے تو پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا آخرت پر بھی صحیح ایمان نہیں ہے۔

۱۹۔ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ ...الآیۃ۔

جزیہ کی حقیقت

اس آیت میں اسلامی جنگ کی غرض وغایت بتائی گئی ہے کہ وہ یہ نہیں ہے کہ کفار ومشرکین کو زبردستی مسلمان بنایا جائے اور دین حق کا پیرو بنایا جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ فتنہ وفساد کا سد باب کیا جائے، دشمنانِ حق کا اقتدار اور بالا دستی ختم کی جائے اور زمام اختیار اہل حق کے ہاتھ میں ہو۔ اور یہ لوگ ان کے مطیع ومنقاد بن کر اور

تابع بن کر رہیں۔ تو یہ جزیہ کیا ہے؟ یہ ٹیکس ہے اور معاوضہ ہے اس کام کا کہ جب وہ پرامن شہری بن کر اسلامی حکومت کی قلمرو میں رہیں تو جو اسلامی حکومت ان کو ان کے اہل وعیال کو اور ان کے مال ومنال کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے کام انجام دیتی ہے یہ اس کا معاوضہ ہے۔ چھوٹے بن کر ہاتھ سے جزیہ دینے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے محکوم تابع بن کر رہنے کا عملی طور پر اقرار کریں۔ لہٰذا ایسے لوگ اسلامی حکومت میں رہ کر زیادہ سے زیادہ اس قدر آزادی کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے مذہبی مراسم بجالانے اور معاشی طور پر جس طرح چاہیں روزی کمانے اور زندگی گزارنے کے روادار ہیں۔ مگر وہ صاحب اختیار بنکر اور اقتدار اعلیٰ پر قابض ہوکر گمراہانہ نظام حکومت چلانے اور بندگان خدا کو گمراہ کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ بہر حال جزیہ اس آزادی کی قیمت ہے اور مال و جان اور عرض و ناموس کے تحفظ کی قیمت ہے۔ جو اسلامی حکومت انہیں فراہم کرتی ہے۔ مسلمانوں تو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور غیر مسلم ہر سال جزیہ ادا کریں گے تا کہ ان کو ہمیشہ اپنی محکومی اور ماتحتی کا احساس ہوتا رہے اور خدا تعالی کی زمین میں بندگان خدا پر اپنی حاکمیت قائم کرنے اور ان کو محکوم بنانے کا خیال دل ودماغ سے نکال دیں۔ جزیہ کی دوسری تفصیلات فقہی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اور ویسے بھی آج کے دور میں تو جزیہ کے مسائل قصہ پارینہ ہو چکے ہیں۔ جزیہ اس وقت ذمی کفار سے لیا جاتا تھا جب زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور وہ حاکم ہوتے تھے اور کفار محکوم۔ مگر آج تو معاملہ برعکس ہو چکا ہے۔ آج تو مسلمان کافروں کے باج گذار ہیں۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون

۲۰۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عزیز ... الآیۃ

تفسیر کی دوسری جلد میں سورہ مائدہ کی آیت ۱۷ القد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المیسح ابن مریم۔ الآیہ۔ کی تفسیر نیز اسی سورہ کی آیت ۷۴ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثہ۔ الآیہ کی تفسیر میں عیسائیوں کے جناب عیسیٰ۔ کو ابن اللہ کہنے کی تفصیل اس کے مفہوم کی وضاحت اور پھر اس کی رد بیان کی جاچکی ہے۔ مذکورہ بالا مقامات کی طرف رجوع کیا جائے اور جہاں تک یہود کے جناب عزیر۔ کو ابن اللہ کہنے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں اجمالاً صرف اسقدر لکھا جاتا ہے کہ عزیر کا نام توراۃ میں عزرا مذکور ہے۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح ہے یہ دین یہود کے مجدد ہیں۔ جب بخت نصر کے ہاتھوں یہود کی تباہی و بربادی ہوئی۔ اس میں توراۃ کے صحیفے بھی ناپید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت عزرا تھے۔ جنہوں نے اپنی یادداشت سے ازسر نو توراۃ کو مرتب کیا۔ بعید نہیں ہے کہ یہود نے ان کو ان کے اسی کارنامہ پر ابن اللہ بنا دیا ہو (تدبر قرآن) یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو یہ لوگ ان لوگوں کی دیکھا دیکھی کہتے ہیں جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے۔

آیات القرآن

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَیَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۴﴾

ترجمۃ الآیات

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں (علماء ومشائخ) کو پروردگار بنالیا ہے۔ او رمریم کے فرزند مسیح کو بھی۔ حالانکہ ان کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی معبود برحق کی عبادت کریں۔ اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں ہے۔ وہ پاک ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ کرتے ہیں (۳۱) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں اور اللہ انکاری ہے ہر بات سے سوا اس کے کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں (۳۲) وہ (اللہ) وہی ہے جس نے ہدایت اور دین حق دے کر اپنے رسول کو بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے اگرچہ مشرک اسے ناپسند ہی کریں (۳۳) اے ایمان والو! بہت سے عالم اور راہب لوگوں کا مال ناجائز طریقہ پر کھاتے ہیں اور لوگوں کو خدا کی راہ

سے روکتے ہیں۔اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کر کے رکھتے رہتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ،انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو(۳۴)

تشریح الالفاظ

۱۔یضاھون۔ مضاھاۃ کے معنی مشابہ ہونے کے ہیں۔۲۔احبارھم۔ احبار حبر کی جمع ہے جس کے معنی نیک عالم اور دینی پیشوا کے ہیں۔۳۔رھبانھم۔یہ راہب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں لوگوں سے کنارہ کش اور گرجا میں عزلت نشین

تفسیر الآیات

۲۱۔اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ...الآیۃ

غالباً کسی مناسب مقام میں اس آیت کی تفسیر گذر چکی ہے کہ یہود ونصاریٰ نے کس طرح اپنے علماء رھبان کو حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے میں گویا اپنا پروردگار بنا لیا تھا حالانکہ یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ علماء کا کام تبلیغ احکام ہوتا ہے نہ کہ تشریع احکام کیونکہ شریعت سازی کا محکمہ خداوند عالم کے اپنے قبضہ قدرت میں ہے۔اس نے یہ محکمہ اپنے کسی نبی وامام کے بھی حوالے نہیں کیا تابعلماء چہ رسد؟

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا انھم ما صاموا ولا صلو۔کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے علماء ردبیان کے لئے نہ کبھی روزے رکھے تھے اور نہ کبھی نماز پڑھی تھی۔تو پھر کس طرح ان کو خدا کا درجہ دیا؟فرمایا وہ ان لوگوں کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیتے تھے اور وہ بے چوں وچرا ان کی پیروی کرتے تھے(ایضاً)

یہی وجہ یہ کہ جب عدی بن حاتم نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہم نے (زمانہ جاہلیت میں)ان کی عبادت تو کبھی نہیں کی تھی تو آپ نے فرمایا کہ وہ حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال نہیں بناتے تھے اور تم ان کی اتباع نہیں کرتے تھے؟عرض کیا ہاں ایسا تو ہم کرتے تھے فرمایا یہی مطلب ہے ان کو خدا ماننے کا اور یہی مفہوم ہے اللہ کے سوا ان کی عبادت کرنے کا۔(عیاشی وصافی وغیرہ)

حقیقت یہ ہے کہ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو مسلمانوں میں بھی ایسے بہت سے لوگ مل جائیں گے جنہوں نے اپنے مزعومہ رہبروں اور راہ نماؤں اور علماء ومشائخ کو یہ مرتبہ ومقام دے رکھا ہے کہ قرآن وسنت

سے کسی سند کے بغیر ان کو گویا شریعت سازی کا حق دے رکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی اور منشا اور اپنے ذاتی اجتہاد سے حلال وحرام اور جائز و ناجائز کے حدود مقرر کریں۔ اور کسی حیل و حجت کے بغیر ان کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہنا فرض جانتے ہیں۔ ع

ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد

۲۲۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا ... الآية

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے یہود ونصاری اور دیگر باطل نواز قوتوں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ان کی سرکشی اور گمراہی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ وہ صرف اپنی گمراہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اپنی پھونکوں سے اسلام کی اس شمع ہدایت کو بجھا دیں تا کہ کوئی آدمی اس شمع سے نور ہدایت حاصل نہ کر سکے مگر یہ بات ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اللہ کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا اسلام اور یہود ونصاری و ہنود کی تاریخ شاہد ہے کہ ان لوگوں نے بارہا کبھی خفیہ سازشوں کے جال بچھا کر اور کبھی اعلانیہ اپنے گٹھ جوڑ کے گھوڑے دوڑا کر شمع اسلام کو گل کر نیکی ناپاک سازش کی مگر بجھنے کی بجائے اس شمع کی ضیاء اور بڑھتی رہی۔ اور اس کے پروانے گھٹنے کی بجائے ہمیشہ بڑھتے رہے اور انشاء اللہ صبح قیامت کے طلوع ہونے تک یہ شمع فروزاں رہے گی اور دنیا جہاں کی کوئی طاقت اسے بجھا نہیں سکے گی۔ سچ ہے

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا بھلا

بھلا۔ ع

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

۲۳۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ ... الآية

خدا نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لئے دین اسلام دے کر بھیجا ہے کہ اسے ادیان عالم پر غالب کرے

ارباب دانش وبینش جانتے ہیں کہ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک غلبہ وہ ہوتا ہے جو دلیل و برہان سے ہوتا ہے کہ کوئی دین اور دین والا دلیل و برہان کی سطح پر حق والے کا مقابلہ نہ کر سکے اور دوسرا غلبہ وہ ہے جو مادی اور

ظاہری اقتدار و وقار سے ہوتا ہے۔ اگر بنظر غائر تمام حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جہاں تک دلیل و برہان سے غلبہ کا تعلق ہے تو اس میدان میں تو ہمیشہ دوسرے ادیان کے مقابلہ میں اسلام غالب رہا ہے مگر جہاں تک مادی اور ظاہری غلبہ کا تعلق ہے تو وہ تا حال تشنۂ تکمیل اور ایفائے عہد کا منتظر نظر آتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس غلبہ سے کون سا غلبہ مراد ہے؟

اگر انصاف کی عینک لگا کر تمام کوائف کا تجزیہ کیا جائے اور بالخصوص اس سلسلے میں وارد شدہ احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ غلبہ کے اس وعدے سے مادی غلبہ مراد ہے۔ چنانچہ جناب مقداد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا روئے زمین پر کوئی کچا پکا مکان باقی نہ رہے گا جس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ ہو جائے گا عزت داروں کی عزت کے ساتھ اور ذلیل لوگوں کی ذلت کے ساتھ (مجمع البیان وتفسیر مظہری)۔

حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا **فو الذی نفسی بیدہ حتی لا یبقی قریۃ الا و تنا دی بشھادۃ ان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ و علیہ و الہ بکرۃ وعشیاً** (تفسیر عیاشی وصافی)۔ مجھے قسم ہے اس ذات ذوالجلال کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ اسلامی غلبہ اس طرح ہوگا کہ روئے زمین پر کوئی ایسی بستی واقع نہیں رہ جائے گی جس میں صبح و شام توحید و رسالت کا اعلان نہ ہوگا۔

قارئین کرام بتائیں کہ آغاز اسلام سے لے کر اب تک جب کہ ۱۴۲۲ھ ہے اسلام کو کبھی ایسا غلبہ ہوا ہے؟ کلا ورب الکعبہ نہیں۔ رب کعبہ کی قسم!

یہ غلبہ کب حاصل ہوگا؟

خدا کے ہاں وعدہ خلافی کا کوئی امکان نہیں۔ **ان اللہ لا یخلف المیعاد**۔ وہ ضرور یہ وعدہ پورا کرے گا۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کب؟ اس سوال کا جواب اگر فریقین کی کتب تفسیر وحدیث کو سامنے رکھ کر دیا جائے تو پھر کہنا پڑتا ہے کہ (یہ غلبہ حضرت مہدی۔ کے ظہور اور حضرت عیسیٰ۔ کے نزول کے وقت ہوگا)۔ چنانچہ ہماری تفاسیر بھی اس حقیقت سے چھلک رہی ہیں کہ ایسا حضرت کے ظہور اور جناب عیسیٰ۔ کے نزول کے وقت ہوگا جب یہ دونوں بزرگوار مل کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کام کریں گے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمام ادیان عالم صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گے اور صرف دین حق باقی رہ جائے گا اور تمام کائنات پر چھا جائے گا۔ اور یہی بات برادران اسلامی کے حقیقت پسند مفسرین نے بھی لکھی ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر فتح البیان میں لکھا

ہے ذٰلک عند نزول عیسیٰ وخروج المہدی فلا یبقی اہل دین الا دخلوا فی الاسلام۔ یعنی یہ وعدہ الٰہی جناب عیسیٰ۔ کے نزول اور حضرت مہدی۔ کے ظہور کے وقت پورا ہوگا جب تمام ادیان والے دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ عجل اللّٰہ ظہورہ۔

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگاہ زلزلہ عالم افکار

یضاح

یہ آیت مبارکہ اور یہ احادیث شریفہ مرزائے قادیان کے مثیل مسیح اور مہدی ہونے کے دعویٰ کی نفی پر نص صریح ہیں قرآن وسنت کی تصریح ہے کہ جب یہ بزرگوار تشریف لائیں گے تو باقی ادیان مغلوب ہو جائیں گے اور دین اسلام غالب آجائے گا مگر مرزا صاحب ۔

آئے بھی وہ گئے بھی وہ ختم ا فسانہ ہو گیا

مگر تا حال اسلام کو یہ غلبہ حاصل نہیں ہوا اور امت مرزائیہ کی یہ تاویل بالکل علیل ہے کہ اس غلبہ سے مراد دلیل وبرہان سے غلبہ مراد ہے۔ کیونکہ یہ غلبہ تو اسے روز اول سے حاصل ہے مرزا کی آمد کا اس میں کیا دخل ہے؟

۲۴۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ... الآیۃ۔

بہت سے عالم اور پادری ناحق لوگوں کے مال کھاتے ہیں

کسی دوسرے شخص کا مال لینے اور کھانے کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک حق کہ پہلا شخص اس دوسرے شخص کی کوئی خدمت کرنے یا کوئی نفع پہنچائے اور اس کے عوض کے سے کچھ مال حاسل کے اور دوسرا ناحق کہ دوسرے شخص کو دھوکہ وفریب دے کر اس کا مال حاصل کیا جائے یہود کے احبار ونصاریٰ کے رھبان یعنی ان کے علماء ومشائخ یہی دوسرا دھندا کیا کرتے تھے۔ مثلا یہود منہ مانگے دام لے کر سرمایہ داروں کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بناتے تھے بھاری بھرکم رشوتیں لے کر لوگوں کے مقدمات کے غلط فیصلے کرتے تھے، عوام میں اپنی بزرگی کے قصے کہانیاں مشہور کرتے تھے تاکہ لوگ ان کو بزرگ سمجھ کر ان کے پاس حصول برکت کے لئے آئیں اور یہ ان سے ہدیے اور نذرانے وصول کریں۔ اور نصاریٰ کے رہبان اور پادری جنت کے ٹکٹ فروخت کیا کرتے تھے، گناہوں کی بخشائش کے پروانے لکھ دیتے تھے اور اس کی قیمت ہر شخص سے اس کی مالی حیثیت کے مطابق وصول کی جاتی تھی۔ اس میں یہ درس عبرت موجود ہے کہ اگر اسلام کے علماء ومشائخ بھی عوام کو بدھو بنا

کران کی دولت سمیٹنے کے لئے یہی کام کریں گے اور شریعت کو اپنے ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی سمجھ کر اپنی مرضی سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا کر شریعت میں من پسند تاویلیں کر کے اسے عوام پسند بنا کر پیش کریں گے اور احیاء ملت کے نام پر چندے جمع کریں گے اور تعویذ گنڈے کے پراسرار اوصاف بیان کر کے انہیں فروخت کریں گے اور اس طرح اپنی تجوریاں بھرینگے تو ان کا انجام بھی یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس طرح یہ لوگ لوگوں کو اللہ کے راستہ کی طرف بلانے کی بجائے شعوری یا غیر شعوری طور پر لوگوں کو خدا کی راہ سے روک رہے ہیں **ولکن لا یشعرون**۔ واضح رہے کہ تفسیر کی پہلی جلد سورہ بقرہ کی تفسیر میں علماء یہود کی اس قسم کی بہت سی کارستانیوں کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ فراجع

آیات القرآن

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۝۳۵ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۝۳۶ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۝۳۷

ترجمۃ الآیات

یہ (واقعہ) اس دن ہوگا جب کہ اس (سونا چاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا (اور انہیں بتایا جائے گا

کہ) یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا تو اب مزا چکھو اس کا جو تم نے جمع کر کے رکھا تھا (۳۵) بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد نوشتہ خداوندی میں جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے بارہ ہے، جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہی دین مستقیم ہے۔ پس ان میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور تمام مشرکین سے اسی طرح جنگ کرو، جس طرح کہ وہ تم سب سے کرتے ہیں اور جان لو کہ بے شک اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے (۳۶) سوا اس کے نہیں کہ نسیئی (حرمت والے مہینوں کو موخر کرنا) کفر میں زیادتی کا موجب ہے، اس سے وہ لوگ گمراہ کئے جاتے ہیں جو کافر ہیں۔ وہ اسے ایک سال حلال قرار دیتے ہیں اور اسی کو دوسرے سال حرام قرار دیتے ہیں، تاکہ ان مہینوں کی گنتی پوری کریں جنہیں اللہ نے حرام کیا ہے تاکہ اس (حیلے) سے اللہ کی حرام کردہ کو اپنے لئے حلال قرار دیں۔ ان کے برے اعمال ان کے لئے آراستہ کر دئے گئے ہیں اور اللہ کافروں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا (۳۷)

تشریح الالفاظ

۱۔ **یکنزون**۔ کنز کے معنی ہیں مال جمع کرنا اور اسے زمین میں دفن کرنا۔ ۲۔ **فتکوی**۔کوی یکوی کیا کے معنی ہیں لوہے وغیرہ سے داغ دینا۔ ۳۔ **الدین القیم**۔ کے معنی ہیں سیدھا دین۔ ۴۔ **نسئی** کے معنی میں مؤخر کرنا۔

تفسیر الآیات

۲۵۔ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ... الآیۃ۔

اسلام کا نظام معیشت و مالیات

ہم نے اپنے فقہی شاہکار قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ اسلام کے معاشی نظام پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ اس وقت دنیا میں دو بڑے معاشی نظام ہیں۔

۱۔ نظام رأس المالیت۔ یعنی شخصی ملکیت کا مطلق العنان نظام کہ ہر شخص کو ہر طرح جائز و ناجائز طریقے

سے پہلے دولت کمانے کا حق ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور پھر اپنی مرضی کے مطابق ہر حلال وحرام مقام پر صرف کرنے کا حق حاصل ہے اسے کوئی ٹوک روک نہیں سکتا۔

٢۔ نظام اشتراکیت۔ کہ ہر شخص جو کچھ کمائے، جتنا کمائے سب سٹیٹ کا مال ہے، کوئی فرد کسی چیز کا مالک نہیں ہے، وہ جو کچھ کمائے گا وہ حکومت کے خزانہ میں جائے گا اور حکومت اس کی روٹی اور کپڑے اور مکان کا انتظام کرے گی۔

اسلامی نظام کی خصوصیات

مگر اسلامی نظام ان سب سے الگ تھلگ ایک مستقل اور اعلیٰ نظام ہے اس میں بے شک شخصی ملکیت کی اجازت ہے اور وہ قائل ہے کہ ہر فرد جو کچھ کماتا ہے، وہ اس کا مالک ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اگر کسی فرد اور معاشرہ کے مفادات میں تصادم وٹکراؤ پیدا ہو جائے تو پھر اہم کو مہم پر ترجیح دیتے ہوئے فرد کے مفاد کو قومی مفاد پر قربان کرنا پڑتا ہے ہاں البتہ اسلام ہر کسب و اکتساب کرنے والے پر دو (٢) پابندیاں عائد کرتا ہے، ایک پابندی مال کماتے وقت کہ جائز طریقہ سے کمایا جائے اور ناجائز طریقے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے کسب و اکتساب کے ذرائع کچھ جائز ہیں اور کچھ ناجائز، دوسری پابندی مال خرچ کرتے وقت کہ جائز کاموں پر مال خرچ کیا جائے اور ناجائز مصرف میں صرف نہ کیا جائے۔

مالی حقوق کا تذکرہ

علاوہ بریں اسلام مال ودولت کی کثرت وفراوانی کو محبوب خدا ہونے کی اور مالی قلت اور غربت کو مبغوض عنداللہ ہونے کی علامت نہیں سمجھتا بلکہ وہ مال ودولت کی کثرت وقلت کو امتحان کے دو پرچے سمجھتا ہے کہ مال و دولت کی نعمت کا شکریہ ادا کون کرتا ہے اور فقر وفاقہ کی مصیبت پر صبر کون کرتا ہے؟ لہٰذا اسلام نے مالداروں کے مال میں غرباء ومساکین وغیرہ کے کچھ مالی حقوق فرض کئے ہیں جیسے زکوٰۃ وخمس وغیرہ، جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ المال مالی والامراء امنائی والفقراء عیالی فمن بخل بمالی علی عیالی ادخله فی ناری ولا اباالی۔ ہر قسم کا مال میرا مال ہے امراء اور اغنیاء میرے مال کے امین ہیں اور غرباء ومساکین میرے اہل وعیال ہیں تو جو شخص میرے مال کو میرے اہل وعیال پر خرچ نہیں کرے گا، میں اسے جہنم میں جھونک دونگا اور کوئی پرواہ نہیں کروں گا۔ (کواکب مضیئہ دراحادیث قدسیہ مولفہ ایں احقر)۔ پھر ان مالی حقوق ادا کرنے پر بے حساب اجر وثواب وارد ہوئے ہیں اور ادا نہ کرنے پر عذاب وعتاب کی سخت تہدیدیں وارد ہوئی ہیں۔ منجملہ ان تہدیدوں کے

ایک کا تذکرہ قبل ازیں سورہ آل عمران کی آیت ۱۸۰ میں گزر چکا ہے **ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتاھم اللہ من فضلہ الآیہ**۔ اور اسی مقام پر اس کی تفصیل بھی گزر چکی ہے اور دوسری تہدید یہ ہے جو یہاں مذکور ہے کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ واضح رہے کہ سونے چاندی کا ذکر بطور مثال ہے دراصل ہر قسم کا مال مراد ہے۔ پیغمبر اسلامؐ اور آئمہ اہل بیتؑ کی متعدد روایات میں وارد ہے کہ **کل مال، تو دی زکوتہ فلیس بکنز و ان کانت تحت سبع ارضین** کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے، اس کا نام کنز (خزانہ) نہیں ہے اگرچہ سات زمینوں کے نیچے دفن ہو۔ **و کل مال لا تودی زکوتہ فھو کنز و ان کان فوق الارض**۔ اور جس مال سے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے اگرچہ زمین کے اوپر ہی ہو۔ (تفسیر عیاشی وصافی ونور الثقلین کذا فی تفسیر المنار)۔ **اللھم و فقنا لاداء الحقوق البدنیۃ والمالیۃ بحق النبی و عترتہ الطاھرۃ**۔

۲۶۔ **اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ ... الآیۃ**۔

خدا کے نزدیک کل مہینے بارہ ہیں

جب سے خدا نے زمین وآسمان پیدا کئے ہیں، اللہ کے نوشتہ (لوح محفوظ یا سابقہ آسمانی کتب) میں ان کی تعداد بارہ ہے جن میں چار خاص حرمت والے مہینے ہیں جن میں جنگ وجدال کرنا حرام ہے۔ اور بالاتفاق ان محترم مہینوں میں عبادت کرنے کا ثواب بھی زیادہ ہے اور گناہ کرنے کا عذاب وعقاب بھی زیادہ ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) ذی القعدہ، (۲) ذی الحجہ، (۳) محرم الحرام اور (۴) رجب المرجب۔

ہاں البتہ اگر کفار ان کی حرمت کا لحاظ نہ کریں اور وہ ان مقدس مہینوں میں جنگ شروع کر دیں تو پھر مسلمانوں کے لئے بھی ان مہینوں میں دفاعی جنگ کرنا جائز ہے، یہ حقائق تو بالکل واضح ہیں البتہ اہم بات وہ ہے جس کا تذکرہ آنے والی آیت میں کیا گیا ہے یعنی مسئلہ نسیئ۔

ایضاح۔ مخفی نہ رہے کہ ذلک الدین القیم سے مستفاد ہوتا ہے کہ شرعا سن وسال معلوم کرنے اور احکام شرعیہ حج، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ پر عمل کرنے کے سلسلہ میں قمری مہینے ہی معتبر ہیں اور شمسی سن وسال معتبر نہیں ہیں۔

۲۷۔ **اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ ... الآیۃ**۔

نسیئی کا تذکرہ

نسیئ کفر میں زیادتی کا باعث ہے اس سے کیا مراد ہے؟ نسیئ نسا سے مصدر ہے جس کے معنی موخر

کرنے کے ہیں یعنی ضرورت کے وقت ان مہینوں میں تقدیم وتاخیر اور ردو بدل کرنا، باالفاظ دیگر اسم کو برقرار رکھکر مسمیٰ کو تبدیل کردینا، وہ اس طرح کہ مثلاً جنگ جاری تھی کہ محرم آ گیا تو وہ فرض کر لیتے کہ یہ صفر کا مہینہ ہے اور یہ تصور کر کے جنگ جاری رکھتے اور جب صفر شروع ہوتا تو اسے محرم تصور کر کے جنگ سے ہاتھ روک لیتے یہ ہے شیطان کا وہ دام فریب جس میں وہ بندوں کو پھنساتا اور گمراہ کرتا ہے جس سے وہی خوش قسمتی سے بچ سکتا ہے جس کے توفیق الٰہی شامل حال ہوتی ہے۔اور اس کی وجہ غالباً ان کی معاشی مجبوری تھی کیونکہ ان لوگوں کی زیادہ تر گذر بسر لوٹ مار پر تھی اور مسلسل تین ماہ کی مدت تک اس ذریعہ معاش سے محروم رہنے کی وجہ سے تنگ آ کر نسیئی کا سہارا لیتے تھے بہرحال قرآن نے اس حیلہ سازی کو کفر میں زیادتی کا باعث قرار دیتے ہوئے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔

آیات القرآن

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لئے) نکلو تو تم بوجھل ہو کر زمین گیر ہو جاتے ہو۔ کیا تم نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی

کو پسند کرلیا ہے؟ (اگر ایسا ہی ہے تو یاد رکھو کہ) دنیا کا ساز وسامان آخرت کے مقابلہ میں بالکل قلیل ہے (۳۸) اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب کے ساتھ سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ کو لا کھڑا کرے گا اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۳۹) اور اگر تم ان (رسول) کی نصرت نہیں کروگے (تو نہ کرو) اللہ نے ان کی اس وقت نصرت کی جب کافروں نے ان کو (وطن سے) نکال دیا تھا اور آپ دو میں سے دوسرے تھے۔ جب دونوں غار میں تھے اس وقت وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غمگین نہ ہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ سو اللہ نے ان (رسول) پر اپنی تسکین نازل کی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا۔ اور اللہ نے کافروں کے بول کو نیچا کر دیا اور اللہ کا بول ہی بالا ہے۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے (۴۰)

تشریح الالفاظ

۱۔ لیو اطئوا۔ مواطاۃ کے معنی برابر کرنے اور موافقت کرنے کے ہیں۔ ۲۔ انفروا۔ نفار نفور اور نغیر کے معنی چل دینے کے ہیں نفر کا صلہ جب من ہو جیسے نفر من فلاں تو اس کے معنی نفرت کرنے کے ہوتے ہیں اور جب اس کا صلہ الی ہو تو پھر اس کے معنی جلدی کرنے کے ہوتے ہیں۔ ۳۔ اثاقلتم۔ اثاقل الی الارض کے معنی ہیں زمین کی طرف بوجھل ہو کر جھکنا۔

تفسیر الآیات

۲۸۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ...الآیۃ

غزوہ تبوک اور اس کا پس منظر

یہاں سے لے کر سورہ کی آخری چند آیتوں سے پہلے تک جنگ تبوک کا تذکرہ ہے جس کے واقعہ کا خلاصہ اور پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ حنین وطائف سے مظفر ومنصور ہو کر واپس مدینہ پہنچے تو آپکو اطلاع ملی کہ قیصر روم (ہرقل) نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو قبل اس کے کہ اس کی حکومت کے لئے خطرے کا باعث بن جائے کچلنے کیلئے مدینہ پر حملہ کرنیکا فوج کو حکم دے دیا ہے اور اس کی فوجیں بمقام تبوک

جمع ہو رہی ہیں جو قریباً مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے اور جس کا فاصلہ آج کل مدینے سے 610 کلو میٹر ہے اور شام اس دور میں عیسائیوں کی رومن امپائر کا صوبہ تھا اور یہ بھی اطلاع ملی کہ عرب کے عیسائی قبائل بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں مسلمانوں کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ جزیرۃ العرب سے باہر کی ایک بہت بڑی طاقتور شہنشاہیت ان سے آمادہ پیکار ہوئی لہٰذا ضروری تھا کہ دفاع کا مکمل اور بر وقت پورا انتظام کیا جاتا چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ نے یہی مناسب سمجھا کہ یہاں رہ کر اس کے حملہ کرنے کا انتظار کرنے کے بجائے خود آگے بڑھ کر ان پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا جائے اور تیاری اور کوچ کا اعلان کر دیا۔ اب ایک جنگ کی ناگزیریت اور دوسری طرف حالات کی ناموافقت مسلمان، چند ماہ قبل حنین و طائف کے جہاد کی وجہ سے چور چور ہو چکے تھے۔ مالی وسائل محدود پھر موسم بڑی گرمی کا تھا اور کھجوروں کی فصل پک چکی تھی اور اس کے کاٹنے کا وقت سر پر آ گیا تھا ان سب اسباب نے جمع ہو کر مسلمانوں کے لئے بڑی مشکلیں پیدا کر دیں اور ان کے قدم رکنے لگے مگر جب دفاع ملت کی گھڑی آ جائے تو پھر کوئی مجبوری مجبوری تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ اور ظاہر ہے کہ اداء فرض کی راہ تن آسانیوں کی راہ نہیں ہے اس راہ میں مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ مصیبتیں عارضی ہوتی ہیں۔ اور اسکے نتیجے میں ملنے والی راحتیں دائمی ہوتی ہیں۔ ان آیات میں اسی حقیقت کی مسلمانوں کو تلقین کی جا رہی ہے۔ بہر حال بقول بعض مفسرین اس وقت مسلمان چھ قسم پر منقسم ہو گئے تھے پہلی قسم۔ ان کامل ایمان اہل ایمان کی تھی جو پہلے اعلان پر ہی بلا تامل جہاد کے لئے آمادہ کار اور تیار ہو گئے

۲۔ دوسری قسم۔ ان اہل اسلام کی تھی جو آغاز میں کچھ متردّد ہوئے مگر پھر جلدی ہی سنبھل گئے اور تیار ہو گئے اور جس پر جلال انداز میں خدا نے جہاد کی دعوت دی تو اس سے ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ ان دونوں قسموں کے بارے میں قرآن فرماتا ہے **الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم۔**

۳۔ تیسری قسم۔ ان اہل اعذار کی تھی جو کسی شرعی عذر از قسم ضعف و کمزوری اور بیماری کی وجہ سے اس جہاد میں شامل نہ ہو سکے ان کے متعلق قرآن فرماتا ہے **لیس علی الضعفاء ولا علی المرضیٰ۔**

۴۔ چوتھی قسم ان کمزور اہل ایمان کی تھی کہ باوجود کوئی شرعی عذر نہ رکھنے کے محض سہل انگیزی اور تن آسانی کی وجہ سے شریک سفر نہ ہوئے ان کا کئی آیتوں میں تذکرہ کیا گیا ہے جیسے **آخرون اعترفوا بذنوبھم۔ آخرون مرجون لامر اللہ وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا۔** ان کی بڑی زجر و توبیخ کی گئی ہے مگر آخر میں ان کو توبہ کی بشارت دی گئی ہے۔

۵۔ پانچویں قسم۔منافقین کی تھی جن کے ڈھول کا بالکل پول کھل گیا اور امتحان کی گھڑی میں وہ اپنا نفاق نہ چھپا سکے اور اس سفر وسیلہ ظفر میں شریک نہ ہوئے بہت سی آیات میں اس گروہ کی مذمت وارد ہوئی ہے۔

۶۔ چھٹی قسم۔ان سخت شرارتی منافقین کی تھی جو مسلمانوں کی جاسوسی کرنے اوران کو گزند پہنچانے کی نیت سے اس سفر میں ساتھ ہو گئے تھے اسی گروہ کی ان آیات میں تصویر کشی کی گئی ہے۔و فیکم سماعون لهم ولئن سالتهم لیقولن۔ وهموا بما لم ینالوا۔(معارف القرآن)۔

بہرحال اس جہاد میں نکلنے والوں کی تعداد تیس ہزار تھی جو اس سے پہلے کسی جہاد میں جمع نہیں ہوئی تھی اور جب یہ لشکر جرار ایک ہفتے کا لگا تار شب و روز سفر کرتا ہوا رومی حکومت کی حدود مملکت میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ جب ہرقل کو ان حالات کی اطلاع ملی تو اس پر مسلمانوں کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ مقابلے کے لیے باہر ہی نہیں نکلا۔اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند روز تک محاذ جنگ (تبوک) پر حریف کا انتظار کرنے کے بعد لشکر اسلام کے ہمراہ واپس تشریف لے آئے اور بعض آثار کے مطابق قیصر کے مقامی نمائندہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر جزیہ دینے کی پیشکش کر کے صلح کی استدعا کی جسے قبول کر لیا گیا۔(تفسیر کاشف)

جنگ تبوک کا ایک نا قابل فراموش واقعہ یعنی استخلاف علی علیہ السلام

تاریخ اسلام کا ایک مشہور اور مسلم واقعہ بھی اسی غزوہ کے دوران پیش آیا اور وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت تیس ہزار مسلمانوں کا لشکر جرار ہمراہ لے کر روم کی طرف روانہ ہونے لگے تو آنحضرت نے مدینہ میں اپنا جانشین حضرت علی علیہ السلام کو مقرر فرمایا۔جناب نے عرض کیا یارسول اللہ! خلفتنی مع النساء و الصبیان افقال رسول الله اما ترضی ان تکون منی بمنزله هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی۔یارسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی۔! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون۔کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔فرق اس قدر ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں (ورنہ تم ضرور نبی ہوتے) (ملاحظہ ہو صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۸ طبع مصر۔بخاری ج ۲۔ص ۵۲۶ طبع دہلی، سنن ابن ماجہ ج ا ص ۵۵۔مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۳ مسند احمد بن حنبل ج ا ص ۱۷۰، ۱۷۳، مستدرک حاکم، ج ۳ ص ۱۰۹۔کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۲ صواعق محرقہ ص ۲۷ تفسیر درمنثور ج ۴ ص ۲۹۵ وغیرہ وغیرہ)

ابن تیمیہ جیسے متعصب عالم نے بھی بایں الفاظ اس حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔" ان هذا الحدیث صحیح بلا ریب ثبت فی الصحیحن وغیر هما'' صاحب کفایۃ الطالب نے'' هذا حدیث متفق علی صحته'' کہہ کر حاکم نیشا پوری صاحب المستدرک کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "هذا

حدیث صحیح دخل فی حد التواتر ''اور یہ حدیث حضرت علی علیہ السلام کی خلافت حقہ پر جس صراحت سے دلالت کرتی ہے وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے

۲۹۔ الا تنفروا یعذبکم عذاباً الیماً۔ و یستبدل قوماً غیرکم۔ الایۃ

استبدال اقوام کی حقیت

''قران نے یہاں آیت (۳۹) میں اور نیز دیگر مقامات میں ''استبدال اقوام'' کا ذکر کیا ہے یعنی فرمایا یادرکھو! اگر تم نے اداء فرض میں کوتاہی کی تو خدا کا قانون اسطرح کا واقعہ ہوا ہے کہ تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ کو لا کھڑا کرے گا تاریخ کا مطالعہ کرو تو ''استبدال'' کے مناظر تمہارے سامنے آجائیں گے اور قرآن پر تدبر کرو تو اس کے سنن ونوامیس؟ واضح ہو جائیں گے حکمت الٰہی نے افراد کی طرح جماعتوں کی زندگی وقیام کے لئے بھی ایک خاص نظام مقرر کر دیا ہے اور اسی کے مطابق ایک جماعت کی جگہ دوسری جماعت سے اور ایک قوم کی زندگی دوسری قوم کی زندگی سے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے قرآن کہتا ہے افراد کے نظام حیات کی طرح جماعات کا نظام بھی جدو جہد سعی وطلب اور فکر وعمل کی صلاحیت کا نظام ہے اور یہاں بھی بقا انفع کا قانون کام کر رہا ہے یعنی وہی جماعت کشمکش حیات میں باقی رہتی ہے جو دنیا کیلئے انفع ہو۔ جو نفع نہیں وہ چھانٹ دی جاتی ہے۔ پس جو جماعت اس قانون فطرت کے مطابق اپنے کو زندگی و بقا کا اہل ثابت نہیں کرے گی ضروری ہے کہ اس کی جگہ کسی دوسری جماعت کو مل جائے اور یہی ''استبدال اقوام'' ہے (ترجمان القران ج ۲)

۳۰۔ فقدہ نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین... الآیۃ۔

آیت مبارکہ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار کی مختصر مگر محققانہ تفسیر

قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ مدت مدید سے فریقین کے درمیان معرکۃ الآراء بنی ہوئی ہے۔ برادران اسلامی کے مناظرین ومصنفین بڑے زور وشور سے اسے حضرت ابوبکر کی فضیلت کی بہت بڑی دلیل قرار دیا کرتے ہیں جبکہ ہماری برادری اسی شدت وحدت سے اس کا جناب موصوف کے لئے دلیل فضیلت ہونے کا انکار کیا کرتی ہے ہم نے بھی اپنی کتاب تجلیات صداقت میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس موضوع کی جملہ تفصیلات معلوم کرنیکے خواہشمند حضرات اس کتاب کی طرف رجوع فرمائیں فیضان الرحمن کوئی مناظرہ کی کتاب نہیں ہے۔ اور ہم اس قسم کی اختلافی بحثوں سے اسے ملوث بھی نہیں کرنا چاہتے۔ جس سے فرقہ آرائی کی بو آئے بلکہ ہماری دلی خواہش ہے کہ یہ تفسیر اس نہج پر پیش کی جائے کہ اسلام کے کسی بھی مسلک سے تعلق رکھنے والا شخص اسے

شوق سے پڑھ سکے اوراس کی دل شکنی نہ ہو بلکہ اگر کوئی غیر مسلم مفکر بھی اس کا مطالعہ کرے تو اس کی دل آزاری نہ ہو۔لہٰذا ہم یہاں اتنا عرض کریں گے کہ برادران اسلام چند وجوہ سے اس آیت سے استدلال کیا کرتے ہیں۔

(الف) حضرت ابوبکر کو ثانی اثنین کہا گیا ہے۔(ب) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے۔(ج) آپ کو حضرت رسول خدا کا صاحب کہا گیا ہے۔(د) اللہ نے آپ پر سکینہ نازل فرمایا۔(ہ) حبیب خدا نے از شفقت فرمایا لاتحزن۔(و) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اللّٰہ معنا۔فرمایا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے وغیرہ وغیرہ۔مگر خدا لگی بات یہ ہے کہ اگر سطحی نگاہ سے ہٹ کر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو ان امور میں فضیلت کی کوئی خاص بات نہیں ہے اوراس کی اجمالاً بقدر راشد ضرورت وضاحت یہ ہے کہ (الف) جہاں تک لفظ ثانی اثنین کا تعلق ہے اس میں کوئی فضیلت مضمر نہیں ہے۔کیونکہ اس کا ترجمہ ہے''دو'' میں کا دوسرا، مطلب یہ کہ غار میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا نہیں تھے بلکہ ایک دوسرا شخص بھی ان کے ہمراہ تھا۔علم الاعداد کا قاعدہ ہے کہ جب کہیں دو آدمی جمع ہوں گے۔تو ہر شخص کو ثانی اثنین (دو میں کا دوسرا) اور جب تین جمع ہوں تو ہر ایک کو ثالث ثلاثہ تین میں کا تیسرا کہیں گے خواہ وہ دوسرا یا تیسرا جیسا بھی ہو۔

(ب)۔اور جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جناب ابوبکر کو اپنے ساتھ لے جانے کا تعلق ہے اس میں اختلاف ہے کہ آپ خود ان کو ہمراہ لے گئے تھے جیسا کہ حملہ حیدری وغیرہ میں مذکور ہے یا وہ خود پیچھے سے جا کر شامل ہوئے تھے جیسا کہ تاریخ طبری وغیرہ میں مذکور ہے۔اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔جہاں تک تفسیر منسوب امام حسن عسکری۔کا تعلق ہے تو تمام محقق علماء شیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ امام۔کی تالیف نہیں ہے۔فاضل شیخ جواد بلاغی نے اپنی تفسیر الاء الرحمن میں قطعی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ نسبت غلط ہے اور جہاں تک حملہ حیدری وغیرہ کا تعلق ہے تو اس کا ناظم نہ مفسر ہے نہ محدث اور نہ ہی مورخ بلکہ فردوسی کی طرح شیعی المذھب شاعر ہے اور ظاہر ہے کہ شعراء کا کام علمی وفنی موشگافیاں کرنا نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ تاریخ میں مل جائے اسے بنا سنوار کر شعری لباس میں ملبوس کر کے پیش کرنا ہوتا ہے اور بس چنانچہ باذل صاحب خود فرماتے ہیں کہ۔

من از گفت راوی بیان من کنم
جوابش بر و گفتہ گر بیش و کم

ہاں البتہ قرآن سے اتنا ضرور ثابت ہے کہ کافروں نے صرف پیغمبر اسلام کو شہر بدر کیا تھا جس پر آیت کا ابتدائی حصہ اذ اخرجہ الذین کفروا بطور نص دلالت کرتا ہے۔

ج۔اور جہاں تک لفظ صاحب کا تعلق ہے جس کے معنی ہیں ہمراہی اور ساتھی بنابریں سفر ہو یا حضر کسی

آدمی کے ہمراہ جو بھی ہوگا اسے صاحب (ساتھی) ہی کہا جائے گا۔اس میں کوئی شرط نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہو یا کافر مخلص ہو یا منافق، قرآن مجید میں مذکور ہے کہ **فنادو اصاحبھم فتعاطی فعقر**۔یعنی قوم ثمود نے اپنے صاحب (ساتھی یعنی قذار) کو بلایا اور اس نے آکر (ناقہ صالح کی) کوچیں کاٹ دیں (سورہ قمر۔ ۲۹ صاحب کی لفظ جس کی جمع صحب، اصحب، صحبہ، صحابہ وغیرہ ہے۔اس کا اطلاق جنتیوں پر بھی ہوتا ہے۔اور دوزخیوں پر بھی ارشاد قدرت ہے۔**لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنة**۔

د۔اور جہاں تک انزال سکینہ کا تعلق ہے تو مفسرین اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خداوند عالم نے یہ سکینہ (تسکین) حضرت رسول خدا ﷺ پر نازل کی تھی بنا بریں علیہ میں ضمیر واحد مذکر کا مرجع حضرت رسول خدا ﷺ ہیں چنانچہ تفسیر جامع البیان، معالم التنزیل ترجمان القران نواب صدیق حسن خان فتح البیان، جلالین وغیرہ سب تفاسیر میں لکھا ہے۔**فانزل اللہ سکینة، علیه ای امنته علی رسول اللہ**۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی اپنے ترجمہ قرآن میں اس فقرہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں ''پھر اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر ﷺ پر اپنی (طرف سے) تسلی اتاری'' اور اس بات کا ناقابل رد قرینہ یہ ہے کہ اس فقرہ کے بعد بلافصل ارشاد قدرت ہے **وایدہ بجنود لم تروھا** اور اللہ نے اس کی غیر مرئی لشکروں کے ساتھ تائید فرمائی۔ چنانچہ تمام عالم اسلام کا اتفاق ہے کہ فرشتے آنحضرت ﷺ کی تائید کے لئے ہی اتارے گئے تھے۔

ہ۔اور جہاں تک لاتحزن سے فضیلت ثابت کرنے کا تعلق ہے۔تو خدا لگی بات تو یہ ہے کہ اگر اس سے جناب موصوف کی رذیلت ثابت نہیں ہوتی تو فضیلت بھی ثابت نہیں ہوتی۔جنہوں نے ایسے کٹھن مرحلہ پر رو کر (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۶۴۶ طبع پر لکھا ہے ''بکی ابوبکر'' اس وقت جناب ابوبکر رونے لگے اور بقول صاحب تفسیر بیضاوی پریشان ہو کر اور آہ وفغان کر کے آنحضرت ﷺ کی پریشانی میں اور اضافہ کیا لکھا ہے ''**ان ابا بکر کان منزجعا**'' کہ جناب ابوبکر انتہائی طور پر پریشان تھے اور آہ وفغاں کر رہے تھے (تفسیر بیضاوی)۔اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو روکا اور اس طفلانہ حرکت پر ٹوکا کہ **لا تحزن**۔

و۔اور جہاں تک ''معنا'' کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ کی معیت قیومیہ ہر ایک کو حاصل ہے اور اس کے بغیر کوئی جاندار زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ارشاد قدرت ہے،**وھو معکم این ما کنتم**۔تم جہاں کہیں بھی ہو وہ (خدا) تمہارے ساتھ ہوتا ہے (سورہ حدید) **ما یکون من نجوی ثلاثة الا ھو رابعھم**۔جہاں بھی تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے۔**نحن اقرب الیه من حبل الورید**۔ہم انسان کی شہ رگ حیات سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

ایک مخلصانہ مشورہ

جہاں ان فقروں کو کھینچ تان کر اچھے معنوں پر محمول کیا جاتا ہے وہاں ان عمومی معنوں کا بھی تو برابر احتمال باقی رہتا ہے اور ان کی ہرگز نفی نہیں ہوتی۔ تو پھر اس طرح استدلال کا وزن توختم ہوگیا۔ کیونکہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کی صداقت مسلم ہے۔ لہٰذا ہم ایسے لوگوں کو مخلصانہ مشورہ دینگے کہ۔

بس کن حدیث غار کہ عار است نزد عقل
آں حزن د بے قراری شیخ معمرم

شب ہجرت حضرت علی علیہ السلام کا محیر العقول کارنامہ

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کسی اور بزرگ کا کوئی چھوٹا موٹا بھی کارنامہ تاریخ میں نظر آجائے تو اسے تو ہماری اسلامی برادری بڑے طمطراق سے اور بڑھا چڑھا کر پیش کیا کرتی ہے، جیسا کہ ابھی اوپر قصہ غار کے بارے میں اس بات کا واضح ثبوت گزر چکا ہے مگر جب حضرت علی علیہ السلام یا خاندان نبوت کے کسی اور بزرگوار کا کوئی ایسا مسلمہ کارنامہ ہو جس پر فرشتہ فخر کرے، پیغمبر ناز کرے بلکہ خود خدا بھی جس پر مباہات کرے اس کا سرسری تذکرہ کر کے گذر جاتے ہیں اور کوئی ذکر تک بھی نہیں کرتا۔ ان ھذا الاقسمۃ ضیزی۔ جیسے حضرت علی علیہ السلام نے شب ہجرت سخت ناسازگار حالات اور حوصلہ شکن واقعات میں بستر رسول پر سو کر اور اپنی جان عزیز کو خطرہ میں ڈال کر پیغمبر اسلام کی جان گرامی کی حفاظت فرمائی اور ایثار و فدا کاری اور جاں نثاری و جاں سپاری کا وہ محیر العقول کارنامہ پیش کیا، جس کی نظیر جبرئیل و میکائیل بھی پیش نہ کر سکے۔ اور جس پر خود خدائے متعال نے بزم ملائکہ میں فخر و مباہات فرمایا اور آپ کی شان میں آیت مبارکہ **و من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد**۔ نازل فرمائی شاعر کہتا ہے۔

شب ہجرت شدہ آمادہ ایثار حیات
جز علی کیست کہ ایں طرز وفا می دارد ؟

ان اجمالی اشارات کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات درج ذیل کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔
(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۸۳، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۹، کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۳۹، ابوالفدا ج ۱ ص ۱۳۶، مدارج النبوہ ج ۱ ص ۵۵۲، سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۹۷ اور احیاء العلوم غزالی وغیرہ وغیرہ۔)
تفسیر کی اسی جلد میں سورہ انفال کی آیت ۳۰ **و اذ یمکر بك الذین کفرو الیثبتوك او**

يقتلوك او يخرجوك کی تفسیر میں بقدر ضرورت اس واقعہ کی کچھ تفصیل بیان کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمۃ الآیات

اے مسلمانو!) ہلکے پھلکے اور بھاری بوجھل نکل پڑو۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرو یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو (۴۱) (اے رسول) اگر فائدہ قریب اور سفر آسان ہوتا تو یہ (منافق) ضرور تمہارے پیچھے چلتے لیکن انہیں راہ دور کی دکھائی دی (اس لئے قطع مسافت دشوار ہوگئی) وہ عنقریب اللہ کے نام کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ

اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور آپ کے ساتھ نکلتے۔ یہ لوگ (جھوٹی قسمیں کھا کر) اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں (۴۲) (اے رسول) اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے انہیں کیوں (پیچھے رہ جانے کی) اجازت دے دی۔ جب تک آپ پر یہ واضح نہ ہو جاتا کہ سچے کون ہیں اور معلوم نہ ہو جاتا کہ جھوٹے کون؟ (۴۳) جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی آپ سے اجازت طلب نہیں کریں گے کہ وہ اپنے مال و جان سے (اللہ کی راہ میں) جہاد کریں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے (۴۴) اس قسم کی اجازت وہی لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑ گئے ہیں اور اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں (۴۵) اگر ان لوگوں نے نکلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کے لئے کچھ نہ کچھ سر و سامان کی تیاری ضرور کرتے لیکن (حقیقت الامر تو یہ ہے کہ) اللہ کو ان کا اٹھنا اور نکلنا ناپسند تھا۔ اس لئے ان کو کاہل (اور سست) کر دیا۔ اور (گویا ان سے) کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ (۴۶)

تشریح الالفاظ

۱۔ لا یستاذنوك۔ استیذان کے معنی ہیں اجازت طلب کرنا۔
۲۔ انبعاث کے معنی ہیں بھیجا جانا۔ تیزی ظاہر کرنا۔
۳۔ فثبطھم۔ ثبط کے معنی ہیں کسی کام سے باز رکھنا۔
۴۔ خبال کے معنی ہیں نقصان، ہلاکت اور فساد۔
۵۔ ولاضعوا کے معنی تیز چلنا اور چلانا۔

تفسیر الآیات

۳۲۔ عَفَا اللہ عَنْكَ... الآیة

اس عفا اللہ عنک کا پس منظر

جب حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے شد و مد سے جنگ تبوک کیلئے تیاری کر رہے تھے اور جنگ کا اعلان

عام فرما چکے تھے تو مدینہ کے بعض منافقین نے جھوٹے عذر بہانے کر کے جنگ میں شرکت نہ کرنے کی اجازت چاہی اور آنحضرت نے اپنی طبعی کریم النفسی اور تحمل ورواداری کی بناء پر اجازت دے دی اس طرح گویا ایک طرح ان کے نفاق پر پردہ پڑ گیا اور ان کو جنگ میں شرکت نہ کرنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اجازت نہ بھی دیتے تو وہ لوگ پھر بھی جہاد میں شرکت نہ کرتے اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے تو اس طرح ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو جاتا اور سب کو معلوم ہو جاتا۔ کہ یہ لوگ منافق ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں اولیٰ یہ تھا کہ ان جھوٹے عذروں کو رد کر دیا جاتا اور ان کے پیچھے رہ جانے کی اجازت نہ دی جاتی۔

لیکن چونکہ بنص قرآن خداوند عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجازت دینے کا یہ حق دیا ہوا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فاذا استاء ذنوك لبعض شائنهم فاذن لمن شئت اگر وہ اپنی مجبوری کے تحت آپ سے جنگ میں شامل نہ ہونے کی اجازت مانگیں تو جسے آپ چاہیں اجازت دے دیں۔ (سورہ نور۔ ۶۲) لہٰذا آپ نے اپنا حق استعمال کر کے کوئی ناجائز کام نہیں کیا جو آپ کی عصمت کبریٰ کے منافی ہو لہٰذا زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خصوصی معاملے میں خدا سے رابطہ کر لیتے اور ان لوگوں کو اجازت نہ دیتے تو اولیٰ اور زیادہ مناسب تھا۔ اور ظاہر ہے کہ معافی جس طرح کسی گناہ کی دی جاتی ہے اسی طرح ترک اولیٰ کیلئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۳۳۔ لَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ... الآیۃ

مومن اور بے ایمان کے پرکھنے کی کسوٹی کا بیان

یہاں اکثر مترجمین ترجمہ کرتے وقت بریکٹ میں ایک (نہ) بڑھا دیتے ہیں۔ کہ "جو لوگ خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ لوگ آپ سے اجازت نہیں مانگیں گے کہ جہاد (نہ) کریں مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہاں بریکٹ میں نہ بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آیت کا سیدھا سادا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک مومن نماز پڑھنے کی، روزہ رکھنے کی اور کلمہ پڑھنے کی اجازت طلب نہیں کرتا بلکہ خدا اور رسول کے حکم کی تعمیل سمجھ کر یہ کام بجالاتا ہے تو اسی طرح جو لوگ خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ کبھی اپنے جان و مال سے جہاد کرنے کے لئے اجازت طلب نہیں کرتے۔ (بلکہ اسے ایک شرعی فریضہ سمجھ کر راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں)۔ ہاں البتہ اس کی اجازت وہی لوگ طلب کرتے ہیں۔ (کہ جہاد کریں؟) جو خدا اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل میں شک پڑ گئے ہیں اور وہ اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں۔ ع

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

یہ لوگ نہ اپنا کفر ظاہر کرتے ہیں اور نہ ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہیں ہاں البتہ یہ دونوں آیتیں

مفہوم موافق سے اس لطیف معنی پر دلالت کرتی ہیں کہ جو مومن ہوتے ہیں وہ کبھی مالی اور جانی جہاد میں شریک ہونے کی اجازت نہیں مانگا کرتے۔ بلکہ وہ تو جہاد کا اشارہ پاتے ہی آمادہ کار اور تیار ہوجاتے ہیں۔ہاں البتہ شرکت نہ کرنے کی اجازت وہی لوگ طلب کرتے ہیں اوراس سعادت سے روگردانی کے حیلے بہانے وہی بناتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔اس سے معلوم ہوا کہ مالی وجانی جہاد ہی مومن اور بے ایمان کو پرکھنے کی کسوٹی ہے پس جو اسلام وقران اوران کے احکام کی سربلندی کے لیے اپنا مال وجان خرچ کرنے کے لئے مال بدست اور سربکف نظر آئے وہ مومن ہے اور جو اس سے گریزاں ہو اور پہلو تہی کرتا ہوا نظر آئے وہ بے ایمان ہے۔اوراس کا دل ودماغ لذت ایمان سے آشنا نہیں ہے۔

۳۴۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ... الآیة۔

منافقین کے جھوٹے عذر کا جواب اور حقیقت حال کا انکشاف

جنگ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے بعض منافقین نے بارگاہ رسالت میں یہ جھوٹا عذر پیش کیا تھا۔کہ ہم تو جہاد میں شامل ہونے کے لئے بالکل تیار تھے۔مگر عین موقع پر کچھ مجبوریاں پیش آگئیں۔خداوند عالم ان کے جھوٹ کا پول کھول رہا ہے کہ اگر یہ اپنے قول میں سچے ہوتے تو پھر جنگ کے لئے کچھ زادوراحلہ اور ساز و ساماں کا اہتمام تو کیا ہوتا؟ مگران کا ایسا کچھ بھی نہ کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ پہلے سے ہی ان کی نیت میں فتور تھا اور جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا اس کے بعد خداوند عالم حقیقت حال کا انکشاف کرتے ہوئے فرمارہا ہے۔کہ اگر یہ لوگ جنگ میں شرکت کرتے تو ان کی یہ شرکت جہاد کے لئے نہ ہوتی بلکہ فتنہ وفساد کے لئے ہوتی۔جیسا کہ اس سے اگلی آیت۔لو خرجوا فیکم ما زادو کم الاخبالا میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔جیسا کہ جنگ حنین میں ابوسفیان اوراس کے ساتھیوں نے کیا تھا کہ عین اس وقت جب گھمسان کا رن پڑا رہا تھا تو یہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے جس سے دوسرے اکثر مسلمانوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔لہٰذا چونکہ ان کی نیت فاسد تھی اور ارادہ ٹھیک نہیں تھا اس لئے خدا نے ان سے اپنی توفیق سلب کر لی۔اور خدا نے ان کے جانے کو ناپسند کیا۔اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ان کی ہمت میں پستی آگئی۔گویا کہ زبان حال سے ان سے کہہ دیا کہ تم بیٹھے رہو۔بیٹھنے والوں کے ساتھ۔اسی سلب توفیق کا نام شریعت میں ''خذلان'' ہے۔اور اگران کا ارادہ یہ ہوتا کہ وہ اسلام کی نصرت وتائید کے لئے جہاد میں شامل ہوں تو پھر کبھی خدا اسے ناپسند نہ کرتا بلکہ انہیں توفیق دیتا کہ وہ ضرور شامل ہوں۔اوراسی کا نام شریعت میں ''توفیق'' ہے۔ ع

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے

یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق خدائے حکیم نے سورہ آل عمران کی آیت ۱۷۹ میں تذکرہ فرمایا تھا کہ ما کان اللہ لیذر المومنین۔۔۔ حتی یمیز الخبیث من الطیب۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے۔۔۔۔ ایسے حالات و واقعات پیش آتے رہے جن سے منافقوں کے چہرے بے نقاب ہوتے رہے اور اس سلسلہ کا آخری مرحلہ غزوہ تبوک تھا جس نے منافقوں کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا۔ اور بے خواب کر دیا۔

آیات القرآن

لَوۡ خَرَجُوۡا فِيۡكُمۡ مَّا زَادُوۡكُمۡ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا۟اَوۡضَعُوۡا خِلٰلَكُمۡ يَبۡغُوۡنَكُمُ الۡفِتۡنَةَ‌ ۚ وَفِيۡكُمۡ سَمّٰعُوۡنَ لَهُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ مِنۡ قَبۡلُ وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰى جَآءَ الۡحَـقُّ وَظَهَرَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ‌ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا‌ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۹﴾ اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَـنَا‌ ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا‌ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ‌ ؕ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا‌ ‌ۖ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ﴿۵۲﴾

ترجمۃ الآیات

اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہاری خرابی میں اضافہ ہی کرتے اور فتنہ پردازی کیلئے دوڑ دھوپ کرتے اور تمہارے اندر (ہنوز) ایسے لوگ (جاسوس) موجود ہیں جو ان کی باتوں

پر کان دھرنے والے ہیں (جاسوسی کرتے ہیں)۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے (۴۷) وہ لوگ اس سے پہلے بھی فتنہ پردازی میں کوشاں رہے ہیں اور آپ کے معاملات کو درہم برہم اور الٹ پلٹ کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق (سامنے) آ گیا۔ (نمایاں ہو گیا) اور اللہ کا حکم غالب ہوا۔ جبکہ وہ ناپسند کرتے تھے۔ (۴۸) اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے (گھر میں بیٹھے رہنے کی) اجازت دے دیں۔ اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں خبردار! وہ فتنہ میں تو خود پڑ ہی چکے ہیں اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے (۴۹) اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر آپ پر کوئی مصیبت آ جائے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا معاملہ ٹھیک کر لیا تھا۔ اور وہ (یہ کہہ کر) خوش خوش واپس لوٹ جاتے ہیں۔ (۵۰) (اے پیغمبر) کہہ دیجئے! کہ ہمیں ہرگز کوئی (بھلائی یا برائی) نہیں پہنچتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے وہی ہمارا مولیٰ و سرپرست ہے۔ اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو توکل (بھروسہ) کرنا چاہئے (۵۱) اے پیغمبر کہہ دیجئے! کہ تم ہمارے بارے میں دو بھلائیوں (فتح یا شہادت) میں سے ایک کے سوا اور کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ اور ہم تمہارے بارے میں اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تمہیں سزا دے۔ خواہ اپنی طرف سے دے یا ہمارے ہاتھوں سے؟ سو تم انتظار کرو۔ اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔ (۵۲)

تشریح الالفاظ

۱۔ سماعون۔ یہ سماع کی جمع ہے اور وہ سماع سے اسم مبالغہ ہے جس کے معنی بہت سننے والا اور جاسوس کے ہیں۔ ۲۔ لا تفتنی۔ کے معنی ہیں مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں۔ ۳۔ تربصون۔ تربص کے معنی انتظار کرنے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۳۵۔ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ... الآیة۔

منافقین کی بعض سابقہ کارستانیوں کا تذکرہ

اس آیت میں منافقین کے بعض خاص واقعات اور ان کی مخصوص کارستانیوں کی طرف اشارہ معلوم ہوتا

ہے چنانچہ جنگ احد اور حنین میں ان کی فتنہ سامانیاں اظہر من الشمس ہیں چنانچہ جنگ احد میں عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ پہلے لشکر اسلام میں شامل ہوا۔ اور عین وسط راہ میں اس لئے اپنے ساتھیوں سمیت الگ ہو کر واپس مدینہ چلا گیا تاکہ مسلمان مجاہدین کے حوصلے بھی پست ہو جائیں۔ اور وہ بھی ان کی طرح بزدلی کا مظاہرہ کریں۔ اور جنگ حنین میں ابوسفیان اپنے دو ہزار ساتھیوں (طلقاء۔ فتح مکہ کے آزاد کردہ لوگوں) کے ساتھ شریک ہوا۔ اور عین حالت جنگ میں راہ فرار اختیار کی جس سے اکثر مسلمان مجاہدین میں بھی بھگدڑ مچ گئی اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یہ لوگ چاہتے تو یہ تھے کہ اسلامی معاملات کو درہم برہم کریں اور آنحضرت کی انقلابی دعوت اسلام کو ناکام بنائیں مگر قادر مطلق نے ان کے مذموم عزائم کے برعکس اسلام کا بول ہمیشہ کے لئے بالا کر دیا۔ اور باطل کا منہ ہمیشہ کے لئے کالا کر دیا۔ حق آ گیا اور چھا گیا۔ اور اللہ کا حکم غالب آ گیا۔ درانحالیکہ منافقین اسے ناپسند کرتے تھے۔

۳۶۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ... الآية۔

ایک بڑے منافق کی حیلہ سازی کا تذکرہ

مفسرین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ تبوک کے لئے جانے کا حکم دیا تو منافقین کے ایک سرغنہ جد بن قیس نامی شخص نے جہاد کے لئے نہ جانے کا ایک عجیب اور انوکھا بہانہ تراشا۔ کہنے لگا یا رسول اللہ! میری قوم میری اس کمزوری سے واقف ہے کہ میں ایک حسن پرست شخص ہوں اور سنا ہے کہ روم کی عورتیں بڑی حسین و جمیل ہیں تو مجھے اندیشہ ہے کہ ان کو دیکھ کر میں کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ اس لئے مجھے شرکت سے معذور رکھیں جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تقدس کا یہ جھوٹا دعویدار کتنا بڑا احمق ہے کہ ایک وہمی فتنہ سے بچنے کا بہانہ بنا رہا ہے اور یقینی فتنہ یعنی مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مبتلا ہو گیا ہے اور بعض مفسرین نے اس فتنہ سے مراد یہ لیا ہے کہ اس نے جہاد میں شامل نہ ہونے کا یہ بہانہ تراشا تھا کہ یا رسول اللہ! میرے ذاتی حالات کچھ اس قسم کے ہیں کہ میں کسی صورت میں بھی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مجھے آپ اس کا حکم ہی نہ دیں تاکہ میں تعمیل نہ کرنے کے فتنہ سے بچ جاؤں۔ اور اس نادان کو اتنی سادہ سی بات کی سمجھ نہ آئی کہ وہ جہاد سے کنی کترانے کے کتنے بڑے فتنہ میں مبتلا ہو گیا ہے۔ (بتیان وغیرہ)

۳۷۔ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ ... الآية۔

اس آیت کی تفسیر دوسری جلد اور سورۃ آل عمران کی آیت ۱۲۰ ان **تمسسكم حسنة تسئو هم** الایة کی تفسیر میں گذر چکی ہے جو بالکل اسی آیت جیسی ہے۔ لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اعادہ اور تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۸۔ قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ۔ الایۃ۔

مومن کا بھروسہ اسباب کی بجائے مسبب الاسباب پر ہوتا ہے

منافقوں کا چونکہ وتیرہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو فتح و فیروزی اور کامیابی حاصل ہوتی تھی تو ان کو ناگوار گزرتی تھی اور جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی یا جنگ میں شکست ہوتی تو وہ خوش ہوتے تھے اور کہتے کہ ہم نے کفار سے ساز باز کرکے جہاد میں شرکت نہ کرکے اپنا کام پہلے ہی درست کرلیا تھا۔ (قد اخذنا امرنا من قبل) اس لئے خداوند عالم ان کے جواب میں فرمارہا ہے کہ اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دیجئے۔ جو صرف مادی اسباب وآلات ہی کو اور اپنی دور اندیشی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں کہ ہمارا بھروسہ اس ذات پر ہے جو ان اسباب کو اسباب بنانے والا ہے۔ وہی ہمارا مولا و ولی اور سرپرست ہے اور ہمیں وہی رنج وغم یا راحت وآرام پہنچتا ہے جو اس نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے لہٰذا بے شک حتی المقدور اسباب وآلات کو جمع کرنا چاہئے اور کامیابی کے لئے امکان کی حد تک کدوکاوش بھی کرنی چاہئے مگر نتیجہ اسی ذات جامع جمیع صفات کے حوالہ کرنا چاہیے جو مسبب الاسباب ہے لہٰذا اس سلسلہ میں افراط وتفریط نہیں ہونی چاہیے نہ ایسا ہونا چاہیے کہ تقدیر وتوکل کا انکار کرکے اسباب ہی کو خدا سمجھ لیا جائے جیسا کہ نیچری حضرات کا طریقہ کار ہے اور نہ ایسا کرنا چاہیے کہ تقدیر وتوکل کا بہانہ بناکر اسباب وآلات کو بالکل نظر انداز کردیا جائے بلکہ اسباب کو اسباب اور مسبب الاسباب کو مسبب الاسباب سمجھنا چاہیے اسی لئے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اعقل ثم توکل۔ اونٹ کا گھٹنہ باندھ اور پھر خدا پر توکل کر۔ یعنی ؎

گفت پیغمبر بآواز بلند
بر توکل زانوے اشتر ببند

الغرض ہم مسلمانوں نے مدبرانہ طریقہ کار اختیار کررکھا ہے۔ جہاد کی مکمل تیاری کرکے دشمنان حق سے برسرپیکار ہیں لہٰذا کامیابی حاصل ہوئی تو یہ اللہ کا فضل وکرم ہوگا اور اگر بظاہر ناکامی ہوئی تو یہ اللہ کی قضا وقدر ہوگی ہمارا بھروسہ بہرحال خدا پر ہے جو ہمارا مالک ہے وکارساز ہے۔

۳۹۔ قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ۔ الایۃ۔

کس احسن انداز میں ایک مومن کی ذہنیت اور مومن وکافر کے مومنانہ اور کافرانہ کام واقدام کے انجام پر روشنی ڈالی گئی ہے؟ کچھ منافقین جنگ تبوک میں اپنی قسمت کو مسلمانوں سے وابستہ کرنے کے لئے مسلمانوں کی ظاہری فتح وشکست کا انتظار کررہے تھے ان کے متعلق ارشاد قدرت ہورہا ہے کہ ان سے کہو تم ہمارے بارے میں کس بات کا انتظار کررہے ہو؟ جنگ کا انجام یا فتح ہوتا ہے یا شکست۔ اور زندگی کا انجام بھی یا زندگی ہوتی ہے یا

موت۔ ہمارے لئے یہ دونوں چیزیں بھلائی ہیں فتح حاصل ہوئی اور مومن زندہ بچ گیا تو غازی کہلائے گا اور موت و شکست کی صورت میں شہید راہ خدا کہلائے گا بہر حال اس کا انجام بخیر ہے اور وہ بہر صورت کامیاب و کامران ہے اور ہم تمہارے بارے میں دو باتوں میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہیں فتح یا شکست اور زندگی یا موت اگر فتح پا کر زندہ رہے تو بھی تمہیں کسی سماوی یا ارضی حادثہ کا شکار تو بننا پڑے گا۔ اور اگر شکست کھا کر مر گئے تو عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کے رہو گے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تمہیں عذاب کا مزہ ضرور چکھا دے گا خواہ ہمارے ہاتھوں سے چکھائے یا اپنے پاس سے چکھائے۔ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں تم بچشم خود دیکھ لینا کہ انجام کار اہل حق کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے اس کے لئے برائی کا کوئی امکان نہیں ہے اور اہل باطل کے لئے برائی ہی برائی ہے اس کیلئے کسی بھلائی کا کوئی امکان نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ ع

کام وہ اچھا ہے جس کا کہ انجام اچھا ہے

آیت القرآن

قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ‌ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ‏ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمۡ كُسَالٰى وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ‏ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ‌ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ‏ ﴿۵۵﴾ وَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡؕ وَمَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلٰـكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ‏ ﴿۵۶﴾

ترجمۃ الآیات

کہہ دیجئے! کہ تم خوشی سے (اپنا مال) خرچ کرو یا ناخوشی سے۔ بہر حال وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تم فاسق (نا فرمان) لوگ ہو (وانما یتقبل اللہ من

المتقین)(۵۳)اوران کی خیرات کے قبول کئے جانے میں اس کے سوااور کوئی امر مانع نہیں ہے کہ انہوں نے خدااور رسول کے ساتھ کفر کیا ہے(ان کا انکار کیا ہے)اور نماز کی طرف نہیں آتے مگر کاہلی اور سستی سے اور خیرات نہیں کرتے مگر بادل ناخواستہ(۵۴)سو ان کے مال واولاد تمہیں حیرت وتعجب میں نہ ڈالیں۔(اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ)ان کو انہی چیزوں کے ذریعہ سے دنیاوی زندگی میں سزا دے اوران کی جانیں ایسی حالت میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔(۵۵)اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ(تم سے)خوفزدہ ہیں(۵۶)

تشریح الالفاظ

۱۔ کسالی یہ کسل اور کسلان کی جمع ہے جس کے معنی ہیں سست ہونا اور جس کام میں سستی نہیں کرنی چاہیے اس میں سستی کرنا۔

۲۔و تزھق۔ زھق کے معنی مٹنے اور روح کے جسم سے نکلنے کے ہیں۔

۳۔یفرقون۔ یہ فرق را کے کسرہ سے ہے جس کے معنی ڈرنے اور گھبرانے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۴۰۔قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا ...الآية۔

اس آیت کی شان نزول

بعض منافقین نے اور کہا جاتا ہے کہ یہ وہی جد بن قیس تھا جس کا ابھی اوپر آیت ۴۹ میں ذکر آچکا ہے۔ کچھ مال بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیا اور عرض کیا کہ میں خود تو اس جنگ میں شامل نہیں ہوسکتا مگر یہ تھوڑا سا چندہ حاضر ہے اسے جنگ کی مد میں قبول فرمالیجئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم لوگ خوشی سے مال خرچ کرو یا نا خوشی سے تمہاری یہ خیرات قبول نہیں ہے کیونکہ تم فاسق وفاجر ہوو انما یتقبل اللہ من المتقین۔ اور اللہ صرف متقیوں کے عمل کو قبول کرتا ہے۔ اور فاسق متقی کی ضد ہے۔

۴۱۔ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ ...الآية۔

ان لوگوں کی مالی قربانی قبول نہ کئے جانے کی وجہ؟

قبل ازیں متعدد مقامات پر اور بالخصوص سورہ انفال کی آیت ۷۲ ان الذین ھاجرو او جاھدو الآیۃ کی تفسیر میں بڑی تفصیل سے یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ عامل مرد ہو یا عورت اس کے کسی بھی عمل وعبادت کی قبولیت کی شرط اعظم ایمان ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ ومن یعمل من الصالحات وھو مومن۔ (طہ۔۔۔۔۔ ۷۲) اور منافقین میں یہی گوہر گرانمایہ مفقود ہے۔ یعنی وہ نعمت ایمان سے محروم ہیں لہٰذا ان کا کوئی عمل بشمول صدقہ وخیرات قابل قبول نہیں ہے لیکن یہ لوگ منافق ہیں کھلم کھلا کافر تو نہیں ہیں لہٰذا ان کے بے ایمان ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ دلی شوق وذوق کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے بلکہ وہ لشتم پشتم کسمساتے ہوئے نماز کی طرف آتے ہیں اور دوسرا ثبوت یہ ہے کہ وہ راہ خدا میں صدقہ وخیرات بھی رغبت وشوق نہیں کرتے بلکہ بادل ناخواستہ محض دکھاوے کی خاطر کرتے ہیں تاکہ یہ کہا جائے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں مال خرچ کیا ہے حالانکہ ان کا اللہ پر ایمان ہی نہیں ہے اور اگر یہ محض انسانیت کی خدمت کی خالص نیت سے خرچ کرتے تو شاید کفر کے باوجود قبول ہو جاتا مگر یہاں تو نفاق اور ریاکاری کے سوا کچھ موجود ہی نہیں ہے۔

۴۲۔ فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ ...الآیۃ۔

مال واولاد کی کثرت بھی استدراج کی ایک قسم ہے

ہم تفسیر کی دوسری جلد میں سورہ آل عمران کی آیت ۱۷۸ ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لا نفسھم۔ کی تفسیر میں تفصیل جمیل کے ساتھ ثابت کر آئے ہیں کہ مال ودولت اور اولاد وجائداد کی فراوانی ہمیشہ محبوب خدا ہونے کی علامت ونشانی نہیں ہوتی بلکہ یہ استدراج وامہال اس لئے ہوتا ہے کہ بندہ دل کھول کر گناہ وعصیان کر لے اور گناہ کرنے کی اپنی ہر حسرت پوری کر لے تاکہ اسے فردائے قیامت خدا کے حضور یہ نہ کہنا پڑے۔

نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

مذکورہ بالا مقام کی طرف رجوع کیا جائے اسی لئے خدائے علیم وحکیم یہاں فرما رہا ہے کہ فلا تعجبک الا یہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار ومشرکین ہوں یا منافقین ان کے مال واولاد ان کے لیے نعمت نہیں ہوتے بلکہ عذاب خدا ہوتے ہیں جن سے ان کے گناہوں اور عصیان میں اور اضافہ وازدیاد ہوتا ہے اور آخر کار وہ اس

حالت میں دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں کہ پوری طرح سے جہنم کے مستحق ہوچکے ہوتے ہیں اور دنیا کے ساتھ ساتھ اپنی آخرت بھی خراب و برباد کر چکے ہوتے ہیں۔

۴۳۔ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللهِ ... الآيَة۔

زیادہ تر جھوٹے اور فریبی آدمی قسمیں کھاتے ہیں

اس آیت سے بھی اور دیگر بہت سے شواہد سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ تر وہی لوگ قسمیں کھاتے ہیں جو جھوٹے اور فریبی ہوتے ہیں ان کو اپنے دل کا کھوٹ جھوٹی قسمیں کھانے پر آمادہ کرتا ہے تاکہ وہ اپنے جھوٹ کو سچ کے لباس میں پیش کرسکیں۔ اور جو لوگ کھرے اور سچے ہوتے ہیں وہ بغیر کوئی قسم کھائے صاف کہہ دیتے ہیں کہ ع

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

اور اگر ذرا اور گہرائی میں جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صداقت، یقین اور ایمان ہی وہ اندرونی طاقت ہے جو آدمی کو چٹان کی طرح اپنے مسلک اور نظریہ پر قائم رکھتی ہے اور اگر آدمی کے اندر یہ روحانی قوت نہ ہو تو مصلحت کا شکار ہو کر ہر وقت گرگٹ کی طرح ہوا کا رخ دیکھ کر اپنا رخ بدلتا رہتا ہے اور ہر چڑھتے سورج کی پرستش کرنا اپنی کامیابی کی کلید جانتا ہے اس طرح وہ چٹان کی بجائے ایک ایسا گیا ضعیف یا بے قدر و قیمت تنکا بن جاتا ہے جسے ہوا کے تھپیڑے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر اڑا کر لے جاتے ہیں بلاتشبیہ منافقین کی یہی کیفیت تھی وہ دل سے مسلمان تو نہیں تھے اور حالات کی ستم ظریفی نے انہیں اسلامی حکومت کی آغوش میں پناہ لینے پر مجبور کردیا تھا اس لئے اسلام ان کے لئے گلے کی ہڈی بنا ہوا تھا جسے وہ نہ نگل سکتے تھے اور نہ اگل سکتے تھے یعنی نہ کھل کر اس کی مخالفت کرسکتے تھے اور نہ ہی دل سے اس کی حمایت کرسکتے تھے اس لئے وہ ایک بے ضمیر، جھوٹے اور فریبی آدمی کی طرح قسمیں کھا کر مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ وہ بھی امت مسلمہ کے افراد ہیں۔ خداوند عالم ان کے اس کھوکھلے دعویٰ کے جواب میں فرما رہا ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے، فریب ہے، اور ابن الوقتی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر آج ان کو اسلام کے علاوہ کوئی پناہ گاہ، کوئی غار یا کوئی داخل ہونے کی جگہ مل جائے تو وہ منہ زور حیوان کی طرح رسیاں توڑاتے ہوئے ادھر کا رخ کرتے ہیں۔ ولکنھم قوم یفرقون۔ یہ ڈرپوک لوگ ہیں جو کھل کر اپنا اظہار مافی الضمیر۔ بیان کرنے کی جرات نہیں رکھتے۔ اس لئے جھوٹی قسمیں کھا کر وقت گزارتے ہیں۔

آیات القرآن

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ۝۵۷ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ۝۵۸ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۝۵۹ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝۶۰

ترجمۃ الآیات

اگر وہ کوئی جائے پناہ پالیں یا کوئی غار گھس بیٹھنے کی کوئی جگہ تو فوراً ادھر کا رخ کریں منہ زوری کرتے ہوئے (اور رسیاں تڑاتے ہوئے) (۵۷) اور (اے نبی) ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں آپ پر عیب لگاتے ہیں۔ پھر اگر اس سے کچھ (معقول مقدار) انہیں دے دی جائے تو راضی ہوجاتے ہیں اور اگر کچھ نہ دیا جائے تو وہ ایک دم ناراض ہوجاتے ہیں (۵۸) اور (کیا اچھا ہوتا ہے) اگر وہ اس پر راضی رہتے جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیا تھا اور کہتے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ وہ عنقریب ہمیں اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول بھی۔ ہم تو بس اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ (۵۹) صدقات (مال زکوٰۃ) تو اور کسی کے لئے نہیں صرف فقیروں کے لئے ہے مسکینوں کیلئے ہے اور ان کارکنوں کے لئے ہے جو اس کی وصولی کے لئے مقرر ہیں۔ اور ان کے لئے ہے جن کی (دلجوئی) مطلوب ہے۔ نیز (غلاموں اور کنیزوں کی) گردنیں (چھڑانے) کے لئے ہے اور مقروضوں (کا قرضہ ادا کرنے) کے لئے ہے اور اللہ کی راہ میں

خرچ کرنے کے لئے ہے اور مسافروں (کی مدد) کے لئے ہے یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے (۶۰)

تشریح الالفاظ

۱۔ملجأ کے معنی ہیں جائے پناہ، مغارت کے معنی ہیں کوئی غار۔ مدخلا کا مفہوم ہے۔کوئی گھسنے کی جگہ۔

۲۔یجمحون۔ یہ جمح اور جموح سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں گھوڑے کا منہ زوری کرنا، نافرمان ہونے اور عورت کا اپنے خاوند کو چھوڑ جانا۔

۳۔یلمزك۔ یہ لمز سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں عیب لگانا اور آنکھ سے اشارہ کرنا

تفسیر الآیات

۴۴۔وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ... الآية

اس آیت کی شان نزول

فاضل طبری اپنی تفسیر (ابن جریر) میں جناب ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت رسول خداؐ صدقات تقسیم فرما رہے تھے کہ اچانک ذی الخولصیرہ تمیمی کا فرزند حاضر ہوا اور گستاخانہ لہجہ میں کہا: اعدل یارسول اللہ! یارسول اللہ! انصاف کریں۔آنحضرتؐ نے صرف اتنا فرمایا وائے ہو تجھ پر اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟

جناب عمر بولے یارسول اللہ! اجازت ہو تو میں اس کی گردن توڑ دوں؟ فرمایا: نہیں اسے چھوڑ دو اس کے کچھ اور ساتھی بھی ہیں (اور اتنے عبادت گذار ہیں کہ) تمہارا ہر شخص ان کے مقابلہ میں اپنی نماز اور روزہ کو حقیر سمجھتا ہے۔ یہ مارقین ہیں جو دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے بعد ازاں ان کے کچھ مزید حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا ان کا سردار ایک سیاہ فام شخص ہوگا جس کی ایک چھاتی عورت کی چھاتی کی طرح ہوگی۔ وہ لوگوں کے افتراق کے وقت خروج کرینگے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں۔کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آنحضرت کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا تھا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جب حضرت علیؑ نے ان لوگوں سے جنگ نہروان لڑی اور ان کو قتل کیا۔تو میں نے مقتولین میں اس شخص

کو بھی دیکھا تھا جس کا تذکرہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ (ایضاً ابن جریر، درمنثور ج ۳ ص ۲۵۰ طبع مصر، کذا رواہ النسائی وابن منذر، وابن ابی حاتم وابوالشیخ وابن مردویہ وغیرہم)

ہر دور میں ہر قسم اور ہر قماش کے لوگ پائے جاتے ہیں

آج پندرھویں صدی ہے (۱۴۲۲ھ) چودھویں صدی بڑی بدنام تھی مگر جب پندرھویں آئی ہے تو لوگ چودھویں کو بھی بھول گئے ہیں۔ بہرحال چودھویں والے کہتے تھے کہ تیرھویں اچھی تھی تیرھویں والے اپنی صدی کی شکایت کرتے اور کہتے تھے کہ بارھویں صدی اچھی تھی و علی ھذا القیاس جب پیغمبر اسلام والی صدی تک نوبت پہنچتی ہے تو سب مسلمان یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ بموجب خیر القرون قرنی۔ وہ صدی بڑی اچھی تھی اور وہ لوگ بڑے اچھے تھے۔ لیکن اگر بے لاگ نگاہوں سے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو اس دور میں بھی ہر قسم اور قماش کے لوگ مل جاتے ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدقات تقسیم کرتے ہیں تو آپ کی عدالت پر اعتراض کرنے والے بھی مل جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں اور کوئی تاجر فروختی مال کا اعلان کر دیتا ہے یا کوئی مداری کھیل تماشہ دکھانے کے لئے ڈگڈگی بجاتا ہے تو لوگ خطبہ چھوڑ کر اور نمازیں توڑ کا ادھر چلے جاتے ہیں اور باقی کل بارہ آدمی رہ جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اند کے غم دل با تو گفتم و بدل تر سیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اس قرآنی واقعہ کو پڑھنے کے بعد میں اکثر یہ سوچا کرتا ہوں کہ اس دور کے ان مسلمانوں میں اور آج کے دور کے مجلس خوانوں، مکہ مدینہ کے معلموں اور عراق و ایران کے خداموں میں فرق ہی کیا ہے؟

سچ ہے

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

ارشاد قدرت ہے۔ ولو انھم رضوا۔ الآیۃ

اگر وہ خدا اور رسول کی عادلانہ تقسیم پر راضی ہو جاتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ مخفی نہ رہے ''عطا'' و ''اغنا'' کی نسبت خدا کی طرف حقیقی اور رسول کی طرف مجازی ہے وھو اوضح من ان یخفی۔

۴۵۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآ ... الآیۃ

زکوۃ کے مستحقین کے مختلف اقسام کا بیان؟

فقہاء اسلام نے زکوۃ کے وجوب، اس کی معاشی افادیت و اہمیت اس کے احکام اور اعیان کہ کن چیزوں پر زکوۃ واجب ہے اور کتنی مقدار میں واجب ہے؟ اور پھر کہاں کہاں صرف کرنی ہے اور کن کن لوگوں کو دینی ہے۔ اپنی فقہی کتابوں میں بڑی مفصل اور مکمل بحثیں کیں ہیں اور ہم نے بھی بقدر ضرورت ان امور کی تفصیلات اپنی فقہی کتاب قوانین الشریعہ میں بیان کردی ہیں۔ شائقین تفصیل اس کی طرف رجوع فرمائیں یہاں دیگر تمام باتوں کو چھوڑ کر صرف زکوۃ کے مستحقین اوران کے اقسام کا بڑے اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے سو مخفی نہ رہے کہ زکوۃ کے مستحقین کی آٹھ اقسام ہیں جیسا کہ زیر قلم آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے ذیل میں ان کی مختصر تشریح کی جاتی ہے

۱۔ ۲۔ فقراء و مساکین: قطع نظر اس باریک فرق سے جو ان دونوں لفظوں میں پایا جاتا ہے ان میں جو چیز قدر مشترک ہے وہ یہ ہے کہ یہ دونوں اپنی اور اپنے **واجب النفقه** افراد کی بالفعل یا **بالقوه قوت لا یموت** نہیں رکھتے۔ الغرض جو سال بھر کے اخراجات نہیں رکھتے اس گروہ میں لولے، لنگڑے، اندھے، بوڑھے، کوڑھی، یتیم بیوگان اور ہر قسم کے غریب اور نادار لوگ داخل ہیں۔

۳۔ عاملین۔ یعنی وہ لوگ جن کو نبی و امام زکوۃ کی وصولی یا اس مال کی حفاظت کرنے اور اس کا حساب کتاب رکھنے کے لئے مقرر کریں۔ یہ لوگ اگرچہ فقیر و مسکین نہ ہوں تاہم یہ زکوۃ کی مد سے مشاہرہ لے سکتے ہیں۔

۴۔ **مؤلفه القلوب**۔ مخفی نہ رہے کہ زکوۃ کے تمام مستحقین میں نہ صرف اسلام بلکہ ایمان شرط ہے۔ البتہ مؤلفتہ القلوب میں یہ شرط نہیں ہے بناء بر مشہور اس سے وہ غیر مسلم اور خام کار نومسلم مراد ہیں جنکی امداد و اعانت کر کے ان کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا اور بالآخر ایک راسخ العقیدہ مسلمان بنانا مطلوب ہوتا ہے۔ اس جماعت میں بھی فقر و فاقہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔

۵۔ **وفی الرقاب**۔ یعنی بند اسیری سے لوگوں کو آزاد کرانا۔ اور اس کی چند صورتیں ہیں۔ ۱۔ مکاتب غلام کو آزاد کرانا جبکہ وہ معاہدہ کی رقم ادا کرنے سے قاصر ہو۔ ۲۔ غلام خرید کر آزاد کرنا۔ ۳۔ جن لوگوں پر مختلف کفاروں میں غلام آزاد کرنا واجب ہو۔ مگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ زکوۃ کی مد سے ان کی اعانت کرنا۔

۶۔ **والغارمین**۔ یعنی جن لوگوں نے جائز ضروریاتِ زندگی کے لئے قرضہ لیا ہو اور اب اس کی ادائیگی سے یا بالکل عاجز ہوں۔ یا ان کے لئے ادائیگی بہت مشکل ہو۔ تو زکوۃ کی مد سے ان کی اعانت کرتے ہوئے ان کا قرضہ ادا کرنا۔

۷۔وفی سبیل اللہ۔یعنی راہِ خدا میں مال خرچ کرنا۔راہِ خدا کی لفظ کا مفہوم بہت وسیع ہے جس میں جہاد اوراس کے ساز وسامان کے علاوہ وہ تمام نیکی کے کام داخل ہیں جن سے خدا کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔جیسے سفرِ حج وزیارات کے لئے اعانت کرنا،مساجد ومعابد بنوانا،مدارس دینیہ قائم کرنا،طلبہ علوم دینیہ کی ہر قسم کی امداد کرنا اور رفاہ عامہ کے کام کرنا مثلاً مسافروں کی سہولت کے لئے کنواں کھدوانا،نلکا لگوانا،اور غریب مریضوں کے علاج معالجہ کے لئے ہسپتال بنوانا وغیرہ وغیرہ۔

۸۔وابن السبیل۔یعنی ان مسافروں پر زکوٰۃ کی مد سے خرچ کرنا جو سفر کی حالت میں کسی وجہ سے محتاج ہو جائیں اگرچہ وہ اپنے وطن اور گھر میں مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔شریعتِ مقدسہ اسلامیہ نے مسافر کی اس مجبوری کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ اس کے لئے زکوٰۃ کا ایک حصہ مخصوص کر دیا ہے تا کہ جن لوگوں کا زادِ سفر ختم ہو جائے۔ وہ عزت وآبرو کے ساتھ اپنے وطن مالوف پہنچ سکیں

ایضاح

زکوٰۃ کے یہ جو ہشتگانہ مصارف بیان کئے گئے ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زکوٰۃ ضرور ہی ان تمام مدات میں صرف کی جائے یا سب کو برابر دی جائے بلکہ اس کا صاف اور سادہ سا مطلب یہ ہے کہ ان ہشتگانہ مصارف کے علاوہ کسی اور مصرف میں صرف نہ کی جائے۔لہٰذا مستحقین کے حصص میں بھی حسبِ ضرورت کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔اور صرف کسی ایک مد میں بھی صرف کی جا سکتی ہے۔واللہ العالم

آیات القرآن

وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ‌ ؕ قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّـكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۶۱﴾ يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَـكُمۡ لِيُرۡضُوۡكُمۡ‌ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّهٗ مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيۡهَا‌ ؕ ذٰ لِكَ الۡخِزۡىُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۶۳﴾ يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ

سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمۃ الآیات

اوران میں کچھ ایسے بھی ہیں جو نبی کواذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو بس کان ہیں (یعنی کان کے کچے ہیں) کہہ دیجئے! وہ تمہارے لئے بہتری کا کان ہیں (ان کے ایسا ہونے میں تمہارا ہی بھلا ہے) جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان پر اعتماد کرتے ہیں اور جو تم میں سے ایمان لائے ہیں ان کے لئے سراپا رحمت ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے (۶۱) وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کو راضی کریں۔ اگر وہ ایمان لائے ہیں (۶۲) کیا انہیں (یہ بات) معلوم نہیں ہے کہ جو شخص خدا اور رسول کی مخالفت کرے گا۔ اس کے لئے آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ (۶۲) منافق لوگ ڈرتے رہتے ہیں کہ مبادا ان کے بارے میں کوئی ایسی سورہ نہ نازل ہو جائے جو انہیں بتلا دے جو کچھ ان کے دلوں میں (چھپا ہوا) ہے آپ کہہ دیجئے! کہ تم مذاق اڑاؤ۔ یقینا (اب) اللہ اس بات کا ظاہر کرنے والا ہے جس کے شکار ہونے سے تم لوگ ڈرتے ہو۔ (تمھارے نفاق کا پردہ پاک ہونے والا ہے)۔ (۶۴) (اے رسولؐ) اگر آپ ان سے پوچھ گچھ کریں تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف بحث کر رہے تھے اور تفریح طبعی کر رہے تھے۔ اے۔ کیا تم اللہ، اس کے رسول اور اس کی آیات سے تمسخر کرتے ہو؟ (۶۵)

تشریح الالفاظ

ا۔ اُذُن۔ اذن کے معنی کان کے ہیں اور جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص اذن ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا

ہے کہ وہ ہر شخص کی بات کو مان لیتا ہے اور باور کر لیتا ہے۔ ۲۔من یحاد اللہ۔ اس کے معنی ہیں دشمنی رکھنا اور غضبناک ہونا۔ ۳۔یحذر۔ حذر کے معنی ڈرنا، بچنا اور چوکنا رہنا۔

تفسیر الآیات

۴۶۔ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ ... الآية

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے والوں کا انجام؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ خلق عظیم کے مالک تھے۔ اور آپ کے اخلاق عالیہ میں سے ایک خلق یہ بھی تھا کہ آپ ہر شخص کی بات سن لیتے تھے۔ اور اس پر خاموش بھی رہتے تھے۔ جس سے ظاہر بین یہ خیال کرتے تھے کہ آپ نے وہ بات باور کر لی ہے۔ جس کی بناء پر منافقین کہتے تھے کہ آپ تو بس کان ہیں یعنی کانوں کے کچے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی مجالس و محافل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بکواس بازی کرتے رہتے تھے اور اگر کوئی کہتا کہ اگر تمہاری ان باتوں کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوگئی تو پھر کیا ہوگا؟ تو وہ کہتے کہ اس کی پروا نہ کرو۔ اگر ایسا ہوا تو ہم جا کر حلفیہ بیان دے دینگے کہ ہم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے۔ تو آپ باور کر لینگے اسے کہتے ہیں ہنر است سعدی و بچشم عداوت خار۔ جو آپ کا ہنر و کمال تھا وہ دشمنوں کی نگاہ میں عیب بن گیا۔ سچ ہے،

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است

خداوند عالم ان کے جواب میں یہی فرما رہا ہے۔ کہ حبیب کبریا کا ایسا ہونا ہی تمہارے لئے بہتر ہے کہ وہ درگذر کرتے ہیں ورنہ اگر وہ ہر ہر معاملہ کی چھان بین کرتے اور پھر مجرم کو قرار واقعی سزا بھی دیتے تو پھر تمہارے نفاق کا پردہ چاک ہو جاتا اور تمہارا بیڑا غرق ہو جاتا لہٰذا اگر وہ آپ لوگوں کی باتیں سن کر خاموش ہو جاتے ہیں تو ان کی طبعی شرافت نفسی اور کریم طبعی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ تمہاری سچائی کے قائل ہو گئے ہیں۔ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور اہل ایمان کی بات کو باور کر لیتے ہیں اور اہل ایمان کے لئے سراپا رحمت ہیں۔ بہر حال جو لوگ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ لہٰذا جو بدقسمت اپنی تقریر میں یا تحریر میں بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی بھی طرح آپ کی تحقیر و تنقیص کر کے آپ کو ایذا پہنچائیگا۔ وہ خدا کے عظیم و الیم عذاب کا مستحق قرار پائیگا۔

۴۷۔ يَحْلِفُوْنَ بِاللهِ لَكُمْ ... الآية۔

منافقوں کی حالت زار کا تذکرہ۔

مدینہ کے منافقین اپنی نجی محفلوں میں اسلامی شخصیات کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ مگر جب ان مسلمانوں کے سامنے آتے تو ان سے ڈر کر اور قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلاتے کہ وہ اسلام کے اور ان کے وفادار ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ احمق قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ خدا اور رسول کو خوش کرنے کی کوشش و کاوش کرتے اس سے منافقین کے کردار کی اصلیت اشکار ہوتی ہے۔ کہ ان کی ساری دینداری اور کارگذاری انسان سے ڈر کی وجہ سے ہوتی ہے خدا کے خوف و ڈر سے نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان پر جہاں انسانی دباؤ اور اندیشہ نہ ہو بلکہ جہاں صرف خوف خدا ہو۔ تو وہاں وہ دوسرے انسان بن جاتے ہیں۔ جن میں نہ دین و دیانت کا نام ہوتا ہے۔ اور نہ اخلاق و شرافت کا کوئی نشان ہوتا ہے۔

۴۸۔ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡٓا ۔۔۔ الآیۃ۔

اس قدر تلقین و تعلیم کے باوجود وہ اتنی سی سادہ بات بھی نہیں سمجھ سکے کہ جو شخص خدا اور رسول کی مخالفت کرے گا۔ جیسا کہ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ ابدی جہنم میں رہے گا۔ اور یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

۴۹۔ يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡن ... الآیۃ۔

منافقین کے خوف و بیم اور دوغلی رفتار کا تذکرہ

غزوہ تبوک کے موقع پر مدینہ میں یہ فضا تھی کہ جو لوگ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے وہ ارباب عزیمت شمار ہو رہے تھے اور جو لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے وہ منافق اور پست ہمت سمجھے جاتے تھے چنانچہ بیٹھے رہنے والے منافقوں نے رسول اور اصحاب رسول کے عمل و کردار کو کمتر و کہتر ظاہر کرنے کے لئے ان کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ کسی نے کہا یہ قرآن پڑھنے والے تو ہمیں سب سے زیادہ بھوکے اور سب سے زیادہ جھوٹے نظر آتے ہیں۔ کسی نے کہا بھلا رومیوں سے لڑنا ویسا ہی ہے جیسا عربوں کا آپس میں لڑنا بخدا مجھے تو یہ سب رسیوں میں بندھے ہوئے نظر آئینگے۔ کسی نے کہا یہ صاحب سمجھتے ہیں کہ وہ روم کے محل اور ان کے قلعے فتح کرنے جا رہے ہیں۔ ان کی حالت پر افسوس ہے۔" (تذکیر القرآن بحوالہ تفسیر ابن کثیر) اگرچہ ان لوگوں کا پیغمبر اسلام کی رسالت پر پختہ ایمان تو نہیں تھا۔ مگر سابقہ تلخ تجربات کی بناء پر ان کو قریب بیقین ظن غالب تھا کہ آپ کے پاس کوئی فوق الفطرت معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ضرور ہے۔ اس لئے ان کو کھٹکا سا لگا رہتا تھا کہ کہیں ان کے نفاق کا جامہ چاک نہ کر دیا جائے چنانچہ جب آنحضرتؐ کو ان لوگوں کی ان چہ میگوئیوں کی اطلاع ہوئی تو آپؐ

نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔

۵۰۔ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ ... الآیۃ۔

اس آیت میں اسی سابقہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ اگر آپ ان سے حقیقتِ حال دریافت کریں تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف تفریح طبعی اور دل لگی کر رہے تھے۔ ارشاد قدرت ہے **قل ابا للہ وایاتہ ورسولہ تستہزؤون**۔ کیا تم اللہ اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کر رہے تھے؟

خدا اور رسول سے تمسخر کرنے کا انجام

ان عقل کے اندھوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ وہ کس سے استہزاء کر رہے ہیں؟ اللہ سے، اس کی آیات سے اور اس کے رسول سے؟ بھلا ان چیزوں سے بھی استہزاء ہو سکتا ہے؟ چنانچہ فقہاء اسلام نے بالوضاحت لکھا ہے کہ استہزاء کی یہ تینوں قسمیں۔ ۱۔ استہزاء باللہ۔ ۲۔ استہزاء بایات اللہ۔ ۳۔ اور استہزاء برسول اللہ۔ باہم برابر ہیں۔ اور یہ کفر ہے۔ اور یہ استنباط بھی کیا ہے کہ کلمہء کفر خواہ سنجیدگی سے کہا جائے اور خواہ دل لگی اور خوش طبعی سے دونوں کا حکم شرعی (کفر ہونے) میں برابر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے منافقین کا یہ عذر مسترد کر دیا ہے اور کہا **لا تعتذروا** کہ اب بہانے نہ بناؤ

فائدہ

اس سے ہمارے ان ادباء اور شعراء اور ظرفاء کی آنکھیں کھل جانی چاہیں جو اللہ، رسول، ملائکہ حوروں اور ان جیسے دوسرے اسلامی شعائر و مقدسات کے بارے میں گستاخیاں کرتے رہتے ہیں اور ٹوکنے پر ہمیشہ یہی جواب ملتا ہے کہ ہم مذہب پر تعریض نہیں کر رہے ہم تو محض خوش طبعی کر رہے ہیں اور ادبی دلچسپی سے کام لے رہے ہیں۔

منافقین کے ایک سخت اقدام کی پردہ چاکی کا بیان

کتب فریقین میں مذکور ہے کہ جب حضرت رسول خداؐ جنگ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو واپسی پر عقبہ نامی گھاٹی کے پاس بارہ منافقین نے آنحضرتؐ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ جسے خدا نے ناکام بنا دیا۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو جو اپنے چہرے ڈھانپے ہوئے تھے پہچان لیا تھا اور ان کے نام جناب حذیفہ بن الیمان کو بتا دیئے تھے۔ مگر ان کو تاکید کر دی تھی کہ ان ناموں کو صیغہء راز میں رکھا جائے۔ اسی بناء پر جناب حذیفہ کو صاحب السر یعنی آنحضرتؐ کا راز دار کہا جاتا تھا۔ اور ہر چند کہ لوگ آپ سے ان ناموں کی بابت پوچھتے تھے

مگر آپ بتانے سے برابر انکار کردیتے تھے۔ چنانچہ صاحب معارف القرآن ان اللہ مخرج ماتحذرون۔ کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''اس آیت میں خبر دی گئی ہے کہ حق تعالیٰ منافقین کی خفیہ سازشوں اور شرارتوں کو ظاہر فرمادینگے جس کا ایک واقعہ غزوہ تبوک سے واپسی کا ہے جب کہ کچھ منافقین نے آپؐ کے قتل کی سازش کی تھی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو اس سے بذریعہ جبرئیل مطلع کر کے اس راستہ سے ہٹا دیا جہاں یہ منافقین اس کام کے لئے جمع ہوئے تھے۔ (مظہری عن البغوی)'' (معارف القرآن ج ۴ ص ۴۱۶، مجمع البیان، صافی تفسیر کبیر، بحر محیط، المنار، المراغی)۔ وغیرہ۔

آیات القرآن

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ۝۶۶ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝۶۷ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۝۶۸ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝۶۹

ترجمۃ الآیات

اب عذر نہ تراشو! تم نے (اظہار) ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہے۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ سے درگذر بھی کرینگے تو دوسرے گروہ کو تو ضرور سزا دینگے۔ کیونکہ وہ (حقیقی) مجرم ہیں (٦٦) منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں برائی کا حکم دیتے ہیں اور اچھائی سے روکتے ہیں اور (راہ حق پر خرچ کرنے سے) اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں (دراصل) انہوں نے خدا کو بھلا دیا ہے اور خدا نے (گویا) ان کو بھلا دیا ہے (اور انہیں نظر انداز کر دیا ہے) بے شک منافق ہی بڑے فاسق (نافرمان) ہیں (٦٧) اللہ نے منافق مردوں منافق عورتوں اور کافروں سے آتش دوزخ (میں داخل کرنے کا) وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہینگے وہ ان کے لئے کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے (٦٨) (اے منافقو! تمہاری حالت) ان لوگوں جیسی ہے جو تم سے پہلے گزر چکے۔ جو تم سے زیادہ طاقتور تھے اور مال و اولاد بھی تم سے زیادہ رکھتے تھے پس انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا اور تم نے بھی اپنے دنیوی حصہ سے اسی طرح فائدہ اٹھایا۔ جس طرح تم سے پہلے گزرے ہوؤں نے فائدہ اٹھایا تھا اور تم بھی ویسے ہی لغو بحثوں میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت ہوئے اور یہی لوگ ہیں جو گھاٹا اٹھانے والے ہیں (٦٩)

تشریح الالفاظ

۱۔ **و نلعب**۔ لعب کے معنی ہیں بے فائد کام کرنا، کھیلنا اور مزاح کرنا۔ ۲۔ **تستھزؤن استھزاء** کے معنی تمسخر اور مذاق کے ہیں۔ ۳۔ **المنافقون**، منافقت کے معنی ہیں دل میں کفر چھپا کر زبان سے ایمان ظاہر کرنا۔ ۴۔ **عذاب مقیم** سے دائمی عذاب مراد ہے۔

تفسیر الآیات

۵۱۔ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُم ... الآیۃ۔

منافقین کا انجام

ارشاد ہوتا ہے (اے منافقو) عذرخواہی نہ کرو۔ تم اظہار اسلام کے بعد کفر اختیار کر چکے ہو۔ اگر ہم نے ایک گروہ سے درگزر بھی کیا تو دوسرے گروہ کو ضرور سزا دینگے کیونکہ وہ سخت مجرم ہیں۔ بعض سے درگزر کرینگے اور بعض کو سزا دینگے یہ تفریق بلاوجہ نہ ہوگی۔ بلکہ وہ چند آدمی پہلے گروہ والے وہ ہوں گے جنہوں نے صدق دل سے توبہ کی۔ اور جنہیں سزا دی جائے گی وہ ہیں جو آخر تک اپنے نفاق اور مخالفت پر قائم رہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ جنہیں معاف کر دیا گیا وہ ہیں جو توبہ کی وجہ سے گنہگاروں کی صف سے نکل گئے اس سے ظاہر ہے کہ تین آدمیوں کا ذکر جو قرآن میں کیا گیا ہے (وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا) اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ پوری جماعت ہی تین آدمیوں کی تھی بلکہ یہ تین آدمی وہ ہیں جنکی توبہ قبول ہوئی اور ان کے علاوہ وہ کتنے تھے؟ جو اپنے نفاق پر قائم و برقرار رہے؟ ان کی تعداد کہیں قرآن میں مذکور نہیں ہے۔ (فصل الخطاب) مخفی نہ رہے کہ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین نے یہ کلمہ کفر بمقام غدیر خم حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے اعلان کے بعد کہا تھا کہ (ساری زندگی خود ہم پر حکومت کی) اور اب جب اپنا آخری وقت قریب آیا ہے تو چاہتے ہیں کہ علیؑ کو ہم پر حاکم مسلط کر جائیں۔ جناب مقدادؓ نے یہ بات سن کر بارگاہ رسالت میں پہنچائی۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تو انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ ہم نے ایسی کوئی بات نہیں کی (تفسیر صافی)

۵۲۔ اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ ...... الآیۃ۔

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک تھالی کے چٹے بٹے ہیں

قرآن مجید میں پہلی بار منافقین کے ساتھ منافقات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے اور خداوند عالم نے ان کی خصوصیات بد کا ذکر کیا ہے تاکہ وہ ان کی صفات کی بنا پر عام مسلمانوں سے الگ تھلگ ہو جائیں الغرض یہاں اس بات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ منافقین مرد ہوں یا منافق عورتیں سب ہی ایک تھالی کے چٹے بٹے ہیں اور سب کی طبیعت یکساں ہے وہ خود بھی برے کام کرتے ہیں لوگوں کو بھی برے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ایسا کرنے والوں کی اپنے مال ومنال سے حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں اور ان کی مدح سرائی بھی۔ اس کے برعکس نہ خود بھلائی

کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں بلکہ اس سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ وہ یہ نیکی کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں الغرض ان کی ہمدردیاں اور دلچسپیاں دین داروں اور نیکوکاروں کے ساتھ نہیں ہوتیں بلکہ خالص دنیا داروں اور بدکاروں کے ساتھ ہوتی ہیں اور مزید برآں وہ جس قدر سرمایہ دار اور مالدار ہوں مگر کسی کارخیر میں روپیہ خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں آخرت کی مد میں مال خرچ کرنے سے ان کا دل تنگ ہوتا ہے اس لئے ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کرتے ہاں البتہ دنیا کے بے ہودہ مشاغل اور بیہودہ کاموں میں دل کھول کر پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں گویا کہ مال حرام بود و بجائے حرام رفت والا معاملہ ہوتا ہے ان لوگوں نے اپنے عمل و کردار اور غلط طرز عمل اختیار کر کے خدا کو اس طرح بھلا دیا ہے کہ بھول کر بھی اس کی عبادت و اطاعت نہیں کرتے اور نتیجۃً خدا نے بھی گویا ان کو اپنی رحمت و رافت اور نظر کرم و عنایت سے محروم کر کے بھلا دیا ہے اور اپنی توفیق خیر سے انہیں محروم کر دیا ہے اور اس طرح وہ نسیاً منسیاً ہو گئے ہیں کیونکہ توفیق الٰہی انہی لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے۔ جو اس کی راہ میں جدوجہد کرتے ہیں اور اس کو یاد رکھتے ہیں۔ ان المنافقين هم الفاسقون۔ منافق ہی حقیقی، فاسق و نافرمان ہیں۔

۵۳۔ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ... الآية۔

منافقوں کا آخری انجام

اس آیت میں منافقوں کا آخری انجام بیان کیا جا رہا ہے کہ اسلام کے ان غداروں کا وہی انجام ہوگا جو کافروں اور مشرکوں کا ہوگا کہ ان کو ابدی جہنم کے حوالے کر دیا جائے گا ان پر اللہ کی پھٹکار ہوگی اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا۔ ان المنافقين في الدرك الاسفل من النار۔ یعنی آستین کے ان سانپوں کو جہنم کے اس نچلے طبقہ میں رکھا جائے گا۔ جو کافروں اور مشرکوں کے طبقہ سے بھی نیچے ہوگا۔

۵۴۔ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ... الآية۔

علم بدیع کی صنعت التفات کو کام میں لاتے ہوئے منافقین کے غائبانہ ذکر سے یکدم ان سے خطاب شروع کر دیا گیا ہے خلاصہ کلام یہ کہ ان کو خطاب کر کے یہ تہدید کی جا رہی ہے کہ تم مال و اولاد کی کثرت پر مغرور نہ ہو کہ شاید تم محبوب خدا ہو اس عالم آب و گل میں تم سے پہلے بہت سے لوگ گزر چکے ہیں جو قوت طاقت اور مال اور اولاد میں تم سے زیادہ تھے پھر ہوا کیا؟ انہوں نے اپنے دنیوی مقررہ حصہ سے فائدہ اٹھایا جس طرح تم نے اپنے مقررہ حصہ سے فائدہ اٹھایا اور تم بھی انہی مہملات اور کج بحثیوں میں پڑے جس طرح وہ پڑے تھے جس کے نتیجہ میں دنیا و آخرت میں ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ (اور تمہارا انجام بھی انہی جیسا ہوگا) لہٰذا اے زمانہ رسول کے منافقو! تمہیں

گزرے ہوئے لوگوں سے عبرت حاصل کرنی چاہیے قبل اس کے کہ دوسرے لوگ تم سے عبرت حاصل کریں۔

آیات القرآن

اَلَمۡ يَاۡتِهِمۡ نَبَاُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۙ وَقَوۡمِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاَصۡحٰبِ مَدۡيَنَ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتِ ‌ؕ اَتَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝٧٠ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيۡعُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ اُولٰۤـئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝٧١

ترجمۃ الآیات

کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں ملی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (جیسے) نوح علیہ السلام کی قوم، اور عاد وثمود اور ابراہیم کی قوم! اور مدین والے اور وہ جنکی بستیاں الٹ دی گئی تھیں (قوم لوط) ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلی ہوئی نشانیاں (معجزات) لے کر آئے تھے۔ (مگر وہ اپنی گمراہی سے باز نہ آئے) اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ (۷۰) اور مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب باہم دگر یکرنگ وہم آہنگ ہیں وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے ہے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور کرم فرمائے گا۔ یقینا اللہ زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے (۷۱)

تشریح الالفاظ

۱۔ بخلا قھم۔ خلاق کے معنی ہیں بھلائی کا بڑا حصہ۔ ۲۔ خضتم۔ خوض کے معنی ہیں کسی چیز میں گھسنا۔ ۳۔ والموتکفات الٹی ہوئی بستیوں والے یعنی قوم لوط۔

تفسیر الآیات

۵۵۔ الم یأتھم۔ نبأ الذین۔ الایة۔

یہاں پھر حاضر سے غائب کی طرف التفات ہے اور نام بنام ان قوموں کی ہلاکت و بربادی کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن کا اوپر والی آیت میں اجمال کے پردہ میں ذکر کیا گیا تھا۔ جن کی سرکشیوں اور بدعملیوں کی تفصیل اور پھر اس کے نتیجہ میں ان کی ہلاکتوں اور بربادیوں کی تفصیل تفسیر کی تیسری جلد میں سورہ اعراف کی تفسیر کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۶۔ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُم ... الآیة۔

خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ بندے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں

وہ قومیں کہ جن کی عظمت و سطوت کی کبھی داستانیں بیان کی جاتی تھیں اور اب ان کی ہلاکت و بربادی کے قصے سامان عبرت و نصیحت بن چکے ہیں خدا نے ان کو اس لئے تباہ و برباد نہیں کیا کہ خدا کو ان سے کوئی عداوت تھی کہ خدا نے ان سے انتقام لیا ہو یا ان پر کوئی زیادتی کی ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا نے تو ان کو تباہی سے بچانے کی بڑی کوشش کی انبیاء و مرسلین بھیج کر ان کو سیدھے راستے کی راہنمائی کی گئی اور برے کاموں کے برے عواقب و نتائج سے آگاہ کیا گیا مگر انہوں نے اپنے سوء اختیار سے اپنے لئے وہ راستہ منتخب کیا اور اسی پر چلنے پر اصرار کیا جو تباہی و بربادی تک پہنچانے والا تھا اس لئے انجام کار وہ تباہ و برباد ہو گئے اب اہل انصاف بتائیں کہ قصور کس کا تھا خدا کا؟ (العیاذ باللہ) یا خود ان کا؟ جنہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

۵۷۔ والمومنون بعضھم اولیاء بعض ... الآیة۔

مومنین و مومنات ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ اور ہمدم ہیں

منافق مردوں اور منافق عورتوں کے صفات رذیلہ بیان کرنے کے بعد ان کے بالمقابل مومن مردوں

اور مومن عورتوں کے صفات جمیلہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے جس طرح منافقت کی ترویج و پرورش میں ان کی سرگرمیاں یکساں تھیں۔ ایمان اور اس کے تقاضوں کی تکمیل میں ان کی سرگرمیاں اور دلچسپیاں بھی یکساں ہیں سچ ہے۔ وبضدہا تتبین الاشیاء اسلام وقرآن نے ان کے اندر وہ انقلاب پیدا کر دیا ہے کہ وہ خود نیکی کے کام کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کا حکم دیتے ہیں، خود برائی سے رکتے ہیں اور دوسروں کو روکتے ہیں نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور دل کھول کر راہ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں خدا اور رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں یہ وہ ہیں کہ جن پر اللہ ضرور اپنا رحم و کرم فرمائے جائیگا۔ ان اللہ عزیز حکیم وہ غالب ہے بڑی حکمت والا ہے اور حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ ہر شخص کی روش و رفتار کے مطابق اس سے سلوک کرتا ہے

آیات القرآن

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ نے مومن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ان بہشتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے نیز ان کے لئے ان ہمیشگی کے بہشتوں (سدا بہار

باغوں) میں پاک و پاکیزہ مکانات ہوں گے اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی کامیابی ہے (۷۲) اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں۔ اور ان پر سختی کریں ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری جائے بازگشت ہے (۷۳) وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے (وہ بات) نہیں کہی۔ حالانکہ انہوں نے یقینا کفر کلمہ کہا ہے۔ اور اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کیا ہے اور انہوں نے وہ کام کرنے کا قصد کیا جسے وہ کر نہ سکے ان کی یہ سب خشمنا کی اور عیب جوئی صرف اس وجہ سے ہے کہ خدا اور رسول نے (مال غنیمت دے کر) ان کو تونگر کر دیا ہے۔ سو اگر وہ اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے اور اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور تمام روئے زمین پر ان کا کوئی حامی اور یار و مددگار نہ ہوگا۔ (۷۴)

تشریح الالفاظ

۱۔ جنات۔ یہ جنت کی جمع ہے جس کے معنی ہیں باغ۔ ۲۔ واغلظ۔ غلظت کے معنی ہیں سخت کلامی کرنا۔
۳۔ وما نقموا نقم کے معنی ہیں عیب لگانا۔

تفسیر الآیات

۵۸۔ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ... الآية

مومنین اور مومنات سے اللہ کے کئے ہوئے وعدے کا بیان

چونکہ دار دنیا میں منافقین اور مومنین کے عقائد و اعمال اور اخلاق و اطوار جدا جدا تھے اس لئے فطری طور پر آخرت میں ان کے عواقب و نتائج بھی جدا جدا ظاہر ہوئے منافقوں کے حصہ میں دوزخ، لعنت اور دائمی عذاب آیا۔ اور مومنوں کے حصہ میں جنات، صاف ستھرے مکانات اور اللہ کی رضوان آئی۔ اور یہ آخری صلہ ہی وہ عظیم صلہ ہے جس کے حصول کی خاطر اہل ایمان و ایقان شب بیداریاں اور آہ و زاریاں کرتے ہیں کہ معبود حقیقی ان سے راضی ہو جائے۔ رضی اللہ عنهم و رضوا عنه۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ ذلک ہو الفوز العظیم۔ یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ایضاح

بروایت بلال حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا جنت عدن دوسری جنات کے وسط میں واقع ہے جس کا سور البلد یاقوت کا ہے اور جس کے کنکر لولو و مرجان کے ہیں (الفقیہ) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا جنت عدن اللہ کا وہ گھر ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی دل و دماغ میں گزرا ہے جس میں انبیاء و مرسلین اور شہداء و صدیقین قیام پذیر ہوں گے (مجمع البیان) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا من سرہ ان یحیٰ حیواتی و یموت مماتی و لیسکن جنتی التی و عدنی اللہ ربی جنت عدن۔ فلیوال علی بن ابی طالب و ذریته من بعدہ (کتاب الخصال، تفسیر صافی، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۸۶ طبع مصر شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۶ ص ۶۷۸ تذکرۃ الخواص ص ۴۳ وغیرہ) جس شخص کو یہ بات پسند ہے کہ میری زندگی جیئے اور میری موت مرے اور اس جنت عدن میں سکونت پذیر ہو جس کا میرے اللہ پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے تو وہ حضرت علیؑ سے محبت کرے اور ان کے بعد ان کی ذریت سے مودت رکھے۔

۵۹۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ... الآیة۔

جہاد کے بعض اقسام کا بیان

جہاد کی دوسری متعدد اقسام میں سے جن کا تذکرہ تفسیر کی پہلی جلد میں کیا جا چکا ہے، دو قسمیں اور بھی ہیں جہاد بالسیف اور جہاد باللسان حضرت رسول کو حکم دیا جا رہا ہے کہ کفار اور منافقین سے جہاد کریں اور آپ نے کفار سے بہت سے جہاد بھی کئے مگر تاریخ اسلام میں آنحضرت کے منافقین سے جہاد کرنے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا تو اس کی مفسرین نے یہ تاویل کی ہے کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں ایک جہاد بالسیف چنانچہ کفار سے سیف و سنان سے جہاد کرنے کا حکم تھا دوسری قسم ہے جہاد باللسان چنانچہ منافقین سے کلام و زبان سے جہاد کرنے کا حکم تھا۔ کہ زبان و بیان سے ان کو اسلام کی صداقت و قرآن کی حقانیت سمجھائیں اور اسلامی معارف ان کے ذہن نشین کرائیں شاید کہ اتر جائے ان کے دل میں تیری بات علامہ سید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ نے اس تقسیم کو "ایجاد بندہ" کہہ کر مسترد کر دیا ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ برادران اسلامی کے علاوہ ہمارے بھی بہت سے علماء نے اسے اختیار کیا ہے چنانچہ تفسیر صافی میں صاف لکھا ہے یا ایها النبی جاهد الکفار قیل بالسیف و المنافقین قیل بالزام الحجة و اقامة الحدود اسی طرح تفسیر القرآن للسید شبر میں بھی لکھا ہے کہ جاهد الکفار بالسیف و المنافقین بالوعظ و الحجه۔ (تفسیر شبر طبع مصر)

اور صاحب تذکیر القرآن نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جمہور امت کے نزدیک منافقین کے مقابلہ میں جہاد بالسیف مشروع ہی نہیں ہے۔(تذکیر القرآن ج ۱)

مگر علامہ صاحب مصر میں کہ کفار و منافقین سے ایک ہی قسم کا جہاد یعنی جہاد بالسیف ہی واجب تھا مگر پیغمبر کی زندگی نے اتنی وفا نہیں کی کہ وہ دوسرے جزء کی تکمیل فرما سکیں۔لہٰذا اس کی تکمیل آپ کے جانشین یعنی حضرت علیؑ کے ہاتھ سے ہوئی۔جنہوں نے منافقین سے جنگ کی لہٰذا ان کی جنگ نبی کی جنگ تھی چنانچہ حضرت پیغمبر خدا نے حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ انك تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیله۔اے علی تم تاویل قرآن پر جنگ کرو گے جس طرح میں نے اس کی تنزیل پر جنگ کی ہے(فصل الخطاب ج ۳)۔

اس کی تائید میں ایک روایت بھی ملتی ہے جو حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے فرمایا: جاھد رسول الله الکفار و جاھد علی المنافقین فجاھد علی جھاد رسول الله علیه و اله (صافی)

حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے جہاد کیا اور حضرت علی علیہ السلام نے منافقین سے جہاد کیا بس گویا حضرت علیؑ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہاد کیا۔واللہ العالم۔مگر اس تفسیر پر ایک نا قابل جواب ایراد ضرور وارد ہوتا ہے کہ اگر دونوں سے ایک ہی قسم کا جہاد واجب تھا تو پھر ایک فریق سے تو کم وبیش اسی جہاد کئے اور دوسرے فریق سے ایک بھی نہ کیا؟ آخر کیوں؟

افادہ

اس جہاد کے ساتھ حکم ہے کہ واغلظ علیہم اور ان پر سختی کریں اس سختی سے کیا مراد ہے عملی سختی کہ ان پر احکام شرعیہ جاری کرنے میں کوئی نرمی نہ کریں یا زبان وکلام کی سختی؟ مفسر قرطبی نے اس سے عملی سختی مراد لی ہے۔اور کلامی کو یہ کہکر مسترد کر دیا ہے کہ سخت کلامی اور سب وشتم کرنا سنت انبیاء کے خلاف ہے(بحوالہ معارف القرآن ج ۴) پھر موصوف لکھتے ہیں کہ ''افسوس کہ خطاب وکلام میں غلظت جس کو کفار کے مقابلہ میں بھی اسلام نے اختیار نہیں کیا آج کل مسلمان دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بیدھڑک استعمال کرتے ہیں اور بہت سے لوگ تو اس کو دین کی خدمت سمجھ کر خوش ہوتے ہیں۔انا للہ''(ایضاً)

۶۰۔ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ ... الآیۃ۔

منافقین کی ایک کافرانہ کارستانی کا تذکرہ

اس آیت مبارکہ میں منافقین کے اسی کافرانہ قول کا تذکرہ کیا جارہا ہے جس کا تذکرہ اسی سورہ کی آیت ٦٦۔ لا تعتذروا قد کفر تم بعد ایمانکم ۔۔۔الایہ میں کیا جاچکا ہے کہ وہ خدا اور رسول کا مذاق اڑاتے تھے اور پوچھ گچھ کرنے پر مکر جاتے تھے اور اسی کافرانہ حرکت نا زیبا کی طرف اشارہ ہے جس کا تذکرہ آیت ٦٥ ولئن سالتھم لیقولن الآیہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ چند مخصوص منافقین نے حضرت رسول خدا ﷺ کی جنگ تبوک سے واپسی پر بمقام وادی عقبہ آپ کو شہید کرنے کی ناپاک سازش کی تھی جسے خداوند عالم نے بذریعہ وحی آپ کو مطلع فرما کر آپ کو بچا لیا اور ان کی سازش کو ناکام بنادیا۔ جس کی تفصیل حوالہ جات کے ساتھ قبل ازیں بیان کی جاچکی ہے۔

٦١۔ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَن... الآیة۔

بہت سے منافقین غریب و نادار تھے جنہیں خدا اور رسول نے تونگر بنادیا

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ بہت سے منافقین اظہار اسلام سے پہلے عسرت اور تنگی کی زندگی گزارتے تھے مگر اظہار اسلام کے بعد کچھ جنگی غنائم کی برکت تھے اور کچھ پیغمبر اسلام ﷺ کی عادلانہ تقسیم سے جو ان لوگوں کو بھی مخلص مسلمانوں کے برابر حصہ دیتے تھے کچھ کاروبار کی برکت کچھ اچھی فصلوں کی برکت سے اور شاید کچھ رحمۃ اللعالمین کی برکت سے۔ یہ لوگ خوشحال ہو گئے اور ان کی مالی حالت بہتر ہو گئی مگر انہوں نے اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے یوں کفران کیا کہ آپ کی عیب جوئی کرنے لگے اور آپ کی مخالفت کرنے لگے اسے اردو میں یوں کہتے ہیں جی ہاں مجھ سے یہ خطا ضرور ہو گئی تھی کہ میں وقت پر اس کے کام آیا تھا علم بدیع میں ایک صنعت ہے جسے ''تاکید المدح بمایشبہ الذم'' یعنی کسی کی مدح و ثناء میں ایسے انداز میں زور پیدا کرنا جو مذمت کے مشابہہ ہو ولا عیب فیھم غیر ان سیو فھم۔ بھن فلول من قراع الکتائب۔ مخفی نہ رہے کہ یہاں بھی خدا کے ساتھ اغنا۔ (مالدار بنانے) کی نسبت حقیقی ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف مجازی ہے۔ کہ آپ کی عادلانہ و مساویانہ تقسیم غنائم اور ان کے وجود کی برکت سے اللہ نے ان کو تونگر بنادیا ہے۔

٦٢۔ فَاِنْ يَّتُوْبُو... الآیة۔

یہ ان لوگوں کو دھمکی دی جارہی ہے کہ وہ اپنے کردار اور منافقانہ روش و رفتار سے توبہ کرلیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے ورنہ خدا انہیں دنیا و آخرت میں عذاب سے دوچار کرے گا۔ اور زمین میں (خدا کے سوا) ان کا کوئی سرپرست اور کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

آیات القرآن

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝۷۵ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝۷۶ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝۷۷ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۝۷۸ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝۷۹

ترجمۃ الآیات

اوران میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے (کچھ مال ودولت) سے نوازا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور نیکوکار بندوں میں سے ہو جائیں گے (۷۵) پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل وکرم سے نوازا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور روگردانی کرتے ہوئے (اپنے عہد سے) پھر گئے (۷۶) پس (اس روش کا نتیجہ یہ نکلا کہ) خدا نے ان کی وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولنے کی وجہ سے یوم لقا (قیامت) تک ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا۔ (۷۷) کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ان کے دلی راز اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے اور وہ غیب کی تمام باتوں کو بڑا جاننے والا ہے (۷۸) یہ ایسے ہیں کہ خوش دلی سے خیرات کرنے والے مومنین پر ریاکاری کا عیب لگاتے ہیں۔ اور جو اپنی محنت مزدوری کے سوا اور کچھ نہیں رکھتے (اس لئے راہِ خدا میں تھوڑا مال دیتے ہیں) یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ ان کا مذاق اڑائے گا۔ (اس کی سزا دے گا) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (۷۹)

تشریح الالفاظ

۱۔ **فاعقبهم**۔ کے معنی ہیں کسی کام کے نتیجہ میں بدلا دینا ۲۔ **نجواھم**۔ نجویٰ کے معنی ہیں راز و نیاز کی باتیں۔ ۳۔ **المطوعین**۔ رضا کارانہ طور پر کام کرنا۔ یہاں خوش دلی سے خیرات کرنا مراد ہے۔

تفسیر الآیات

۶۳۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ... الآیۃ۔

انسان کی ایک طبعی کمزوری کا تذکرہ

انسان کی یہ عجیب طبعی کمزوری ہے کہ جب اس کے پاس ایک نعمت نہیں ہوتی تو اس وقت تمنا کرتا ہے کہ کاش وہ نعمت اسے حاصل ہو جائے۔ تو وہ اس کی بڑی قدر کرے گا اور اسے اجل و ارفع مقاصد میں استعمال کرے گا اور دوسرے عام لوگوں کی طرح وہ اسے غلط مصرف میں صرف نہیں کرے گا۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے جب اسے وہ نعمت مل جاتی ہے تو پھر وہ یہ بات بھول جاتا ہے کہ اس نے دل ہی دل میں اپنے پروردگار سے کیا قول و قرار کیا تھا اور وہ اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھ کر اس کا مالک و مختار ہو جاتا ہے اور نتیجۂ رحمانی سے زیادہ شیطانی مقاصد میں اسے صرف کرتا ہے کبریت احمر سے بھی کمتر ہیں وہ خوش قسمت لوگ جو کوئی نعمت حاصل کر کے اپنے حقیقی محسن کا احسان جانتے ہیں اور پھر شکرانہ کے طور پر اس نعمت کو اس کے صحیح مصرف میں صرف کرتے ہیں اس آیت مبارکہ میں انسان کی اسی طبعی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس پر طنز کیا گیا ہے اور ویسے کتب فریقین میں اس آیت کی شان نزول میں خصوصی طور پر حاطب بن ثعلبہ انصاری کا واقعہ مذکور ہے جو بڑا عابد و زاہد شخص تھا مگر فقر و فاقہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے لئے خدا سے دعا کیجئے کہ خدا مجھے مالدار بنائے آپ نے فرمایا اس بات کو رہنے دے! مگر اس نے دوبارہ اصرار کیا۔ اور کہا کہ میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ اس کے تمام حقوق ادا کروں گا اور قرابتداروں کا خیال رکھوں گا، الغرض آنحضرتؐ نے اس کے لئے دعا کی اور وہ باب اجابت سے ٹکرائی پھر کیا تھا۔ بس دولت دن دونی رات چوگنی بڑھنے لگی۔ اس نے جو چند دنبیاں، بکریاں پالی ہوئی تھیں ان میں اس قدر افزائش ہوئی کہ مدینہ میں رکھنے کی جگہ نہ رہی لہٰذا مجبوراً صحرا میں رہنے لگا۔ اور نماز باجماعت سے غیر حاضر رہنے لگا۔ پھر ہفتہ وار نماز جمعہ میں حاضر ہوتا۔ مگر رفتہ رفتہ نماز جمعہ

بھی غائب ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے اس کے پاس دو آدمی بھیجے کہ اس سے زکوٰۃ وصول کر کے لائیں۔ اور ساتھ ہی ایک مکتوب بھی اس کے نام ارسال فرمایا۔ آدمی پہنچے آنحضرتؐ کا خط اس کے حوالے کیا۔ زکوٰۃ کی آیات پڑھ کر اس کی وصولی کا مطالبہ کیا اس نے کہا حضرت ہم سے جزیہ مانگتے ہیں؟ کسی دوسرے دروازے پر جاؤ۔ مجھے کچھ سوچنے دو۔ چنانچہ یہ لوگ ادھر ادھر سے پھرا کر پھر اس کے پاس آئے اور اس نے ان کے مطالبہ پر اس نے پھر وہی جواب دیا۔ آخر کار وہ لوگ خالی ہاتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا وائے ہو ثعلبہ پر۔ اور ایک آدمی بھیجا کہ جا کر یہ آیت ثعلبہ کو سنا دو۔ چنانچہ وہ آدمی گیا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی تو ثعلبہ گھبرا گیا۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ جس طرح فرمائیں میں زکوٰۃ دینے کیلئے تیار ہوں۔ اور آپ جس طرح چاہیں فرمائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تو نے چونکہ زکوٰۃ کو جزیہ کہا ہے اس لئے اب میں تیری زکوٰۃ نہیں لوں گا۔ اور اسی اثناء میں آپ کی وفات حسرت آیات واقع ہوگئی اور اس طرح وہ شخص خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوا۔ (مجمع البیان عن الباقر علیہ السلام وتفسیر صافی کذا فی تفسیر ابن جریر۔ وابن ابی حاتم، والطبرانی والبیہقی)

۶۴۔ **فاعقبهم نفاقا ... الآية۔**

اس بدعہدی اور بدعملی کے نتیجہ میں خدا نے نفاق کو ایسے لوگوں کے دلوں میں اس قدر پختہ کر دیا۔ کہ ان سے توفیق توبہ بھی سلب ہوگئی۔

ایضاح

مفسرین میں فی الجملہ اختلاف ہے کہ فاعقبہم۔ میں فاعل کی جو ضمیر مستتر ہے اس کا مرجع کیا ہے؟ اللہ یا بخل؟ عام مفسرین اور مترجمین نے اس کا مرجع اللہ کو قرار دیتے ہوئے۔ یہ معنی کئے کہ اللہ ان کی وعدہ خلافی اور غلط بیانی کی وجہ سے موت تک ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ بنا بریں یہ ایسا ہی ہے جیسے **طبع الله علیها بکفرهم** نیز بنا بریں **یلقونه** کی ضمیر کا مرجع بھی اللہ ہی ہے مگر بعض مفسرین نے اس فاعل کی ضمیر اور یلقونہ کی ضمیر کا مرجع بخل کو قرار دیا ہے جو بخلوا بہ سے سمجھا جاتا ہے۔ یعنی بخل نے ان کے دلوں میں بخل کی سزا بھگتنے تک نفاق پیدا کر دیا ہمارے علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اور برادران اسلامی کے فاضل ابو حیان اندلسی نے البحر المحیط میں اور مراغی نے اپنی تفسیر المراغی میں اسی قول کو اختیار کیا ہے حقیقت بھی یہی ہے کہ وعدہ خلافی اور کذب بیانی اور امانت میں خیانت کرنا ہی تو منافقین کی خصوصی صفات رذیلہ ہیں چونکہ بموجب **العبرة بعموم الوارد لا بخصوص المورد**۔ شان نزول کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ اس آیت کے نزول کا ظاہری سبب وہ

مخصوص واقعہ تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اس آیت میں بیان کردہ حکم بھی صرف اسی واقعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ نہیں بلکہ الفاظ کے عموم و اطلاق پر محمول کیا جاتا ہے چنانچہ واقعہ سے فقہاء اسلام نے یہ لطیف استنباط کیا ہے کہ عہد و پیمان ہو یا نذر ہو یا قسم ان کا اسی طرح ادا کرنا واجب و لازم ہے جس طرح عہد کیا جائے یا منت مانی جائے اور جس طرح قسم کھائی جائے۔ والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون۔ (المومنون) ویوفون بالنذر ویخافون یوماً کان شرہ مستطیرا (دھر۔۷)۔

۶۵۔ اَلَمْ یَعْلَمُوا ... الآیۃ۔

اظہار تعجب

اسلوب کلام سے تعجب کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس قدر طویل اسلامی تعلیم اور عریض قرآنی تربیت کے بعد اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ اللہ سب باتوں کو جانتا ہے خواہ وہ علانیہ کی جائیں یا خفیہ کی جائیں۔ مجمع عام میں کی جائیں یا سرگوشی کے انداز میں کی جائیں۔ کیونکہ وہ علام الغیوب ہے۔ اور کائنات ارضی و سماوی کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ علیم بذات الصدور ہے راز تو راز وہ تو دلوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ یعلم السر واخفیٰ۔

۶۶۔ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ ... الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

جنگ تبوک کی تیاری کے وقت جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو سامان حرب وضرب اور اخراجات سفر کے لئے راہ خدا میں مال دینے کی رغبت دلائی تو اس کا بڑا خوشگوار اثر ہوا۔ اور مسلمانوں نے اپنے مقدور کے مطابق کم یا زیادہ اس کار خیر میں حصہ لیا۔ انہی میں ابوعقیل نامی ایک غریب صحابی بھی تھا جس نے رات بھر مزدوری کی اور صبح دو سیر کھجور ملی۔ ایک سیر اپنے اخراجات کے لئے رکھ لیا اور ایک سیر راہِ خدا میں پیش کر دیا۔ منافقوں نے (جنہوں نے خود ایک پائی بھی راہِ خدا میں نہیں دی تھی) طعن و تشنیع کے تیر چلانے شروع کئے چنانچہ جنہوں نے زیادہ مال دیا تھا ان کے بارے میں کہنے لگے کہ انہوں نے خدا کے لئے تھوڑا دیا ہے۔ انہوں نے تو لوگوں کو دکھانے اور اپنی سخاوت کا رعب جمانے کے لئے دیا ہے۔ اور جنہوں نے تھوڑا دیا تھا ان کے بارے میں کہنے لگے۔ کہ اتنی حقیر سی چیز دی اس سے سامان سفر کا کیا انتظام ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا نا پسند آئی اس لئے صنعت مشاکلہ کی بناء پر فرمایا وہ اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں اور اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ یعنی ان کو ان کے

اس مذاق کی سزا دے گا۔ ولهم عذاب اليم اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آیات القرآن

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْۤا اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا یَفْقَهُوْنَ﴿۸۱﴾ فَلْیَضْحَكُوْا قَلِیْلًا وَّ لْیَبْكُوْا كَثِیْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ﴿۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسول) آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں اور خواہ نہ کریں اگر (بالفرض) آپ ان کے لئے ستر بار بھی مغفرت طلب کریں جب بھی اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا۔ اور خدا فاسق (نافرمان) لوگوں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا (۸۰) جو (منافق جنگ تبوک میں) پیچھے چھوڑ دیئے گئے وہ رسول خدا کے پیچھے (ان کی خواہش کے خلاف) اپنے گھروں میں پیچھے بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور خدا کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے کو ناپسند کیا۔ اور (دوسروں سے بھی) کہا کہ گرمی میں سفر نہ کرو۔ کہہ دیجئے! کہ دوزخ کی آگ (اس سے) زیادہ گرم ہے کاش وہ یہ

بات سمجھتے (۸۱) ان (برے) کاموں کے بدلہ میں جو یہ لوگ کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ اب وہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ (۸۲) (اے نبی) اگر اللہ آپ کو واپس لائے۔ ان کے کسی گروہ کی طرف اور وہ آپ سے جہاد کے لئے نکلنے کی اجازت مانگے تو کہہ دیجئے کہ اب تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکل سکتے اور میرے ہمراہ ہوکر کبھی دشمن سے جنگ نہیں کر سکتے تم نے پہلی بار (گھر میں) بیٹھے رہنا پسند کیا۔ تو اب بھی بیٹھے رہو پیچھے رہ جانے والوں (بچوں اور عورتوں) کے ساتھ (۸۳)

تشریح الالفاظ

۱۔ جُهدُ۔ جہد اور مجہود کے معنی ہیں طاقت اور استطاعت نیز اس کے معنی مشقت کے بھی ہیں۔ ۲۔ المخلفون۔ پیچھے چھوڑ دیئے گئے لوگ۔ ۳۔ بمقعدهم۔ مقعد کے معنی ہیں بیٹھنے کی جگہ۔

تفسیر الآیات

۶۷۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا ... الآية۔

کفار و منافقین کے لئے پیغمبر اسلامؐ کی استغفار بھی فائدہ رساں نہیں ہے

حضرت رسول خداؐ تو چونکہ سراپا رحمت وشفقت تھے اس لئے منافقوں کی تمام تر شرارتوں وشقاوتوں کے باوجود ان کی اصلاح اور نجات کے خواہاں تھے۔ مگر جب ان کی شقاوت حد سے بڑھ گئی تو خدا نے ان کے لئے آپ کو طلب مغفرت کرنے سے منع فرما دیا اور واضح لفظوں میں یہاں تک فرما دیا کہ اگر آپ بالفرض ستر بار بھی ان کی مغفرت طلب کریں گے جب بھی اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ مخفی نہ رہے کہ یہ ستر کا لفظ صرف کثرت عددی کا استعارہ ہے جو مجازاً بے شمار کثرت کے اظہار کے لئے آتا ہے وبس۔ ذلك بانهم كفروا بالله و رسوله۔ اس عدم مغفرت کا سبب یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کے منکر ہیں اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خدا اور رسول (اور قیامت) کا منکر نہ ہو یعنی اگر کافر نہ ہو بلکہ صرف عملی طور پر گناہگار ہو اور گناہ کو گناہ سمجھ کر اس کا مرتکب ہو تو پھر پیغمبر اسلام کی استغفار وشفاعت یقیناً اسے فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ اور اس کی تفصیل قبل ازیں ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤوك الایہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے ہاں البتہ اگر کوئی بد بخت

گناہ کرے اور پھر گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھے تو چونکہ وہ ضروریات اسلام کے انکار کی وجہ سے کافر ہو گیا ہے اس لئے اس کی بخشش کا کوئی امکان نہیں ہے اور اس کے حق میں رسول کی استغفار بھی بیکار ہے۔

۶۸۔ فرح المخلفون ...الآیة

ان بدقسمت لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے جو خدا اور رسول کے حکم کے باجود غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے اور اب بجائے اس کے اس سعادت سے محرومی بر کف افسوس ملتے اور اپنی حرماں نصیبی پر ماتم کرتے۔ خدا خبر دے رہا ہے کہ وہ الٹا خوش ہوتے ہیں کہ ہم جان کو جوکھوں میں ڈالنے سے بچ گئے۔ بھلا جب ان کا خدا اور رسول پر قلبی ایمان ہی نہیں تھا تو پھر اس کی راہ میں مال و جان سے جہاد کس طرح کرتے؟ وہ تو اس جہاد کو ایک مصیبت جانتے تھے جس سے گلوخلاصی کرانے کے لئے نہ صرف اپنے لئے حیلے بہانے تلاش کرتے رہتے تھے بلکہ دوسرے اہل ایمان کی بھی یہ کہہ کر سخت گرمی ہے لہٰذا مت نکلو حوصلہ شکنی کرتے تھے ان کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اے رسول! ان سے کہہ دو۔ دوزخ کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے یعنی تم دنیا کی گرمی سے بچنے کی تو فکر کر رہے ہو مگر جہنم کی حرارت سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں کرتے؟ اے کاش کہ ان کو اس بات کی کچھ سوجھ بوجھ ہوتی؟

۶۹۔ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً ...الآیة

ایسا کام و اقدام کرنے والوں کو چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ

عام مفسرین نے یہاں امر کو خبر کے معنی میں لیا ہے کہ ایسے لوگ مرنے کے بعد زیادہ روئے گیں اور تھوڑا ہنسیں گے۔ لیکن اگر امر کو امر ہی کے معنی میں رہنے دیا جائے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔ مطلب واضح ہے کہ جب ان لوگوں نے اپنی رضا و رغبت سے دنیا کی گرمی سے بھاگ کر جہنم کی آگ میں چھلانگ لگائی ہے تو اب اپنے عمل کی پاداش میں ان کو چاہیے کہ ہنسیں کم (یعنی بالکل نہ ہنسیں) اور روئیں زیادہ جزاء بما کانو ا یکسبون۔ یہ ان کرتوتوں کی سزا ہے۔

فائدہ

"بعض اوقات کسی صحیح مقصد کے لئے دلیل غلط پیش کی جاتی ہے اس کا ایک بہت بڑا نمونہ یہ ہے کہ عزائے امام حسین علیہ السلام میں گریہ کے ثبوت میں اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ ہنسو کم اور روؤ زیادہ

حالانکہ یہ آیت منافقین اور کفار کے بارے میں ہے اور جو کہا جا رہا ہے وہ ان کی بداعمالی کی سزا کے طور پر اس کا اہل ایمان سے نعوذ باللہ تعلق ہی کیا ہوسکتا ہے۔" (فصل الخطاب ج ۱۳ از علامہ سید علی نقی النقوی)

۷۰۔ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ... الآیۃ

چند نئے احکام کا بیان

جن منافقین نے موسم گرما کا یا کوئی اور حیلہ بہانہ کر کے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی ان کے بارے میں خداوند عالم پیغمبر اسلام کو چند نئے احکام دے رہا ہے۔

۱۔ اگر اب آپ کو کسی گروہ سے جہاد کرنے کا موقع ملے اور یہ لوگ اس میں شریک ہونے کے لئے آپ سے اجازت طلب کریں تو ان سے صاف کہہ دو کہ جب تم پہلی بار گھر بیٹھنے پر راضی ہو گئے تو اب تمہارا نام مجاہدین اسلام کی مقدس فہرست سے نام کاٹ دیا گیا ہے لہٰذا اب تم کبھی میرے ساتھ نہیں نکل سکتے۔ فاقعدوا مع الخالفین۔ لہٰذا اب تم بیٹھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ

آیات القرآن

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان میں سے جو کوئی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ بلاشبہ انہوں نے خدا و رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ فسق اور نافرمانی کی حالت میں

مرے ہیں (۸۴) اوران کے مال واولاد آپ کو حیرت وتعجب میں نہ ڈالیں خدا چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے انہیں سزا دے اوران کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں (۸۵) جب کوئی اس قسم کی صورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اوراس کے رسول کے ہمراہ ہوکر جہاد کروتو ان میں سے جومقدور والے ہیں وہ آپ سے رخصت مانگتے ہیں ، کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیں تا کہ ہم گھر میں بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہیں (۸۶)

تشریح الالفاظ

خالفین۔ پیچھے رہ جانے والے لوگ۔ ۲۔**ولا تصل**۔صلوۃ کے معنی نماز پڑھنے اور دعا کرنے کے ہیں اور یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔ ۳۔ **اولو لطول**۔طول کے معنی مقدرت ،غنا اور فضل کے ہیں

تفسیر الآیات

۱، وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ... الآية

دوسرا نیا حکم ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں

اور وہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی مرجائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حکم کچھ خاص منافقین کے لئے ہے جن کی منافقت اور نافرمانی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ ان پر احکام کفر جاری ہو گئے ورنہ عام منافقین کے بارے میں تو ارشاد قدرت ہے **لا تعلمهم نحن نعلمهم**۔آپ انہیں نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔ جب نظر بظاہر حالات آپ کو ان لوگوں کا نفاق معلوم ہی نہیں تو پھر ان کو یہ حکم کس طرح دیا جاسکتا ہے کہ آپ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں؟

یہ جو کہا جاتا کہ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کی موت پر اختلاف ہوا تھا آنحضرتؐ پڑھانا چاہتے تھے اور بعض صحابہ اس پر معترض تھے۔ مگر آنحضرتؐ نے اصرار کیا اور نماز پڑھائی اور اس پر یہ آیت اتری یہ روایت بے بنیاد ہے۔اس آیت کے نزول سے پہلے کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا کہ ان لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھائی جائے۔ اوراس کے نزول کے بعد یہ مستقل ہدایت دی گئی کہ منافقین کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھائیں۔ چنانچہ آپ نے اس کے بعد کبھی نہیں پڑھائی۔ بہرکیف اس آیت سے اوراس سابقہ آیت سے جس میں کفار کے لئے مغفرت

طلب کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ کسی کافر کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں

۲۔وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ...الآیۃ

تیسرا نیا حکم ان کی قبر پر کھڑے نہ ہوں

اس سے دفن وغیرہ کے وقت تعظیماً کھڑا ہونا مراد ہے۔کیونکہ کفار ہوں یا منافقین وہ کسی قسم کی تعظیم وتکریم کے مستحق نہیں ہیں مگر مسلمانوں کی قبر پر اہتمام دفن کے لئے ایسا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ کار ثواب ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا کرتے تھے۔

۳۔وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ...الآیۃ

یہ وہی آیت ہے جو اس سورہ میں نمبر ۵۵ پر گذر چکی ہے اور وہیں اس کی تفسیر بھی گذر چکی ہے لہٰذا مقام مذکور کی طرف رجوع کیا جائے۔

۴۔وَاِذَآ اُنْزِلَتْ...الآیۃ

کچھ لوگوں کی حرماں نصیبی کا تذکرہ

جب کوئی ایسی سورۃ یا آیت اترتی ہے کہ جس میں یہ حکم ہو کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔اور رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو جو مقدرت والے اور تندرست وتوانا ہیں وہ اجازت مانگنے کے لئے آجاتے ہیں اور وہ اس بات پر راضی ہیں کہ بچوں اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہیں جب اہل مقدرت کا یہ حال ہے تو اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے اہل مسکنت اور اہل معذرت کا کیا حال ہوگا؟ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا الخوالف سے مراد عورتیں ہیں (تفسیر صافی)

انہیں مرد میدان بننے کے بجائے عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھنا پسند ہے۔ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا گیا ہے لہٰذا یہ کوئی صحیح بات سمجھتے ہی نہیں ہیں خدا نے ان کو ایمان لانے،نیک عمل بجانے اور اپنے گناہ بخشوانے کا زریں موقع دیا مگر ان سیاہ بختوں نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا رحمت اللعالمین کا ابر رحمت آیا برسا اور چلا گیا۔مگر ان کی کشت ایمان ویران ہی رہی۔سچ ہے۔

سیاہ بختاں قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

آیات القرآن

رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿۹۰﴾

ترجمۃ الآیات

ان لوگوں نے یہ بات پسند کی کہ گھر میں پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہیں اور (انکے نفاق وکفر کی وجہ سے) ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے۔پس یہ کچھ سمجھتے نہیں ہیں (۸۷) لیکن اللہ کے رسول اور جوان کے ساتھ ایمان لائے ہیں انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ جہاد کیا یہی وہ ہیں جن کے لئے ساری بھلائیاں ہیں۔اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔(۸۸) اللہ نے ان کے لئے ایسے بہشت (باغات) تیار کر رکھے ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے (۸۹) اور صحرائی بدووں میں عذر کرنے والے (آپ کے پاس) آئے کہ انہیں پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی جائے۔اور جنہوں نے (اسلام کا اظہار کرکے) خدا و رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ (بلا اجازت) گھروں میں بیٹھے رہے ان میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے انہیں عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا۔(۹۰)

تشریح الالفاظ

۱۔مع الخوالف۔ یہ خالف کی جمع ہے جس کے معنی پیچھے رہ جانے والے کے ہیں۔ ۲۔طبع۔ کے معنی ہیں ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے۔ ۳۔جاء المعذرون۔ کے معنی ہیں عذر بہانے کرنے والے۔

تفسیر الآیات

۷۵۔لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ...الآية

یہ تو منافقین کی روش ورفتار تھی جس کا تذکرہ کیا گیا۔ خالق اکبر خبر دے رہا ہے کہ حضرت پیغمبر اسلامؐ اور جوان کے ساتھ ایمان لائے۔ انہوں نے تو اپنے مال وجان کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کئے۔ ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں اور یہی فوز وفلاح پانے والے ہیں۔

تبصرہ

''منافقین بھی بہ اعتبار زمانہ رسول کے ساتھ معیت رکھتے تھے نیز پاس بھی رہتے تھے اٹھتے بیٹھتے بھی تھے۔ مگر خالق نے یہاں ان کے مقابلے میں خالص مومن کیلئے ''معہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے کہ وہ مومنین جو ان کی معیت میں ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معیت رسول کی عالم مشاہدہ میں ساتھ رہنے سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ خالص ایمان اور اطاعت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے بعد اس آیت کے مفہوم میں کوئی گنجلک نہیں رہتی جہاں کیا گیا ہے۔ والذین معه اشداء على الكفار رحماء بينهم۔ یہاں کی آیت اس کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔'' (فصل الخطاب)

۷۶۔وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ...الآية

مدینے سے باہر والے لوگوں کا حال

اب تک تو مدینہ کے منافقین اور مخلفین کا تذکرہ جاری تھا اب مدینے سے باہر دیہاتوں یا خیمہ بستیوں میں رہنے والے صحرانشینوں کا ذکر کیا جارہا ہے جن کو آج تک بدو کہا جاتا ہے کہ ان میں بھی ہر قسم وقماش کے لوگ شامل تھے کھرے مومن بھی تھے جن کا تذکرہ اسی سورہ آیت ۹۹ میں آرہا ہے و من لا عراب من يومن بالله واليوم الآخر۔ اور کچھ منافق بھی اور پھر یہ منافق دو قسم کے تھے کچھ وہ تھے کہ جب ان کو دعوت دی

جاتی تو جھوٹے یا سچے عذر پیش کر کے آنحضرت ﷺ سے گھر میں بیٹھنے کی اجازت طلب کرتے اور کچھ وہ تھے جو جھوٹے سچے بہانے بنانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ بلا تردد اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے تھے۔ و قعد الذین کذبوا اللہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ایضاح

آیت کی تفصیل میں ہم نے جو یہ لکھا ہے کہ کچھ وہ تھے کہ جب ان کو دعوت جہاد دی جاتی تو وہ جھوٹے یا سچے عذر پیش کر کے یہ جھوٹے یا سچے کی تشکیک اس لئے روا رکھی گئی ہے کہ ''معذر'' کے مادہ اشتقاق میں شک ہے کہ آیا یہ باب تفصیل سے مفعول کا صیغہ ہے جس کا مفہوم ہے جھوٹا عذر پیش کرنے والا یا یہ معذر۔ معتذر سے ہے اور وہ اسطرح کہ افتعال کی تاء کو ذال سے بدلا گیا اور پھر ذال کو ذال میں مدغم کیا گیا۔ اس طرح وہ معذر ہو گیا اور اس کا مفہوم صحیح عذر پیش کرنے والا ہے چنانچہ یہ صحیح عذر پیش کرنے والے عامر بن طفیل کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے تھے انہوں نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ اگر ہم آپ ﷺ کے ساتھ نکلے تو بنی طے کے بدو ہمارے مویشی اور اولاد پر آ پڑیں گے (ابن جریر)۔ چنانچہ جو منافق تھے ان کے لئے وعید و تہدید ہوئی۔ اور جنہوں نے کمزوری کی وجہ سے پہلو تہی کی تھی ان پر عتاب ہوا۔

آیات القرآن

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمۃ الآیات

کمزوروں، بیماروں پر اوران ناداروں پر جو خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں رکھتے کوئی گناہ نہیں ہے۔ (اگر جہاد میں شریک نہ ہوں) بشرطیکہ وہ خلوص دل سے اللہ اور رسول کے وفادار ہوں۔نیکوکاروں پر کوئی الزام نہیں ہے اوراللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے(۹۱)اور نہ ہی ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کیلئے سواری کا کوئی انتظام کریں۔اور آپ نے کہا میرے پاس سواری کے لئے کچھ نہیں ہے۔تو وہ اس حال میں مجبوراً واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس رنج میں کہ ان کے پاس (راہ خدا) میں خرچ کرنے کے لئے کچھ میسر نہیں ہے(۹۲)ہاں البتہ الزام (اوراعتراض) ان لوگوں پر ہے کہ باوجود دولت مند ہونے کے آپ سے (بیٹھے رہنے کی) اجازت مانگتے ہیں انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہیں اوراللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اس لئے وہ کچھ جانتے بوجھتے نہیں ہیں (۹۳)۔

تشریح الالفاظ

۱۔حرج۔کے معنی مضائقہ کے ہیں۔۲۔انما السبیل یہاں سبیل بمعنی الزام و اعتراض استعمال ہوا ہے۔

تفسیر الآیات

۱۔لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ... الآیۃ

لوگوں کے وہ تین گروہ جن سے جہاد ساقط ہے

جن کا ہم نے اسی سورت کی آیت ۴۱ ''انفروا خفافاً وثقالاً'' کی تفسیر میں اجمالاً ذکر کیا تھا کہ تین گروہ ایسے ہیں جن سے بہرحال جہاد ساقط ہے (۱) وہ لوگ جو جسمانی طور پر مجبور ہوں اوراس کی وجہ سے معذور جیسے بہت بوڑھا آدمی اور اپاہج وغیرہ (۲) وہ لوگ جو بیمار ولاغر ولاچار ہوں (۳) وہ لوگ جو سفر کی لازمی

ضروریات ازقسم زادسفراورسواری وغیرہ نہ رکھتے ہوں۔اورسربراہ لشکراسلام کے پاس بھی اس کا کوئی انتظام نہ ہو جیسا کہ غزوہ تبوک میں جذبہ جہاد سے سرشارمگرغریب ونادار اہل ایمان نے خواہش کی تھی

۷۸۔اِذَا نَصَحُوۡا لِلّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ...الآیۃ

بشرطیکہ یہ تینوں گروہ خدااوررسول کے سچے خیرخواہ اور پکے وفادارہوں۔اوران واقعی عذرات کی وجہ سے اس سعادت سے محرومی پردل وجان سے محزون ومکروب ہوں اوراپنے اس کرب واضطراب کاقلبی اظہاربھی کریں۔کہ اے کاش کہ ہم مجبورنہ ہوتے تو غازی یا شہید ہونے کا ابدی شرف حاصل کرتے۔ایسا نہ ہوکہ ان اعذارکی وجہ سے وہ دلی طورپرخوش ہوں کہ الحمدللہ بوڑھا تھا یا بیمار یاغریب ونادارتھااس لئے یہ جہادوالی مصیبت ٹل گئی۔بہرحال ہرشخص کا معاملہ اپنے اس پروردگارسے ہے جوعلیم بذات الصدور ہے۔وہ لوگوں کے نہ صرف ظاہری حالات کوجانتا ہے بلکہ ان کے دلی بھیدوں سے بھی آگاہ ہے۔وانما الاعمال بالنیات ولکل امرأ مانوی یہ ہے خدااوررسول کے لئے نصیحت یعنی خلوص کا صحیح مفہوم جو بیان کردیا گیا ہے اسی بناءپراحادیث میں وارد ہے کہ اگرکسی شخص کا پختہ ارادہ ہوکہ وہ کوئی نیکی کا کام کرے مگرکسی مجبوری کی وجہ سے وہ کام نہ کرسکے تو خدا سے وہ کام کرنے والے کے برابراجروثواب عظیم پائے گا۔کیونکہ نیۃ المومن خیرمن عملہ۔اسی بناء پر جنگ سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کچھ لوگ ہیں تو مدینہ میں مگرتمہارے ساتھ (شریک ثواب) ہیں اورحضرت علیؑ نے جنگ صفین میں فرمایا تھا تمہارے ساتھ وہ بھی شریک ثواب ہیں۔جوہنوز ماؤں کے رحموں اور باپوں کی پشتوں میں ہیں (بحارالانوار)

اوراسی لئے بعض احادیث میں وارد ہے کہ جومومن واقعہ کربلاکو یادکرکے صدق نیت کے ساتھ کہدے یالیتنا کنا معکم فنفوز فوزاً عظیماً تو وہ حضرت امام حسینؑ کے اصحاب کے ساتھ محشورہوگا (کامل الزیارۃ)

۷۹۔مَا عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ...الآیۃ

جوشخص اپنے انفرادی اوراجتماعی فرائض وواجبات کوادا کرے اسے محسن کہا جاتا ہے اور جوان کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اسے مسیئ کہا جاتا ہے لہٰذا جب مذکورہ بالا تینوں اپنی ضعیفی،بیماری اورناداری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کرسکیں مگردوسرے فرائض منصبی کوادا کریں تو پھرمحسنین پرکوئی مواخذہ نہیں ہے۔

آیت کے اس فقرہ سے استنباط کردہ مسائل کا بیان

فقہاء نے اس فقرہ (ما علی المحسنین من سبیل) کوایک شرعی اساس بنا کراس سے چند

مسائل واحکام اخذ کئے ہیں مثلاً

۱۔ جب کوئی شخص کسی کے پاس کوئی چیز بطور امانت رکھے اور وہ اس کی کوتاہی کے بغیر تلف ہوجائے تو امین ضامن نہیں ہے کیونکہ ما علی المحسنین من سبیل

۲۔ جب ایک فقیہ جامع الشرائط کسی مسئلہ میں حق کو معلوم کرنے کی پوری کدوکاش کرے مگر اس سے حقیقت کو سمجھنے میں خطا ہوجائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے کیونکہ ما علی المحسنین من سبیل

۳۔ جب کوئی شخص کسی شخص کا مال تلف کر رہا ہو اور اگر اسے بچانے کی کوئی معقول کوشش نہ کی گئی تو سب مال تلف ہوجائے گا تو اگر وہ اس مال کا کچھ حصہ تلف کر کے باقی کو بچا لے تو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کیونکہ ما علی المحسنین من سبیل وغیرہ وغیرہ (تفسیر کاشف)۔

۸۰۔ اِنَّمَا السَّبِيۡلُ عَلَى الَّذِيۡنَ ...الآیۃ

مواخذہ تو صرف ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہونے کے باوجود زاد و راحلہ رکھنے کے باوجود اور جوانی و صحت کے باوجود بچوں اور عورتوں کے ساتھ پیچھے رہ جانے کے لئے اجازت طلب کرتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی بے حمیتی اور اپنی اخلاقی و ایمانی موت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اور انہی علل و اسباب کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اس لیے وہ کچھ جانتے ہی نہیں ہیں اگر ان کے یہی لیل و نہار رہے اور ان کی یہی روش اور رفتار برقرار رہی تو پھر ع

انجام گلستان کیا ہوگا؟

رزقنا اللہ تعالی حس الخاتمہ و حسن العاقبہ بحق النبی عترتہ الطاہرہ

آیات القرآن

يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ قُلْ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۹۴ سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾

ترجمة الآيات

جب تم لوگ (جہاد سے) لوٹ کر ان کے پاس جاؤ گے۔ تو وہ (منافقین) طرح طرح کے عذر پیش کریں گے۔ (اے رسول) تم کہہ دو بہانے نہ بناؤ۔ ہم ہرگز تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کریں گے۔ (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات بتا دیئے ہیں۔ اب آئندہ اللہ تمہارا طرز عمل دیکھے گا اور اس کا رسول بھی پھر تم غائب اور حاضر کے جاننے والے (خدا) کی طرف لوٹائے جاؤ گے وہ تمہیں بتلائے گا جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے رہے ہو۔ (۹۴) جب تم ان کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو وہ ضرور تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے۔ تا کہ تم ان سے درگزر کرو۔ سو تم ان سے رخ پھیر ہی لو۔ یہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ ان کے کئے کی سزا ہے جو وہ کرتے رہے ہیں۔ (۹۵) یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ تم اگر ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تو کبھی فاسق (نافرمان) قوم سے راضی ہونے والا نہیں ہے (۹۶) صحرائی عرب کفر و نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں اور اسی قابل ہیں کہ ان احکام کے حدود و قیود کو نہ سمجھیں جو خدا نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔ (۹۷)

تشریح الالفاظ

۱۔ **یعتذرون**۔ اعتذار کا جب صلہ عن یا من ہو تو اس کے معنی عذر بیان کرنے کے ہوتے ہیں اور جب اس کا صلہ ''الی'' ہو تو پھر مفہوم عذر پیش کرنے کا ہوتا ہے

۲۔ **لن نومن لکم**۔ آمن کا صلہ جب با ہو جیسے آمن بہ تو اس کے معنی اس کی تصدیق کرنے او

راس پر یقین لانے کے ہوتے ہیں اور جب اس کا صلہ لام ہو جیسے امن لہ تو اس کے معنی اطاعت و تابعداری کرنے کے ہوتے ہیں

۳۔ اعراب۔ اعرابی کی جمع ہے جس کے معنی عرب کے دیہاتی کے ہیں۔ یعنی بدو

تفسیر الآیات

۸۱۔ یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ ...الآیة

اس آیت کا سیاق وسباق کیا بتاتا ہے

اس آیت کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ آیت اس وقت اتری ہے جب حضرت رسول خداؐ اور مسلمان غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ لوٹ رہے تھے۔ اور جو منافقین جھوٹے عذر بہانے کر کے شریک جہاد نہیں ہوئے تھے۔ یہ تو سمجھے ہوئے تھے کہ مسلمان بہ سلامت واپس نہیں لوٹیں گے۔ کیونکہ ان کی روم کی وسیع وعریض اور مضبوط حکومت سے جنگ تھی ان کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو تہس نہس کر دیں گے مگر مسلمان جب مظفر و منصور ہو کر واپس لوٹنے لگے اور ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ تو خدائے علیم وحکیم ان لوگوں کے آئندہ کردار اور ان کی رفتار کی پیشگی خبر دے رہا ہے۔ کہ جب آپ بخیر وعافیت مدینہ پہنچے گے تو یہ لوگ پرانی عادت کے مطابق آئیں گے اور شریک سفر نہ ہونے کے طرح طرح کے عذر و بہانے پیش کریں گے اور جب دیکھیں گے کہ ان کی عذر و معذرت کی باتوں کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ تو پھر وہ قسمیں کھانی شروع کر دیں گے۔

ان لوگوں کا بہانے بنانے اور قسمیں کھانے سے مقصد کیا تھا

دونوں آیتوں کو مدنظر رکھنے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے اس کاروائی سے دو مقصد تھے۔ ایک یہ ہے کہ ان سے درگزر کیا جائے۔ اور ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔

دوسرا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان ان سے خوش ہوجائیں اور ان کا کوئی شکوہ شکایت نہ کریں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ ان سے صاف صاف کہہ دو کہ تم جھوٹے عذر بہانے نہ بناؤ۔ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات وکوائف سے آگاہ کر دیا ہے اس لئے اب ہم تم پر اعتبار کرنے والے نہیں ہیں۔ البتہ مستقبل میں خدا اور سول تمہارے عمل و کردار کو دیکھیں گے۔ کہ تم منافقت سے باز آتے ہو یا اس پر اصرار کرتے ہو؟ اس کے مطابق تم سے سلوک کیا جائے گا۔ اور جہاں تک ان کے پہلے مقصد کا تعلق ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ان سے در

گذر کرو۔ اور کوئی تعرض نہ کرو۔ کیونکہ یہ لوگ سراسر ناپاک اور سراپا خیانت ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور جہاں تک ان کے دوسرے مقصد کا تعلق ہے کہ تم ان سے خوش ہو جاؤ تو یہ غلط ہے۔ ایسا کرنا ممکن نہیں ہے بھلا جب مسلمانوں پر ان کی منافقت الم نشرح ہو چکی ہے۔ تو پھر وہ کس طرح دل و جان سے ان سے خوش ہو سکتے ہیں؟ ارشاد قدرت ہے اے مسلمانو! بالفرض اگر تم ان لوگوں سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ ان سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔ ان الله لا يرضى عن القوم الفاسقين۔ اور ظاہر ہے کہ اخروی نجات کا دار و مدار خدا کی رضا مندی پر ہے لوگوں کی رضا یا ناراضی پر نہیں ہے۔

۸۲۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ... الآیۃ۔

بدوؤں کا تذکرہ اور ان کی اکثریت کے کفر و نفاق میں سخت ہونے کی وجہ؟

مدینہ کے منافقین کے حالات کا تذکرہ کرنے کے بعد اب ان آیات میں ان بادیہ نشین بدوؤں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو مدینہ کے اطراف اور مضافات میں رہتے تھے ان آیتوں کے مطالب کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ اکثریت ان لوگوں کی ہے۔ جو کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں راہِ خدا میں صدقہ و خیرات کرنا جرمانہ سمجھتے ہیں۔ اور اللہ کے احکام کے حدود و قیود کو نہیں سمجھتے۔ اور مسلمانوں کے خلاف حوادث روزگار اور گردش لیل نہار کا انتظار کرتے ہیں۔ اور یہ کوئی اصول یا قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ عمومی قانون قدرت اور آئین فطرت کا بیان ہے کہ شہری اور دیہاتی زندگی میں نمایاں فرق ہوتا ہے شہر میں چونکہ عموماً علمی ماحول ہوتا ہے۔ علمی ادارے ہوتے ہیں۔ وہاں بالعموم علم و فن کا تذکرہ ہوتا ہے اور بزرگوں کی صحبت میسر ہوتی ہے۔ اس لئے شہری لوگ اکثر و بیشتر متمدن اور مہذب ہوتے ہیں اس لئے وہ نئی تہذیب اور نئی معقول بات کو جلد قبول کر لیتے ہیں۔ بخلاف اس کے چونکہ دیہاتی لوگوں کو یہ مواقع میسر نہیں آتے۔ اور چونکہ وہ مرکز سے دور ہوتے ہیں اور صحیح تہذیب و تمدن سے آشنا نہیں ہوتے اس لئے وہ اپنے نظریہ پر بڑی مضبوطی سے قائم ہوتے ہیں وہ آسانی سے اس کے خلاف کوئی بات سننے اور قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ وہ اگر کافر و منافق ہوں تو اپنے کفر و نفاق میں سخت ہوتے ہیں اور اگر مومن ہوں تو اپنے ایمان میں بہت راسخ اور پختہ ہوتے ہیں بہرکیف چونکہ ان کی سوچ سطحی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے لئے دین کی نزاکتوں کو سمجھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا دشوار ہوتا ہے بہر حال یہاں جن صحراء نشین بدو منافقین کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے سوچ سمجھ کر دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی انہوں نے اسلام کے حقائق و معارف اور اس کے تقاضوں کو سمجھ کر اس کی روحانی کشش اور جاذبیت سے متاثر ہو کر اسے اختیار کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے اسلام کی روز افزوں ترقی اور طاقت سے مرعوب ہو کر

وقتی مصلحت کے تحت اسلام قبول کیا تھا اسلئے وہ چاہتے تھے کہ وہ اس کے فوائد سے تو متمتع ہوں۔مگر اس کی پابندیوں سے بچ جائیں۔اس لئے ان کو نماز پڑھنے جہاد کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی پابندیاں اور اخلاقی بندشیں ناگوار تھیں۔اس لئے وہ ان سے گلوخلاصی کرانے کے لئے ہر قسم کی بہانہ سازی کرتے تھے۔

۲۔ان صحراءنشینوں کی دوسری قسم وہ اقلیت تھی۔اور ایسے افراد پر مشتمل تھی جو خداوند اور یوم جزاء پر مکمل ایمان رکھتی تھی اور خدا کے تقرب اور پیغمبر اسلام کی دعا کا وسیلہ سمجھ کر صدقہ وخیرات کرتی تھی سیدخلھم اللہ فی رحمتہ۔عنقریب اللہ ان کو اپنی رحمتِ واسعہ میں داخل کرے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی۔

آیات القرآن

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ‌ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ‌ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ‏ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ‌ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ‌ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ‏ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا‌ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ‏ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنۡ حَوۡلَـكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ مُنٰفِقُوۡنَ‌ ۛؕ وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ‌ ؔۛ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡ‌ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ‌ ؕ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ‌ ۚ‏ ﴿۱۰۱﴾

ترجمۃ الآیات

صحرائی عربوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ (راہِ خدا میں) جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے جرمانہ سمجھتے ہیں اور تمہارے بارے میں زمانہ کی گردشوں کے منتظر ہیں۔ (کہ تم پر کوئی گردش آجائے اور وہ اسلام سے گلو خلاصی کرائیں) حالانکہ بڑی گردش انہی (منافقین) کے لئے ہے۔ خدا سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۹۸) اور انہی بدوؤں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ اسے اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ بے شک وہ (خرچ کرنا) ان کے لئے تقرب کا ذریعہ ہے۔ اللہ ضرور ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (۹۹) اور مہاجرین اور انصار میں سے جو ایمان لانے میں سبقت کرنے والے ہیں اور جن لوگوں نے حسن عمل میں ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہے۔ اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ اور اس نے ان کے لئے ایسے بہشت مہیّا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (۱۰۰) اور جو تمھارے ارد گرد صحرائی عرب بستے ہیں ان میں کچھ منافق ہیں۔ اور خود مدینہ کے باشندوں میں بھی (منافق موجود ہیں) جو نفاق پر اڑ گئے ہیں۔ (اس میں مشاق ہو گئے ہیں) (اے رسول) آپ انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں۔ ہم ان کو (دنیا میں) دوہری سزا دیں گے۔ پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے (۱۰۱)

تشریح الالفاظ

۱۔ مغرماً۔ غرامت اور غرم کے معنی تاوان برداشت کرنے کے ہیں۔ ۲۔ دوائر دائرہ کی جمع ہے جس کے معنی اس حلقہ کے ہیں جو کسی چیز کو گھیرے ہوئے ہو اور گردش زمانہ اور اس کی مصیبت کے ہیں۔ ۳۔ مرود و مرادہ کے معنی نافرمانی و سرکشی کے ہیں۔ اور جب اس کا صلہ علی ہو جیسے مردوا علی النفاق تو اس کے معنی جمے رہنے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۸۳۔ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ...الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر قبل ازیں سورہ انفال کی آیت ۷۲ ان الذین آمنوا وھاجروا ... الآیۃ کی تفسیر میں جو اس آیت سے ملتی جلتی ہے۔ فی الجملہ گذر چکی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

لوگوں کے چند اقسام کا بیان

یہاں صرف چند باتوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔ ان آیتوں میں لوگوں کی چار قسموں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور آیت ۱۰۶ میں ایک پانچویں قسم کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس طرح لوگوں کی کل پانچ قسمیں ہو جاتی ہیں۔

۱۔ سابقون اولون از مہاجرین واز انصار۔ ۲۔ سابقوں اولوں از مہاجرین و انصار کے تابعون باحسان جنہوں نے اعمال و کردار میں سابقون اولون کا مکمل اتباع کیا۔ ۳۔ منافقوں۔ ۴۔ نیکیاں اور بدیاں خلط ملط کر کے اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والے عموماً اہل ایمان کی اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہوتی ہے۔ کہ جو جذبہ ایمانی کے تحت نیکیاں کرتے ہیں۔ اور غلبہ ہوا۔ و ہوس کے تحت گناہ بھی کر لیتے ہیں۔ مگر جلد ہی اپنے گناہوں کا اقرار کر کے ان سے توبہ کر لیتے ہیں۔ ۵۔ جن کا معاملہ اللہ کے حکم پر موقوف ہے۔

ان اقسام کے احکام

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس آیت میں ہجرت اور نصرت میں سبقت کی بڑی مدح و ثناء کی گئی ہے۔ مگر دو باتوں کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ ۱۔ اس سبقت سے مراد کیا ہے؟ اس لئے مفسرین میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس سے جنگ بدر سے پہلے والی سبقت مراد لی ہے اور بعض نے بیعت رضوان سے پہلے والی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ بہر نوع سبقت ایک اضافی چیز ہے اور اس کے مختلف درجے ہیں اگرچہ پہلا قول راجح ہے جب اسلام بالکل کمزور تھا اور مسلمان بالکل بے نوا بہرحال ان سابقین اولین کے بعد والے صحابہ کرام مہاجر ہوں یا انصار وہ دوسرے درجہ میں شامل ہوں گے۔

۲۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ خداوند عالم نے ہجرت اور نصرت میں سبقت کرنے والوں اور ان کے تابعین کے لئے جنان و رضوان کا وعدہ کیا ہے۔ مگر غور طلب یہ بات ہے کہ آیا اس انعام کے استحقاق کے لئے

صرف ہجرت ونصرت میں سبقت کرنا ہی کافی ہے کہ اس کی موجودگی میں وہ جو چاہیں کریں یا یہ انعام کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہے؟ ہم سورہ انفال کی آیت ۷۲ کی تفسیر میں ناقابل رد دلائل سے ثابت کر آئے ہیں کہ یہ فضیلت اور یہ ثواب چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ اور منجملہ ان شرائط کے ایک شرط ایمان ہے۔ دوسری خدا و رسول کی اطاعت ہے اور تیسری خاتمہ بالخیر ہونا۔ لہٰذا اگر کسی میں ایمان نہیں ہے۔ یا اس نے عمل صالح نہیں کیا۔ یا اگر کسی کا خاتمہ بالخیر نہیں ہوا۔ تو پھر وہ اس اجر وثواب بے حساب کا مستحق نہیں ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔

و من یعمل من الصلحت من ذکرا و انثی و ھو مومن فاولیك یدخلون الجنة۔

(النساء ۱۲۲) جو کوئی اچھے کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

نیز فرماتا ہے" **ومن یعمل سوء یجزبه ولا یجدله من دون الله ولیا ولا نصیرا**"۔ (نساء...... ۱۲۲) جو کوئی برا کام کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سرپرست اور کوئی یار و مددگار نہیں پائے گا ان حقائق سے معلوم ہو گیا کہ آیت میں مستقبل کی زندگی کے متعلق کوئی ضمانت نہیں دی گئی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں انہیں کوئی برائی ضرر و زیاں نہیں پہنچائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ اخروی انجام انسان کی مجموعی زندگی اور بالخصوص آخری حالت کے ساتھ وابستہ ہوگا۔ **انما الاعمال بالخواتیم**۔ یعنی کام وہ اچھا ہے جس کا کہ انجام اچھا ہے بعد ازاں صاحب تفسیر حقانی کے اس قول میں کیا وزن باقی رہ جاتا ہے کہ "اب شیعہ کو اس آیت کے بعد صحابہ مہاجرین وانصار سابقین اولین کی نسبت بدگمانی نہ کرنا چاہیے"۔ (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۵۱۳)

شیعہ حضرات کسی صحابی رسولؐ بلکہ کسی عام مسلمان کے متعلق بھی بدگمانی نہیں کرتے کیونکہ بموجب ان بعض الظن اثم یعنی بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں بلکہ وہ تمام شرعی شرائط اور تمام اسلامی قواعد وضوابط کو مدنظر رکھ کر اور کسی شخص کے تمام عقائد واعمال سامنے رکھ کر اس کے متعلق کوئی تحقیقی نظریہ قائم کرتے ہیں۔

ایضاح

اسی طرح اس تحقیق انیق سے فاضل رازی صاحب المنار اور قاضی پانی پتی کے اس بیان کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب جنت میں جائیں گے اگرچہ ان میں وہ لوگ بھی ہوں جن سے دنیا میں گناہ ہوئے" یہ پیغمبر اسلام کے بعد آل رسول علیہم السلام کو اپنے ظلم و جور کا تختہ مشق بنانے والوں کی بھونڈی وکالت کے سوا اور کیا ہے؟ کیا خدا کے ہاں نجات کا دوہرا معیار ہے صحابہ کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے اور؟ اگر ان لوگوں کو سب کچھ معاف تھا تو پھر قرآن وسنت غلط کام واقدام کرنے والے صحابہ کرام کی مذمت سے کیوں لبریز نظر آتے ہیں؟؟

مالکم کیف تحلمون۔

ایضاح

قرآن مجید میں ان مہاجرین اولین، مومنین اولین اور انصار اولین کا نام نہیں لیا گیا۔ بلکہ اس چیز کے معلوم کرنے کا ذریعہ تاریخ اسلام ہے کہ کون کون لوگ ان خوش قسمت افراد میں داخل ہیں۔ مگر ایک بات نا قابل رد تاریخی دلائل وشواہد سے ثابت ہے کہ مومنین اولین اور مہاجرین اولین کی فرد کامل و اکمل حضرت علیؑ ہیں۔ مسلم اول شاہ مرداں علیؑ آپ حقیقی معنی میں سابق الایمان بھی ہیں اور سابق الہجرت والنصرت بھی ہیں۔ آپؑ نے دونوں قبلوں کی طرف نماز بھی پڑھی ہے اور دونوں بیعتیں بھی کی ہیں یعنی بیعت اولی بھی اور بیعت رضوان بھی اور دو ہجرتیں بھی کیں ہیں یعنی ہجرت حبشہ بھی اور ہجرت مدینہ بھی۔ یہ رتبہ بلند و بالا جس کو مل گیا۔

۳۔ منافقین کی سزا قرآن نے یہ بیان کی ہے کہ **سنعذبھم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم**۔ ہم انہیں دوبار سزا دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹا جائیں گے اس دوبار سے بار بار کی سزا بھی مراد ہو سکتی ہے اور قیامت کے عذاب عظیم سے پہلے موت اور قبر والی سزا بھی (تفسیر صافی) جس کا سورہ انفال کی آیت ۵۰ میں تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

۴۔ نیکی اور بدی خلط ملط کرنے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والوں کی جزا یہ بیان کی گئی ہے۔ عسی اللہ ان یتوب علیھم۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلے اور ان پر نظر رحمت فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک غیر معصوم انسان کے لئے کوئی گناہ کرنا کوئی بڑی برائی نہیں ہے بلکہ اصل برائی اس غلطی اور گناہ پر قائم رہنا اور اس کی تاویلیں کرنا اور جرم کا اعتراف نہ کرنا ہے لہذا جو شخص گناہ کر کے اپنے جرم کا اعتراف کرلے اور پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے وہ قابل معافی قرار پاتا ہے چنانچہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اس آیت سے بڑھ کر اس امت کے لئے اس قرآن میں اور کوئی آیت نہیں ہے۔ اور ابوحمزہ سے منقول ہے کہ ان لوگوں سے وہ تین شخص مراد ہیں۔ جو غزوہ تبوک میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ بلا عذر شرعی نہیں گئے تھے۔ اور بعد ازاں نادم و پشیمان ہوئے۔ اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔ اور آنحضرت نے واپسی پر حکم خدا سے ان کو کھولا اور ان کے نام یہ تھے۔ ۱۔ ابولبابہ بن عبد المنذر۔ ۲۔ ثعلبہ بن ودیعہ۔ ۳۔ اوس بن حزام (مجمع البیان و تفسیر ابوالفتوح رازی)۔

۵۔ وہ جن کا معاملہ اللہ کے حکم پر موقوف ہے۔ ان کی جزا یہ بیان کی گئی ہے۔ **اما یعذبھم واما یتوب علیھم**۔ چاہے تو ان کو سزا دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے وہ علیم و حکیم ہے وہ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ وہ جو بھی کام کرتا ہے وہ اپنے علم و حکمت کے مطابق کرتا ہے۔

۸۴۔ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ ... الآية

مدینہ منورہ کے اندر منافقوں کا موجود ہونا

اس آیت اور اس جیسی دوسری بہت سی آیات و روایات سے واضح ہوتا ہے کہ جس طرح مدینہ کے اطراف و مضافات والے مسلمانوں میں منافق موجود تھے۔ اسی طرح خود مدینۃ النبی میں بھی منافق موجود تھے۔ اور وہ اپنے اوپر اسلام کا نمائشی رنگ چڑھانے اور کفر چھپانے میں اتنے ماہر و مشاق تھے کہ عام مسلمان تو بجائے خود حضرت رسول خداؐ بھی ان کو نہ جانتے تھے۔ صرف اللہ ہی ان کو خوب جانتا تھا۔ اور اس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و فضل میں کسی قسم کا کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ اتنا جانتے ہیں۔ جتنا خداوند عالم ان کو جنواتا ہے۔ ولا يحيطون بشئ من علمه الا بما شاء۔ البتہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کی صریح نفی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس مسئلہ کی چوتھے پارے میں مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ تو جب حضرت رسول خداؐ علم غیب نہیں جانتے تو اس سے ان احمق صوفیوں کے اس دعوٰی کے غلط ہونے پر کیا شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے جو صفائے قلب اور اشراقیت وغیرہ کی بناء پر کشف قبور، روحانیت، کشف صدور اور اطلاع علی الغیوب کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور اس سے ان مدعیان روحانیت کے اس دعوی کی قلعی بھی کھل جاتی ہے کہ وہ ہر شخص کو دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں کہ آیا وہ جنتی ہے یا دوزخی ہے؟ پھر وہ جنتی سے تو مصافحہ کرتے ہیں مگر جہنمی سے نہیں کرتے۔ جیسا کہ بعض تقدس مآبوں کے بارے میں مسموع ہوا ہے آیا ان کا مقام نبی و امام سے بالاتر ہے؟ ما لكم كيف تحكمون؟

آیات القرآن

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ

الرَّحِيۡمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمۡ وَاِمَّا يَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۰۶﴾

ترجمۃ الآیات

دوسرے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے (مگر) انہوں نے نیک اور بدعمل خلط ملط کر دیئے ہیں بہت ممکن ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے۔ (اور ان پر رحمت کی نظر ڈالے) بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (۱۰۲) اے رسول! ان لوگوں کے مال سے صدقہ (زکوٰۃ) لیں اور اس کے ذریعہ سے انہیں پاک و پاکیزہ کریں۔ اور (برکت دے کر) انہیں بڑھائیں نیز ان کے لئے دعا خیر کریں کیونکہ آپ کی دعا ان کے لئے تسکین کا باعث ہے اور خدا بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔ (۱۰۳) کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول کرتا ہے یقیناً اللہ ہی توبہ کا بڑا قبول کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے (۱۰۴) (اے رسول) ان لوگوں سے کہہ دو۔ کہ تم عمل کئے جاؤ اللہ، اس کا رسول اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھیں گے (کہ تم کیسے عمل کرتے ہو) اور پھر غائب اور حاضر کے جاننے والے (خدا) کی طرف لوٹائے جاؤ گے بس وہ تمہیں بتلائے گا تم کیا عمل کرتے ہو (۱۰۵) اور کچھ اور لوگ ایسے بھی ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم پر موقوف ہے وہ انہیں سزا دے گا یا ان کی توبہ کرے گا اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔ (۱۰۶)

تشریح الالفاظ

۱۔ **خلطوا**۔ خلط کے معنی ہیں۔ ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانا۔ ۲۔ **یزکیھم**۔ زکی یزکی کے معنی ہیں بڑھنا اور پاک کرنا اور مال کی زکوٰۃ دینا۔ ۳۔ **مرجون**۔ رجا کے معنی امید کرنے اور کسی سے امید باندھنے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۸۵۔ وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُو ... الآیۃ۔

اس آیت کی تفسیر (ابھی اوپر نمبر ۴ کے ذیل میں گذر چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے)۔ نیز اس کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا اس سے وہ اہل ایمان مراد ہیں جو اپنے ایمان کے باوجود بعض ایسے گناہ کر گذرتے ہیں جن کو دوسرے اہل ایمان باعث عیب سمجھتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں فاولئك عسیٰ اللہ ان یتوب علیہم (نور الثقلین، برہان)

۸۶۔ خذ من اموالھم ... الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

اس آیت کی شان نزول میں مروی ہے جیسا کہ سابقہ آیت کی تفسیر میں وارد ہے کہ جب ان تین آدمیوں کی خدا نے توبہ قبول کر لی جو بلا عذر شرعی غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ تو انہوں نے قبولیت توبہ کی خوشی میں اپنے مال لاکر بارگاہ رسالت میں پیش کر دیئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ یہ وہ مال ہیں جن کی محبت نے ہمیں آپ کے ہمراہ جانے سے روکا۔ انہیں لے کر خیرات کریں اور ہمیں گناہوں سے پاک کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آنحضرتؐ نے ان سے وہ مال زکوٰۃ وصول فرمایا جو شرعاً مقرر ہے (نور الثقلین و در منثور)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا جب آیت زکوٰۃ "خذ من اموالھم صدقۃ" نازل ہوئی تو رسول خداؐ نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں ندا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اس طرح زکوٰۃ فرض کی ہے جس طرح نماز فرض کی ہے لہٰذا خدا نے سونے چاندی، اونٹ گائے پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔

یہاں تک کہ منادی کرائی گئی ایھا المسلون زکوا اموالکم تقبل صلوتکم۔ اے مسلمانو! اپنے مال کی زکوٰۃ دو تا کہ تمہاری نماز قبول ہو۔ (الکافی)۔

۸۷۔ صَلِّ عَلَيْهِمْ ... الآیۃ۔

زکوٰۃ وصول کرتے وقت ادا کرنے والے کے حق میں دعا کرنے کا حکم

اس آیت مبارکہ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جن سے زکوٰۃ وصول کریں ان کے حق میں دعا خیر کریں۔ کیونکہ ان کی دعا سے ان لوگوں کی تسکین قلب ہوتی ہے اور بے قرار دلوں کو سکون و قرار ملتا

ہے۔ چنانچہ آپ کا دستور تھا۔ کہ جب کوئی جماعت زکوٰۃ پیش کرتی تھی تو آپ اس کے حق میں دعائے خیر کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ اللھم صل علیھم ۔ چنانچہ جب عبداللہ بن ابی اوفی نے اپنی زکوٰۃ بارگاہِ رسالت میں پیش کی تو آپ نے فرمایا اللھم صلی علی آل ابی اوفی (مجمع البیان وصحیح بخاری) مخفی نہ رہے کہ صلوہ سے یہاں دعا مراد ہے لہٰذا صل علیہم کے معنی ہوں گے ادع لہم ۔ کہ ان کے لئے دعا کریں۔

ایضاح۔ واضح رہے کہ اگرچہ یہ خطاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے کہ ان کے حق میں دعائے خیر کریں۔ مگر بالاتفاق یہ حکم صرف آپ کی ذات یا آپ کے زمانہ تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہر اس شخص کو ہے جو حاکم شرع اور عالم دین ہونے کی حیثیت سے لوگوں سے مالی شرعی حقوق وصول کرے کہ وہ ان لوگوں کے حق میں ضرور دعا خیر کرے۔ چنانچہ تفسیر عیاشی میں لکھا ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اجاریة ھی فی الایام بعد رسول اللہ؟ یہ حکم حضرت رسول خدا کے بعد والے زمانہ میں بھی جاری ہے؟ فرمایا نعم۔ ہاں (عیاشی)

نیز آیت کے اس فقرہ "صدقةً تطھر ھم و تزکیھم" (کہ لوگوں کو اس صدقہ کے ذریعہ سے پاک کریں اور ان کے نفوس کا تزکیہ کریں) سے مستفاد ہوتا ہے کہ زکوٰۃ بھی نماز اور دیگر اسلامی عبادات کی طرح ایک مالی عبادت ہے۔ جو ادا کرنے والوں کی تطہیر و تزکیہ کا باعث ہوتی ہے یہ کوئی حکومتی ٹیکس نہیں ہے جیسا کہ ماڈرن اسلام پیش کرنے والے اور جدید معارف اور مفہوم القرآن لکھنے والے جدید مفسرین کا ناقص خیال ہے۔ یہ تفسیر بالرائے ہے ومن فسر القران برایہ فلیتبو أمقعدہ من النار۔

۸۸۔ لَمۡ یَعۡلَمُوۡٓا ... الآیة۔

توبہ اور صدقہ کا قبول کرنا اللہ کا کام ہے

آیت کا سیاق و سباق اور انداز بیاں بتاتا ہے کہ یہاں کچھ لوگوں کی یہ غلط فہمی دور کی جا رہی ہے کہ بندوں کی توبہ اور ان کے صدقہ خیرات کو قبول کرنا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ آپ بعض لوگوں کی معذرت قبول کر کے معاف کر دیتے ہیں اور بعض کو معاف نہیں کرتے۔ اور آپ بعض کا صدقہ وصول کر لیتے ہیں۔ اور بعض سے نہیں کرتے تو انہوں نے خیال کیا۔ کہ یہ قبول و عدم قبول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل ہے تو یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جا رہا ہے اور واضح کیا جا رہا ہے کہ توبہ ہو یا صدقہ۔ اس کا قبول کرنا اور اس پر اجر و ثواب عطا کرنا خدا کا کام ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام نہیں ہے البتہ اللہ اپنے اس فعل کا اظہار اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے کرتا ہے۔

قبولیت توبہ کے بعض اہم شرائط کا بیان

مخفی نہ رہے کہ ہر کام کی طرح قبولیت توبہ کے بھی کچھ قواعد و شرائط ہیں اگر ان کو مدنظر رکھ کر توبہ کی جائے تو پھر یقینا قبول ہوجاتی ہے وہ شرائط کیا ہیں؟ وہ اس آیت میں مذکور ہیں۔ ارشاد قدرت ہے۔

وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اهتدی۔ (القرآن)۔

یعنی میں اس کی توبہ قبول کرتا ہوں۔

۱۔ جو (اس گناہ سے) باز آجائے جس سے توبہ کر رہا ہے۔ ۲۔ (پہلے بے ایمان تھا) تو اب ایمان لائے۔ ۳۔ پہلے بدعملیاں کی ہیں تو اب نیک عمل بجالائے یعنی تلافی مافات کرلے)۔ ۴۔ پہلے ہدایت یافتہ نہیں تھا تو اب راہِ راست پر آجائے یہ چار چیزیں توبہ کی قبولیت کے ارکان ہیں۔ جن کا توبہ کرتے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے مخفی نہ رہے کہ راہ راست پر آنے میں خاندانِ رسالت کی ولایت کا اقرار کرنا بھی شامل ہے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا: لا خیر فی الدنیا الا لا حدا جلین رجل یز اداد کل یوم احساناً ورجل یتدارك ذنبه بالتوبة۔ وانی له بالتوبة والله لو سجد حتی ینقطع عنقه ماقبل الله ذالك منه الا بولا تينا اهل البيت۔ یعنی دنیا میں دو شخصوں کے سوا اور کسی کے لئے کوئی خیر و خوبی نہیں ہے ایک وہ جو ہر روز نیکی میں اضافہ کرلے۔ اور دوسرا وہ جو توبہ کرکے اپنے گناہ کا تدارک کرلے اور بھلا اس کی توبہ ہماری ولایت کے اقرار کے بغیر کس طرح قبول ہوسکتی ہے؟ اگرچہ اس قدر سجدے کرلے کہ اس کی گردن ٹوٹ جائے۔ (خصال شیخ صدوقؒ)

صدقہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتا ہے

لوگوں کو صدقہ و خیرات کرنے کی رغبت دلانے کی خاطر حکماء اسلام نے بطور استعارہ و مجاز یہاں تک فرمایا ہے کہ سائل کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے صدقہ خدا کے ہاتھ میں جاتا ہے وہ اسے قبول کرتا ہے اور وہی اس کی جزاء دیتا ہے۔ پھر اس کی تلاوت فرمائی۔ الم یعلمون ان الله ان هو یقبل الآیه۔ اور پھر واضح فرمایا کہ یہاں ''اخذ'' سے مراد قبول ہے (کتاب الخصال ونور الثقلین) اس لئے بعض احادیث میں وارد ہے کہ جب سائل کو کچھ دو تو اس سے دعائے خیر کی استدعا کرو۔ اور پھر اپنے ہاتھ کو بوسہ دو کیونکہ وہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے قبل خدا کے ہاتھ میں جاتا ہے (کتاب التوحید)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا والد ماجد جب سائل کو کچھ صدقہ دیتے تھے تو

ایک بار اس کے ہاتھ پر رکھ کر واپس لے لیتے تھے اور پھر اسے بوسہ دیتے اور سونگھتے تھے بعد ازاں سائل کے ہاتھ میں دے دیتے تھے۔(تہذیب الاحکام)

۸۹۔ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہ...الآیۃ۔

اللہ، اس کے رسولؐ اور خاص اہل ایمان کے لوگوں کے اعمال کو دیکھنے کا صحیح مفہوم

اس قسم کی ایک آیت اس سے پہلے (۳۹ پر) گذر چکی ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں صرف خدا اور رسول کا تذکرہ تھا اور خطاب منافقین سے تھا کہ عذر بہانے بنانے والے منافقوں سے کہو کہ ہم تمہاری زبانی باتوں پر اعتبار نہیں کرتے۔ بلکہ خدا و رسول تمہارے مستقبل کے عمل کو دیکھیں گے۔ کہ آیا تم منافقت سے باز آتے ہو یا نہ؟ مگر یہاں بظاہر خطاب دعویداران ایمان سے ہے کہ تم عمل کرو بے شک اللہ اور اس کا رسول اور بعض کامل الایمان اہل ایمان تمہارے عمل کو دیکھ رہے ہیں۔

یہ کامل الایمان حضرات کون ہیں؟ ہماری متعدد احادیث میں وارد ہے کہ اس سے آئمہ اہلبیتؑ مراد ہیں۔(بصائر الدرجات، الکافی، سابع بحار الانوار وغیرہ)۔

نسبت کے بدل جانے سے ایک ہی لفظ کے معنی بدل جاتے ہیں

اگرچہ رویئت کا لفظ ایک ہے اور دیکھنے والے حضرات تین ہیں۔ ا۔اللہ۔ ۲۔رسول۔ ۳۔خالص و مخلص اور کامل اہل ایمان۔ مگر ارباب دانش وبینش کے لئے یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ کسی لفظ کی نسبت بدل جانے سے اس کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ جیسا کہ قبل ازیں سورہ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے لہٰذا یہاں اللہ کی رویئت سے اس کا ذاتی علمی واحاطی جاننا مراد ہے۔ اور رسول کی رویئت سے بذریعہ وحی ان کی اطلاع وآگہی مراد ہے اور کامل الایمان اہل ایمان کی رویت سے کراماً کاتبین کے ذریعہ سے لوگوں کے اعمال سے آگاہی حاصل کرنا ہے۔ سوموار اور جمعرات کے دن صبح وشام لوگوں کے اعمال ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور بعض روایات میں ہر صبح وشام مذکور ہے اور اس طرح ان کو لوگوں کے اچھے یا برے اعمال سے آگاہی حاصل ہوتی ہے (کتب مذکورہ بالا) اس بیان نیرالبرہان نے ان بعض کوتاہ اندیش اور بدعقیدہ لوگوں کے اس غلط استدلال کا تاروپود بکھر جاتا ہے۔ جو وہ سرکار محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کے حاضر وناظر ہونے کے خود ساختہ اور ناقابل فہم بدعقیدہ کے اثبات میں اس آیت سے کیا کرتے

ہیں اور واضح ہوگیا کہ ان کو لوگوں کے اعمال سے بذریعہ ملائکہ وکاتبین اطلاع حاصل ہوتی ہے وہ براہِ راست لوگوں کے ناظر اعمال ونگران نہیں ہیں۔ اس موضوع کی جملہ تفصیلات معلوم کرنے کی خواہشمند حضرات ہماری کتاب اصول الشریعہ کے چھٹے باب کی طرف رجوع کریں۔

۹۰۔ وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡن... الآیۃ۔

قبل ازیں آیت نمبر ۱۰۰ السابقون الاولون الآیہ کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے لوگوں کی جو پانچ قسمیں بیان کی ہیں ان میں سے پانچویں قسم یہی ہے جن کا معاملہ اللہ کے حکم پر موقوف ہے چاہے تو ان کو سزا دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرلے؟ یہ کون ہیں؟ اور ان کا حتمی حکم کیا ہے؟ آیت میں اس کی کوئی صراحت مذکور نہیں ہے بہت سے مفسرین نے اس کی شان نزول میں جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے ان چند افراد کا واقعہ درج کیا ہے جسے ہم نے اس سے پہلے لوگوں کی چوتھی قسم کی توضیح کے ذیل میں بیان کیا ہے مگر یہ تفسیر صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے کیونکہ ان کے پیچھے رہ جانے والے مخصوص لوگوں کا انجام تو معلوم ہے کہ انہوں نے توبۃ النصوح کی اور خدا نے قبول کرلی جبکہ آیت ۱۰۶ میں اجمالاً (عسی اللہ ان یتوب علیھم) اور آیت نمبر ۱۱۸ میں تفصیلا اس کا تذکرہ موجود ہے۔ ثم تاب علیھم۔ مگر یہ پانچویں قسم تو وہ ہے کہ جس کا انجام کسی کو معلوم نہیں ہے اور خدا کے حکم پر موقوف ہے تو پھر اس سے وہ افراد کس طرح مراد لئے جاسکتے ہیں جن کا انجام ہر قاری قرآن کو معلوم ہے؟ بعض تفسیروں میں بروایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر وشرک کے زمانہ میں جناب حمزہؓ اور جناب جعفر طیارؓ جیسے بزرگوں کو شہید کیا اور پھر اسلام لے آئے ان کا انجام کیا ہوگا؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے؟ (اصول کافی، تفسیر عیاشی وصافی وغیرہ)

اور بعض اخبار میں اس سے مستضعفین مراد لئے گئے ہیں۔ چنانچہ تفسیر نور الثقلین میں منقول ہے راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مستضعفین کے بارے میں دریافت کیا؟ فرمایا وہ نہ مومن ہیں اور نہ کافر۔ بلکہ وہ مرجون لامر اللہ ہیں۔

آیات القرآن

وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا وَّكُفۡرًا وَّتَفۡرِيۡقًۢا بَيۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ وَلَيَحۡلِفُنَّ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ

إِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝١٠٧ لَا تَقُمْ فِيْهِ أَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝١٠٨ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠٩ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝١١٠

ترجمۃ الآیات

اور (منافقوں میں سے) وہ لوگ بھی ہیں۔ جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنائی کہ نقصان پہنچائیں، کفر کریں اور مومنین میں تفرقہ ڈالیں۔ اور ان لوگوں کے لئے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور رسول سے جنگ کر چکے ہیں وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ بھلائی کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں (۱۰۷) (اے رسول) تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا بے شک وہ مسجد جس کے اول دن سے تقوی و پرہیزگاری پر بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس کی زیادہ مستحق ہیں کہ آپ اس میں کھڑے ہوں (مسجد قبا و مسجد نبوی) اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک وصاف رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک و صاف رہنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے (۱۰۸) وہ شخص بہتر ہے جو اپنی عمارت کی بنیاد خوف خدا اور اس کی خوشنودی پر رکھے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک کھائی کے گرتے ہوئے کنارے پر رکھی اور پھر وہ اسے لے کر دوزخ کی آگ میں جا گری اور اللہ ظالموں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ (۱۰۹) یہ عمارت جو ان لوگوں نے بنائی ہے (مسجد ضرار) یہ ہمیشہ ان کے دلوں کو مضطرب رکھے گی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں بلاشبہ خدا بڑا جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔ (۱۱۰)

تشریح الالفاظ

۱۔ ارصاد۔ اس کے معنی گھات میں بیٹھنے اور کمین گاہ کے ہوتے ہیں۔ ۲۔ شفا کے معنی کنارہ کے ہیں۔ ۳۔ جرف ھار۔ نہر کا وہ کنارہ جسے پانی نے ڈھا کر کھوکھلا کر دیا ہو۔

تفسیر الآیات

۹۱۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ... الآیة۔

مسجد ضرار کا تذکرہ

اوپر متعدد آیات میں منافقین کی متعدد خلاف اسلام کاروائیوں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ ان آیتوں میں ان لوگوں کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک گہری سازش کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اور وہ مسجد نبوی اور مسجد قبا کی موجودگی میں مسجد قبا کے قریب ایک نام نہاد مسجد کی تعمیر ہے۔ جسے بعد میں مسجد ضرار کا نام دیا گیا اس کا مختصر پس منظر یہ ہے۔ کہ بنی خزرج کا ابو عاہر نام کا ایک شخص عہد جاہلی میں عیسائی ہو گیا اور نصرانیوں کا راہب بن گیا اس کا اپنی قوم میں بڑا اثر ورسوخ تھا جب ہجرت کے بعد حضرت رسول خدا ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آنحضرت نے اسلام کی دعوت دی مگر اس نے اسلام قبول نہ کیا بلکہ اسلام پر بعض لایعنی ایرادات کئے جن کے آنحضرت ﷺ نے اسے شافی و کافی جوابات دیے مگر وہ بدقسمت اس سے مطمئن نہ ہوا اور کھلم کھلا آنحضرت ﷺ کی مخالفت کرنے لگا آپ اسے فاسق کہا کرتے تھے اور اس نے غزوہ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے خلاف کفار ومشرکین کا ساتھ دیا مگر جب ثقیف وہوازن کے دلیر خاندان بھی شکست کھا گئے اور مکہ فتح ہو گیا تو اس نے اس ارادہ سے شام کا رخ کیا کہ وہ وہاں جا کر قیصر روم کو مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ کرنے پر اکسائے گا اور اسی کی شرارت پر قیصر نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا جس کی سرکوبی کرنے کے لئے جنگ تبوک کا مشکل ترین لغر پیش آیا چنانچہ اس نے مدینہ کے منافقوں کو لکھا کہ وہ مسجد کے نام سے وہاں ایک مکان بنائیں جس میں اپنی قوت کو مجتمع کریں اس میں سامان حرب وضرب اکٹھا کریں اور باہمی مشورہ سے اپنے معاملات طے کریں تاکہ جب قیصر اپنے لشکر سمیت وہاں آئے تو اپنی اجتماعی قوت سے اس کی مدد کریں چنانچہ منافقین مدینہ نے مسجد قباء کے قریب مسجد نما مکان تعمیر کیا۔ اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اگرچہ وہاں پہلے سے مسجد

قباء موجود تھی مگر کچھ لوگ اس سے دور رہتے ہیں ان کے بوڑھوں اور بیماروں کو اس تک پہنچنے میں بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے نیز مسجد قبا تنگ ہے وسیع نہیں ہے۔

لہٰذا اس ضرورت کے تحت ہم نے ایک مسجد کی تعمیر کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ آپ برکت کی خاطر اس میں کم از کم ایک نماز پڑھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو تبوک کا سفر درپیش ہے اس لئے فرصت نہیں ہے لہٰذا واپسی پر خدا نے چاہا تو دیکھا جائے گا چنانچہ جب آپ جنگ تبوک سے بخیر و عافیت واپس لوٹے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو منافقین کا پھر ایک نمائندہ وفد حاضر ہوا اور یہی درخواست پیش کی اور قبل اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ہاں یا نہ میں کوئی جواب دیتے جبرائیل۔ بحکم رب جلیل یہ آیات لے کر حاضر ہوئے۔ اور آنحضرت کو تمام صورت حال اور منافقین کی اس گہری چال سے آگاہ کیا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند صحابہ کرام کو بھیجا کہ وہ اس مسجد کو گرا دیں اور اسے جلا دیں چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوئی اور اس جگہ کو کوڑا کرکٹ پھینکنے کا مرکز بنا دیا گیا اور اس طرح منافقین کی اس سازش کا خاتمہ ہوا اور خدا نے اسلام اور مسلمانوں کو ان کے فتنہ و شر سے محفوظ فرمایا۔

اس واقعہ سے حاصل شدہ بعض نتائج کا تذکرہ

(الف)۔ مسجد کی تعمیر ہو یا کوئی اور کار خیر اس کا دارومدار نیت اور خلوص پر ہے اگر نیت خالص ہو تو ایک ذرہ بھی رشک قمر بن جاتا ہے اور اگر نیت فاسد ہو تو گوہر بھی ٹھیکری بن جاتا ہے تعمیر مسجد سے منافقین کی نیت خدا کی خوشنودی حاصل کرنا نہیں تھی بلکہ اس کے سامنے مندرجہ ذیل مذموم مقاصد تھے۔

۱۔ ضرار۔ مسلمانوں کو ضرر وزیاں پہنچانا۔ ۲۔ کفر کو فروغ دینے کے لئے غور وفکر کرنا۔ ۳۔ **تفریق بین المومنین**۔ اہل ایمان میں تفرقہ ڈال کر ان کی جمعیت کو پراگندہ کرنا۔ ۴۔ ارصاداً لمن حارب اللہ۔ خدا اور رسول کے دشمنوں کے لئے کمین گاہ بنانا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ب۔ اگرچہ کوئی کار خیر ہی کیوں نہ ہو اگر اسے پارٹی بازی کے ارادہ سے کیا جائے تو وہ کام کرنے والا خدا کے قہر و غضب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

ج۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کل بلا ضرورت محض نام و نمود اور ضد و مقابلہ بازی کی خاطر مسجد کے مقابل مسجد، امام بارگاہ کے مقابل امام بارگاہ، مدرسہ کے مقابل مدرسہ اور انجمن کے مقابل انجمن بنانے کا کلچر فروغ پا رہا ہے۔ یہ عقلی و شرعی نقطہ نظر سے کوئی مستحسن اور پسندیدہ کام نہیں ہے لہٰذا اس روش سے احتراز لازم ہے ہاں البتہ جہاں شرعی و عرفی ضرورت ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

د۔لا تقم فیه ابدا سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایسی عبادت گاہ میں عبادت کرنا روا نہیں ہے جو کسی فاسد مقصد کی خاطر بنائی گئی ہو بلکہ اس مسجد میں نماز پڑھنی چاہیے جس کا سنگ بنیاد تقوی اور پرہیزگاری پر رکھا گیا ہو۔

۹۲۔فِيْهِ رِجَالٌ ... الآیة۔

اس مسجد تقوی میں ایسے لوگ ہیں جو اس بات کو پسند کرتے ہیں۔ کہ وہ پاک رہیں کی وہ تفسیر جو آئمہ طاہرینؑ سے مروی ہے۔اس میں وارد ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ پانی سے استنجاء وطہارت کرتے ہیں اور یہ ان کی امتیازی علامت ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ صفائی ستھرائی اسلام کی پسندیدہ چیز ہے اس لئے وارد ہے کہ النظافة شطر الایمان

۹۳۔لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ ... الآیة۔

یہ نام نہاد مسجد تعمیر کر کے منافقین نے اپنے اندر نفاق کی جڑوں کو اس طرح مستحکم کر لیا ہے کہ اب ان کو بیخ و بن سے اکھیڑنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک ان کے دلوں کو پاش پاش اور ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیا جائے ظاہر ہے کہ ہر عمل کے اثار و عواقب الگ الگ ہوتے ہیں لہٰذا مسجد ضرار کی تعمیر کے فتنہ کے برے عواقب و نتائج سے گلوخلاصی کرانا ممکن نہیں ہے۔یہ لوگ ہمیشہ آتش اضطراب میں جلتے رہیں گے۔

آیات القرآن

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ

اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ
مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ
اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ
حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١١٦﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ
مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ
الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾

ترجمة الآيات

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانیں خرید لی ہیں اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لئے بہشت ہے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پس مارتے بھی ہیں اور خود بھی مارے جاتے ہیں (ان سے) یہ وعدہ اس (اللہ تعالی) کے ذمہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں (سب) میں اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے وعدہ کا پورا کرنے والا ہے؟ پس اے مسلمانو! تم اس سودے پر جو تم نے خدا سے کیا ہے خوشیاں مناؤ۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے (۱۱۱) (ان لوگوں کے اوصاف یہ ہیں کہ) یہ توبہ کرنے والے، اللہ کی عبادت کرنے والے (اسکی) حمد و ثناء کرنے والے (اسکی راہ میں) سیر و سیاحت کرنے والے (یا روزہ رکھنے والے) رکوع و سجود کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے اور اللہ کی

مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور (اے رسول) مومنوں کو خوشخبری دے دو (اور یہی وہ مومن ہیں) (۱۱۲) نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں یہ زیبا نہیں ہے کہ مشرکین کے لئے مغفرت طلب کریں اگر چہ وہ ان کے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ ان پر واضح ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں (۱۱۳) اور ابراہیم نے جو اپنے باپ (تایا) کے لئے دعائے مغفرت کی تھی تو وہ ایک وعدہ کی بنا پر تھی جو وہ کر چکے تھے۔ مگر جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے بے شک جناب ابراہیم بڑے ہی دردمند اور غمخوار و بردبار انسان تھے۔ (۱۱۴)

تشریح الالفاظ

۱۔ **السائحون**۔ یہ السائح کی جمع ہے جس کے معنی مسجد میں رہنے والے، روزہ دار اور سیر و سیاحت کرنے والے کے ہیں۔ ۲۔ براء کے معنی ہیں کسی سے بیزار ہونا۔

تفسیر الآیات

۹۴۔ اِنَّ اللّٰهُ اشْتَرٰی ... الآیۃ۔

جنت کے عوض مومنین کے جان و مال کی خرید و فروخت

جنت کے عوض خدا کے اہل ایمان کے مال و جان کو خریدنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہاں حقیقۃً کوئی بیع و شرا ہوئی ہے ظاہر ہے کہ خریدی وہ چیز جاتی ہے جو پہلے ملکیت میں نہ ہو مگر یہاں تو حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف ہمارا مال و جان خدا کا ہے بلکہ جو کچھ کائنات ارضی و سماوی میں ہے اس سب کا حقیقی مالک اللہ ہے۔ للہ ما فی السموات والارض۔ کما قیل

در حقیقت مالک ہر شئے خدا است
ایں امانت چند روزہ پیش ما است

اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس خاموش معاہدہ کو جو ایمان لاتے وقت ایک بندہ اپنے معبود سے کرتا ہے۔ مجازاً بیع و شرا سے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کے مطابق گویا مومن کے مال و جان کا مالک اللہ ہوتا ہے اور اس کے عوض

جنت کا مالک بندہ بن جاتا ہے۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ اسی وقت اہل ایمان کے مال کو اور جان کو قبض کر کے اپنے قبضہ میں لے لے۔اور جنت ان کے حوالے کر دے جیسا کہ عام خرید وفروخت میں عموماً ایسا ہوتا ہے بلکہ اس مجازی بیع وشرا کے بعد خود کچھ عرصہ کے لئے بطور امانت مال وجان بندہ کے حوالہ کر دیتا ہے اور اس سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اللہ کی امانت میں صرف وہی تصرف کرے جو اس کی منشاء کے مطابق ہو اور جب اسے جہاد وغیرہ کے لئے اس کی جان یا مال کی ضرورت پڑے یا کسی اور مالی یا جانی قربانی پیش کرنے کا موقعہ آئے تو یہ اس امانت کو وہاں خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے بلکہ زندگی بھر کی کمائی بھی راہ خدا میں لٹوا دے اور اپنی گردن بھی راہ حق میں کٹوا دے۔

حضرت علیؑ کے ید اللہ، عین اللہ اور اذن اللہ ہونے کا صحیح مفہوم؟

اسی سابقہ بیان سے حضرت امیر علیہ السلام کے بعض مشہور القاب جیسے ید اللہ (اللہ کا ہاتھ) عین اللہ (اللہ کی آنکھ) اور اذن اللہ (اللہ کے کان) کے حقیقی مفہوم کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ان اعضاء کو اللہ کا مال اور اس کی امانت جانتے تھے۔اور ان اعضاء سے وہی کام لیتے تھے جو اللہ کی حقیقی مرضی کے مطابق ہوتا تھا الغرض جب بندہ ایسا کرے گا تو معاہدہ پختہ ہو جائے گا اور وہ مقررہ معاوضہ (جنت) کا مکمل حقدار بن جائے گا اس لئے فرمایا یقتلون و یقتلون۔یہ لوگ اللہ کی راہ میں قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہو جاتے ہیں بلکہ زبان حال سے کہتے ہیں۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایضاح

اگرچہ جہاد ہجرت کے دوسرے سال باضابطہ طور پر واجب ہوا۔مگر مکہ میں جہاد وقتال کے بارے میں جو پہلی آیت نازل ہوئی وہ یہی ہے مگر اس پر عمل درآمد ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔اور اس سلسلہ میں دوسری آیت۔ اذن للذین یقاتلون الآیہ نازل ہوئی بہر حال اہل ایمان کو اس خرید وفروخت پر خوشی منانی چاہیے کہ اس معاملہ میں سراسر انہی کا فائدہ ہے کہ مال وجان جیسی فانی اور ناپائیدار چیز دے کے جنت جیسی جاودانی اور پائیدار اور گراں قیمت چیز کے مالک ومختار بن گئے اور یہ معاہدہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے کہ جس کے ٹوٹنے یا پورا نہ کئے جانے کا کوئی خطرہ ہو بلکہ یہ تو وہ پختہ معاہدہ ہے جو قرآن مجید کے علاوہ توراۃ وانجیل جیسی آسمانی کتابوں میں بھی

مذکور ہے اور بھلا اللہ سے بڑھ کر کون وعدہ وفائی کرنے والا ہے؟ ان اللہ لا یخلف المیعادو ذلك هو الفوز العظیم یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

۹۵۔ اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡن... الآیة

مومنین کے چند صفات کا تذکرہ اوران کی مختصر تشریح

یہاں ان مومنین کاملین کی چند صفات جلیلہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن سے خدا نے جنت کے عوض ان کا مال اوران کی جان خریدلی ہے حسب ظاہری نحوی قانون کے مطابق تو التا بین العابدین ۔۔۔۔۔۔ ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہ المومنین کی صفات ہیں۔ مگر یہاں بطور مدح مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے رفعی حالت میں التا ئبون العابدون الآیہ پڑھا گیا ہے۔

۱۔ وہ ہر گناہ وتقصیر سے توبہ کرنے اور اللہ کی طرف سے رجوع کرنے والے ہوتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں پر نادم ہوتے ہیں پیغمبر اسلام باوجود معصوم ہونے کے ہر روز ستر بار توبہ واستغفار کیا کرتے تھے۔ جب ان سے کہا گیا کہ جب آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ تو پھر استغفار کیوں کرتے ہیں فرمایا؟ کیا میں بندہ شاکر بن کر نہ رہوں۔ (جامع السعادت، احیاء العلوم)۔

۲۔ وہ خلوص نیت کے ساتھ خدا کی عبادت کرتے ہیں جو کہ انسان کی غرض خلقت ہے اس لئے ان کی ساری بندگیاں اسی کیلئے ہوتی ہیں

سائحون۔ یہ سیاحت سے مشتق ہے جس کے معنی سیر و سیاحت اور زمین میں گھومنے پھرنے کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صرف زمین میں گھومنا پھرنا کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی کوئی تاویل کرنا پڑیگی۔ کہ وہ علم حاصل کرنے یا راہ خدا میں تگ وتاز کرنے یا رزق حلال کی جستجو میں یا خدمت دین میں یا عبرت ونظر کے لئے سفر کرتے ہیں نیز اس کا مفہوم روزہ رکھنا بھی ہوسکتا ہے کیونکہ حدیث نبوی میں وارد ہے سیاحۃ امتی الصوم۔ کہ میری امت کی سیاحت روزہ رکھنا ہے (مجمع البیان وتفسیر صافی)

۵،۶ وہ رکوع وسجود کرتے ہیں یعنی وہ نماز پنجگانہ قائم کرتے ہیں جس کے دو رکن رکوع وسجود ہیں۔

۷،۸ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہم فریضہ ادا کرتے ہیں۔ یعنی اپنی اصلاح کرنے کے بعد وہ قوم وملت کی اصلاح کا بیڑا اٹھاتے ہیں اور یہ وہ عمل ہے جس کے اجر وثواب کے بالمقابل تمام عبادات کا ثواب ایسے ہے جیسے بحر بے کراں کے مقابلے میں ایک قطرہ (نہج البلاغہ)

۹ وہ اللہ کے تمام حدود و قیود کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔ سابقہ آٹھ صفتیں جس اجمال کی

تفصیل ہیں ان کا نام حدود و قیود الہیہ کی پابندی کرنا ہے کہ وہ اپنے ہر کام ہر اقدام اور ہر کلام میں خدا کے حدود یعنی احکام خداوندی کی پابندی کرتے ہیں۔ اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی قانون کا خیال رکھتے ہیں۔ وبشر المومنین۔ ان صفات وکمالات کے حامل اہل ایمان کو جنت کی بشارت وخوشخبری دے دو۔

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ انه لیس لا نفسکم ثمن الا الجنة فلا تبیعوها الا بها۔ تمہاری جانوں کی قیمت صرف جنت ہے۔ لہٰذا انہیں جنت کے سوا کسی اور چیز کے بدلے فروخت نہ کرو (نہج البلاغہ)

ایضاح

قرآنی معیار پر جہاد راہ خدا وہ ہے جس کے ذمہ دار افراد ان اوصاف سے متصف ہوں جن کا کامل مرقع سوا معصومین ؑ کے کوئی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ایک حدیث میں معصوم نے اسی آیت سے اس پر استشہاد فرمایا ہے کہ عام مسلمان جسے جہاد سمجھ رہے ہیں وہ سیاسی لڑائیاں ہیں قرآنی معیار کے مطابق جہاد نہیں ہیں'' (فصل الخطاب بحوالہ تفسیر قمی وصافی)

۹۶۔مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ...الآية

مشرکین کے لئے دعا مغفرت کرنا جائز نہیں ہے

انسانی فطرت ہے کہ اسے جس سے کچھ بھی تعلق خاطر ہوتا ہے وہ اس کی موت کے بعد اس کی مغفرت کی دعا کرتا ہے کہ اللہ اسے بخش دے مگر خدائے علیم وحکیم یہاں اہل ایمان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ کہ مغفرت کی دعا صرف ان لوگوں کے لیے کرنی چاہیے جن کا خاتمہ اسلام و ایمان پر ہوا ہو۔ اور جن کی موت کفر وشرک اور نفاق پر ہوئی ہو ان کے لیے دعائے مغفرت نہیں کرنی چاہیے اس طرح خداوند عالم نے اس انداز میں مسلمانوں کیلئے شرک خفی کا یہ دروازہ بند کر دیا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ ایک بندہ مسلمان کی محبت بھی اللہ کی خاطر ہونی چاہیے اور اس کی نفرت بھی اللہ کی خاطر؟ جسے الحب للہ و البغض فی اللہ کہا جاتا ہے۔

اس آیت کی شان نزول کیا ہے

اس آیت کی شان نزول میں تین قسم کی روایتیں ملتی ہیں۔ مگر راجح قول یہ ہے کہ کچھ اہل ایمان نے عہد نبوی میں کہا تھا کہ ہم اپنے مشرک مرنے والے قرابتداروں کے لیے اس طرح مغفرت طلب کریں گے۔ جس طرح جناب ابراہیمؑ نے اپنے باپ (چچا) کے لیے کی تھی۔ اس پر یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن حریر

طبری، کبیر رازی، البحر المحیط اندسی و تفسیر الکاشف)۔

ایک مشہور غلط فہمی کا ازالہ

برادران اسلامی کے کئی مفسرین نے اس آیت کی شان نزول میں یہ لکھا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے بقولے اپنی والدہ ماجدہ اور بقولے اپنے چچا جناب ابو طالب کے لیے دعائے مغفرت کرنا چاہی تھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔مگر یہ شان نزول قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ قطع نظر اس حقیقت سے کہ پیغمبر اسلامؐ کے والدین جن کا انتقال آنحضرتؐ کے اعلان نبوت سے بہت عرصہ پہلے ہوگیا تھا۔ وہ ملت ابراہیمی پر قائم تھے اور دعائے خلیل کے مطابق فطری اور پیدائشی مسلمان تھے اور کل ایمان کے والد ماجد جناب ابوطالب کا مسلمان اور مومن ہونا ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔اوران کا اسلام نا قابل رد عقلی ،تاریخی اور شرعی دلائل سے ثابت ہے اس نظریہ کے بطلان کا سب سے بڑا برھان یہ ہے کہ جناب ابوطالب کا انتقال آنحضرتؐ کی ہجرت سے تین سال قبل مکہ مکرمہ کے اندر عام الحزن میں ہوا اور یہ سورہ توبہ ہجرت نبوی کے نویں سال نازل ہوئی ہے بظاہر یہ اشتباہ اس لیے بھی ہوا ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کو بھی مشرکین کے لیے طلب مغفرت کی مناہی کی گئی ہے اگر چہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ خدا کا دستور یہ ہے کہ وہ عام طور پر دوسرے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے حضرت رسول خداؐ سے خطاب کر کے بات کرتا ہے جیسے لئن اشرکت لیحبطن عملک اے رسول! اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل اکارت ہو جائیں گے حالانکہ عصمت کبریٰ کے مالک مصطفی کے لئے شرک کرنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ تاکہ اس عنوان سے دوسرے لوگوں کو تنبیہ کی جائے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سب عمل ضائع ہو جائیں گے۔مگر یہاں تو مومنین کا صراحتہً ذکر موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق انہی لوگوں کے ساتھ ہے ہاں البتہ اصول کی وحدت کو اجاگر اور واضح کرنے کے لئے آنحضرتؐ کا بھی ان لوگوں کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے کہ ایسا کرنا نہ مومنین کیلئے جائز ہے اور نہ ان کے رسول کے لیے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے جو مفسرین ومحدثین اپنی کچھ ضعیف السند روایات کا سہارا لے کر اس آیت کو جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنی والدہ ماجدہ یا عم محترم ابوطالب کے حق میں استغفار کرنے سے متعلق قرار دیتے ہیں ان کی رو میں انہی کے ایک ذمہ دار اہل علم کی تحریر یہاں پیش کر دی جائے کیونکہ

خوشتراں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

چنانچہ پیر کرم شاہ ازہری اپنی تفسیر ضیاء القران میں رقمطراز ہیں۔

وہ تمام روایات جن میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالی نے اس آیت سے اپنے رسول کو منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت کریں کیونکہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تھا ان پر بیہقی زمان حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے خوب سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے۔ کہ اس قسم کی تمام روایات کمزور اور معلول ہیں اس لیے قابل سند نہیں۔ وما یدل علی ان الآیة نزلت فی آمنة ام النبی صلی الله علیه وسلم۔ و عبد الله ابیه لا یصح منها شئی۔ علامہ پانی پتی نے حافظ ابن حجر شارح صحیح بخاری کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ وقد تا ملتها (الطرق) فوجد تها کلها معلولة (مظہری) میں نے ان روایات کے سارے طریقوں میں غور کیا ہے اور سب کو معلول (قابل اعتراض) پایا ہے۔ (ضیاء القرآن ج ۲ ص ۲۵۸) بعینہ یہی کیفیت ان روایات کی ہے جو جناب ابوطالب کے متعلق برادران اسلامی کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں فراجع۔

۹۷۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ ... الآية۔

جیسا کہ ابھی اوپر سابقہ آیت کی شان نزول میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جو اہل ایمان اپنے مشرک مرنے والوں کے لئے دعا مغفرت کرنا چاہتے تھے۔ ان کے اشتباہ کا منشاء یہی تھا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو آذر کے لئے مغفرت کی دعا کی تھی جو ہمارے نزدیک جناب ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے جنہیں تایا اور بطور باپ پرورش کنندہ ہونے کی بنا پر قرآن میں ''اب'' (باپ) کہا گیا ہے ورنہ تمام مورخین اور اہل انساب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ کا نام ''تارخ'' تھا جو کہ موحد و مسلمان تھے (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر و تفسیر مظہری)۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی تحقیق بھی یہی ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ ''یہاں باپ سے مقصود ان کا حقیقی باپ ہے یا چچا جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا تو زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آذر ان کا چچا تھا اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ پیش آیا'' (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۱۱۶ کذا فی ضیاء القرآن ج ۲ ص ۲۵۹)

اور یہ وعدہ بھی اس امید پر کیا تھا کہ شاید وہ ایمان لے آئے ''سوف استغفر لك'' (سورہ مریم۔ ۴۷) مگر جب وہ مسلوب التوفیق کفر پر ہی مر گیا اور ثابت ہو گیا کہ وہ دشمن خدا ہے تو جناب خلیل۔ نے اس سے اپنی برات کا اعلان کر دیا۔

ارشاد قدرت ہے۔ ان ابراهیم لاواہ حلیم۔ بے شک جناب ابراہیم غم خوار اور بردبار انسان تھے مخفی نہ رہے کہ دشمنان خدا سے اسی برات و بیزاری اختیار کرنے کا نام شریعت میں تبرّا ہے جسے کچھ لوگوں نے

ہوا بنا دیا ہے جس طرح کہ دوستان خدا سے محبت اختیار کرنے کا نام ''تولّا'' ہے۔ فلا تغفل

آیات القرآن

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوۡمًاۢ بَعۡدَ اِذۡ هَدٰٮهُمۡ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمۡ مَّا يَتَّقُوۡنَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ‌ ؕ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِىِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِىۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا كَادَ يَزِيۡغُ قُلُوۡبُ فَرِيۡقٍ مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ‌ ؕ اِنَّهٗ بِهِمۡ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۙ‏ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ وَظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اس وقت تک گمراہ قرار نہیں دیتا جب تک ان پر یہ واضح نہ کردے کہ انہیں کن چیزوں سے پرہیز کرنا ہے۔ بے شک اللہ ہر شئی کا جاننے والا ہے (۱۱۵) اللہ ہی کیلئے زمین وآسمان کی حکومت ہے اور وہی حیات اور موت کا دینے والا ہے اس کے علاوہ تمہارا نہ کوئی سرپرست ہے نہ مددگار (۱۱۶) بے شک خدا نے پیغمبرؐ اور ان مہاجرین اور انصار پر رحم کیا ہے جنہوں نے تنگی کے وقت میں پیغمبرؐ کا ساتھ دیا ہے جبکہ ایک جماعت کے دلوں میں کجی پیدا ہورہی تھی پھر خدا نے ان کی توبہ کو قبول کرلیا کہ وہ ان پر بڑا ترس کھانے والا اور مہربانی کرنے والا ہے (۱۱۷) اور اللہ نے ان تینوں پر بھی رحم

کیا جو جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے یہاں تک کہ زمین جب اپنی وسعتوں سمیت ان پر تنگ ہوگئی اور ان کے دم پر بن گئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب اللہ کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں ہے تو اللہ نے ان کی طرف توجہ فرمائی کہ وہ توبہ کرلیں اس لئے کہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے(۱۱۸)

تشریح الالفاظ

۱۔سَاعَةِ الْعُسْرَةِ کے معنی ہیں تنگی کی گھڑی۔ ۲۔یزیغ یہ زیغ سے مشتق ہے جس کے معنی کجی اور ٹیڑھاپن

تفسیر الآیات

۹۸۔وما کان اللہ لیضل... الآیۃ۔

مواخذہ بلا بیان قبیح ہے

علم الاصول میں عقلی اور شرعی دلائل سے یہ حقیقت ثابت کی جا چکی ہے کہ کوئی شرعی تکلیف ہو یا کسی بات پر مواخذہ ہو وہ وضاحتی بیان کے بغیر قبیح ہے اور اسی کو اصل برات بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ حضرت رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے ایما امرأ رکب امرا بجھالۃ فلا شئ علیہ۔ جو کوئی جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے کسی (غلط) کام کا ارتکاب کرے اس پر کوئی (گناہ) نہیں ہے (تفسیر کاشف)

نیز آنحضرت ﷺ سے مروی ہے فرمایا رفع عن امتی تسعۃ اشیاء۔ میری امت سے نو چیزیں اٹھالی گئی ہیں ان میں سے پہلی چیز لاعلمی ہے (وسائل الشیعہ)

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔کل شئ مطلق حتی یرد فیہ نہی۔ ہر چیز مطلق (جائز) ہے یہاں تک کہ اس کے بارے میں ممانعت وارد ہو۔(الاصول الاصلیۃ) لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی گروہ کو راہ ہدایت پر لگا کر اسے گمراہ قرار دے جب تک اس پر وہ سب باتیں واضح نہ کردے جن سے اس نے بچنا ہے۔

۱۰۰۔اِنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْكُ... الآیۃ۔

قبل ازیں کئی بار اس آیت کی تفسیر کی جا چکی ہے اور ویسے بھی اس کا مفہوم بالکل واضح ہے اس کے بار بار تکرار کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ایک بندہ مسلمان کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ اللہ، اس کی عظمت و جلالت اور اس کی مالکیت و حاکمیت کو مدنظر رکھنا چاہئے تا کہ وہ اس کی شریعت کی مقرر کردہ حدود و قیود سے باہر نکل نہ سکے اور شیطان کی حکمرانی میں داخل نہ ہو سکے۔

۱۰۱۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ ... الآية۔

لفظ توبہ کے مفہوم کی وضاحت

جب کہا جائے کہ "تاب فلان" کہ فلاں شخص نے توبہ کی ہے تو اس کا مطلب بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوتا کہ اس شخص نے پہلے کسی برے کام (گناہ) کا ارتکاب کیا پھر اس پر نادم و پشیمان ہوا اور اس کے ترک کرنے اور آئندہ اس کا ارتکاب نہ کرنے کا عزم بالجزم کیا لیکن جب یہ کہا جائے کہ تاب الله علی فلان۔ موقع ومحل کی مناسبت اور قرینہ کو دیکھ کر اس کے دو مطلب ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس شخص نے توبہ کی اور خدا نے اس کی توبہ قبول کی اور دوسرا یہ کہ اللہ اپنی رحمت و رضوان کے ساتھ اس بندہ کی طرف متوجہ ہوا اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں تاب اللہ علی النبی الآیہ کا مطلب کیا ہے تو یہاں چونکہ اس تاب اللہ کا تعلق چار قسم کے لوگوں سے ہے۔ ا۔ نبی سے۔ ۲۔ مہاجرین سے۔ ۳۔ انصار سے۔ ۴۔ اور ان مخصوص تین شخصوں سے جو بلا عذر شرعی محض اپنی غفلت اور سہل انگیزی سے جنگ تبوک کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نہیں گئے تھے اور بعد ازاں اس قدر نادم و پشیمان ہوئے کہ اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا تھا تو عقلی و نقلی قرینہ کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جہاں تک پہلی تین قسموں کا تعلق ہے تو یہاں تاب اللہ کا دوسرا مفہوم مراد ہے کہ خداوند عالم اپنی رحمت و رضوان کے ساتھ نبی اور ان مہاجرین اور انصار پر متوجہ ہوا جنہوں نے انتہائی تنگدستی اور بے سروسامانی کی گھڑی میں پیغمبر اسلام کا ساتھ دیا اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم عن الخطاء ہیں اور مہاجرین و انصار نے اس سختی کے وقت آپ کا ساتھ دے کر نیکی کا کام کیا تھا کوئی گناہ تو نہیں کیا تھا کہ ان کی توبہ قبول کرتا۔ ہاں البتہ وعلی الثلاثۃ۔ جس کا عطف "النبی" پر ہے تو یہاں توبہ کے پہلے معنی یعنی کسی بندہ کی توبہ قبول کرنا مراد ہیں اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ ان تین شخصوں نے اس مشکل گھڑی میں پیغمبر اسلامؐ کا ساتھ نہ دے کر چونکہ گناہ کا ارتکاب کیا تھا اس لئے انہوں نے نادم ہو کر توبہ کی اور خدا نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

۱۰۲۔ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ ... الآية۔

ان مخصوص تین شخصوں نے کاہلی و سستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غزوہ تبوک میں شریک جہاد نہ ہونے

اور پھر نادم و پشیمان ہو کر توبۃ النصوح کر کے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھنے اور آخر کار ان کی توبہ کے قبول ہونے اور آنحضرت کے انہیں کھولنے کا واقعہ قبل ازیں آیت ١٠٠ السابقون الاولون کی تفسیر کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ایضاح

یہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان لوگوں پر تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر بار بن گئیں اس کی وجہ حدیثوں میں یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق عام مسلمانوں نے ان کا معاشرتی بائیکاٹ کر دیا تھا اور ان سے لین دین، رہن سہن اور سلام وکلام بند کر دیا تھا یگانے بے گانے بن گئے تھے تمام عزیزوں رشتہ داروں اور محبت کے دعویداروں نے آنکھیں پھیر لیں۔ حتی کے ان کے بیوی بچوں نے بھی ان سے بے رخی اختیار کر لی کوئی آنکھ اٹھا کر ان کی طرف دیکھتا بھی نہ تھا۔ الغرض مدینہ کی سرزمین اپنی وسعت اور کشادگی کے باوجود ان کے لئے گویا زندان بن گئی تھی اور ایسی گھٹن کی فضا پیدا ہو گئی تھی کہ ان کے لئے جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ خدا نے نظر کرم فرمائی۔ اور انہیں توبۃ النصوح کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور پھر قبول بھی فرمائی اور پیغمبر اسلامؐ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کو ستونوں سے کھولا اور پھر ان کو وہ مقام دیا جو ان کے شایان شان تھا۔

آیات القرآن

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَمَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا يُصِيۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخۡمَصَةٌ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوۡنَ مَوۡطِئًا يَّغِيۡظُ الۡكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّيۡلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ نَفَقَةً صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً وَّلَا يَقۡطَعُوۡنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ لِيَجۡزِيَهُمُ اللّٰهُ

اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ (۱۱۹) مدینہ کے باشندوں اور صحرائی عربوں کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ پیغمبر خدا کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے بیٹھیں۔ اور ان کی جان کی پرواہ نہ کرکے اپنی جانوں کی فکر میں لگ جائیں یہ اس لئے ہے کہ ان مجاہدین کو راہ خدا میں (جو بھی مصیبت پیش آتی ہے۔ وہ خواہ) پیاس ہو، جسمانی زحمت و مشقت ہو، بھوک ہو۔ یا کسی ایسے راستہ پر چلنا جو کافروں کے غم وغصہ کا باعث ہو یا دشمن کے مقابلہ میں کوئی کامیابی حاصل کرنا مگر یہ کہ ان تمام تکلیفوں کے عوض ان کے لئے ان کے نامہ اعمال میں نیک عمل لکھ دیا جاتا ہے یقینا اللہ نیکوکاروں کا اجر وثواب ضائع نہیں کرتا (۱۲۰) اسی طرح وہ راہ خدا میں کوئی تھوڑا یا بہت مال خرچ نہیں کرتے اور نہ کوئی وادی (میدان) طے کرتے ہیں مگر یہ کہ ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ خدا ان کی کارگزاریوں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔ (۱۲۱) اور یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تمام اہل ایمان نکل کھڑے ہوں تو ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ نکل آئیں تاکہ وہ دین میں تفقہ (دین کی سمجھ بوجھ) حاصل کریں اور جب تعلیم وتربیت کے بعد اپنی قوم کے پاس لوٹ کر آئیں تو اسے (جہالت

بے ایمانی اور بدعملی کے نتائج سے) ڈرائیں تاکہ وہ ڈریں۔ (۱۲۲) اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور چاہیے کہ وہ جنگ میں تمہارے اندر سختی محسوس کریں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے (۱۲۳) اور جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو ان (منافقوں) میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو (طنزیہ طور پر کہتے ہیں) کہ اس سے تم لوگوں میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ (اس کا جواب یہ ہے) کہ جو لوگ ایمان والے ہیں اس نے ان کا ایمان تو تازہ کر دیا ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں (۱۲۴) اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے تو یہ سورہ ان کی موجودہ نجاست وخباثت میں اور اضافہ کر دیتی ہے اور کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں (۱۲۵)

تشریح الالفاظ

۱۔ظماء۔کے معنی سخت پیاس کے ہیں۔ ۲۔نصب کے معنی ہیں۔تھکاوٹ بلا اور بیماری۔ ۳۔مخمصہ کے معنی ہیں۔بھوک۔ ۴۔ولا یطئون وطویوطا کے معنی ہیں۔روندنا اور ہموار کرنا۔ ۵۔یغیظ۔ غاظ یغیظ کے معنی ہیں غصہ دلانا اور غصہ پر آمادہ کرنا۔ ۶۔یلونکم ولی کے معنی قرب اور نزدیکی کے ہیں۔ ۷۔غلظۃ کے معنی ہیں سختی، شدت اور کھردرا پن۔ ۸۔رجس کے معنی پلیدی اور قبیح کام کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۱۰۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآیۃ۔

اس آیت میں اہل ایمان کو تقوی اختیار کرنے اور سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے

اس آیت مبارکہ میں خدائے علیم وحکیم نے اہل ایمان کو دو حکم دیے ہیں ایک یہ کہ وہ تقوی الٰہی اختیار کریں دوسرا یہ کہ سچوں کے ساتھ ہو جائیں تقوی کیا ہے؟ اور متقی بن کر جینے مرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس موضوع پر کئی بار بالخصوص سورہ بقرہ کے آغاز میں ھدی للمتقین کی تفسیر کے ضمن میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔اس لئے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ہاں البتہ یہاں جو چیزیں قابل غور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ صادقین کون ہیں؟

دوسری یہ ہے کہ ان کے ساتھ ہونے کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

صادقین سے کون لوگ مراد ہیں؟

قرآن وسنت میں اس کی وضاحت وصراحت موجود ہے۔ چونکہ قرآن کی ان متعدد آیتوں میں سے جن میں صادقین کی نشاندہی کی گئی ہے ایک آیۃ وافی ہدایہ یہ ہے "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ " (سورہ حجرات......۱۵) مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور پھر کبھی شک نہ کریں اور اپنے جان و مال سے اس کی راہ میں جہاد کریں یہی لوگ صادقین (سچے) ہیں اس سے واضح ہوا کہ صادقین وہ لوگ ہیں جن میں یہ چار صفات جلیلہ وجمیلہ بدرجہ اتم واکمل پائی جائیں۔ ۱۔ خدا اور رسول پر ایمان مع اپنے متعلقات کے۔ ۲۔ پھر زندگی بھر دینی معارف وحقائق میں کبھی شک وشبہ نہ کرنا۔ ۳۔ راہ خدا میں مالی قربانی پیش کرنا۔ ۴۔ اور راہ حق میں جاں نثار کرنا اس سے معلوم ہوا کہ صادقین سے صرف وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو جھوٹ نہ بولیں اور سچ بولیں بلکہ ان سے مراد وہ حضرات ہیں جو قول میں بھی صادق، فعل میں بھی صادق، علم میں بھی صادق عمل میں صادق ظاہر میں بھی صادق، اور باطن میں بھی صادق ہوں اور ایسی ہی ہستیوں کو معصوم کہا جاتا ہے۔

صادقین کے ساتھ ہونے کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

اور چونکہ صادقین کے ساتھ ہونے سے جسمانی طور پر ان کے ساتھ ہونا مراد نہیں ہے بلکہ عملی اور روحانی طور پر ان کے ساتھ ہونا مراد ہے اس طرح تمام اہل ایمان کو صادقین کے ہر قول وفعل میں ان کے ساتھ ہونے یعنی ان کی اتباع کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو یہ بات صادقین کے معصوم عن الخطاء ہونے کی نا قابل رد دلیل ہے۔ اور یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ علامہ فخر الدین رازی نے بھی آیت اولی الامر کی طرح یہاں بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ آیت صادقین کی عصمت پر دلالت کرتی ہے یہ اور بات ہے کہ تعصب اور اسلاف کی اندھی تقلید نے ان کو کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنے نہ دیا اور یہ کہہ کہ چونکہ امت میں کوئی معصوم نظر نہیں آتا اس لئے اس سے مراد لیا امت کا اجماع ہے اور راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں

قسمت کی بد نصیبی کی ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

اگر موصوف آیت تطہیر کی شان نزول ہی معلوم کر لیتے تو انہیں معلوم ہوجاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد بھی کچھ معصوم ہستیاں موجود ہیں جن کی عصمت وطہارت کی خدا شہادت دے رہا ہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ؟

اذالم تکن للمرء عین صحیحة

فلاغروان یرد تاب والصبح مسفر

یہی وجہ ہے کہ تفسیر اہلبیت علیہم السلام میں صادقین سے مراد آئمہ طاہرین مراد لئے گئے ہیں۔

۱۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا مع آل محمد سچوں کے ساتھ ہوجاؤ یعنی آل محمدؐ کے ساتھ ہوجاؤ۔ (مجمع البیان)

۲۔ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **الصادقون هم الائمة علیهم السلام**۔ یعنی صادقین سے مراد آئمہ طاہرین ہیں (تفسیر صافی) نیز اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ قیام قیامت تک ہر زمانہ میں صادقین کی کسی فرد کامل کا وجود ضروری ہے۔ جسکی اہل ایمان معیت اختیار کرکے دینا و آخرت میں کامیاب و کامران ہوسکیں۔

اور اس وقت وہ فردِ فرید اور حجتِ وحید صاحب العصر والزمان ہیں عجل اللہ فرجہ الشریف۔

دنیا کو ہے اس مہدیؑ برحق کی ضرورت

ہو جس کی نگاہ زلزلہ عالم افکار

۱۰۳۔ ماكان لاهل المدينة... الآية

جب جنگ تبوک کے واقعہ کا بیان ختم ہوچکا۔ مجاہدین کے جہاد کی داستان اور پیچھے رہ جانے والوں کی چیتاں بھی ختم ہوچکی جھوٹے عذر بہانے تراشنے والوں کا تذکرہ بھی ہوگیا۔ اور سچی اور پکی توبہ کرنے والوں کے توبہ کرنے اور اس کے قبول ہونے کا قصہ بھی اپنے اختتام کو پہنچ چکا تو اب خدائے علیم وحکیم آئندہ کیلئے اہل اسلام کو محتاط روش اختیار کرنے کی تاکید مزید کرتے ہوئے اخبار کی صورت میں حضرت رسول خداؐ سے پیچھے رہ جانے کی نہی فرما رہا ہے کہ اگر کبھی آئندہ کوئی ایسا موقع آجائے تو تم ہرگز ایسا نہ کرنا کہ خدا کے رسولؐ سفر کی زحمتیں برداشت کررہے ہوں اور تم آرام وسکون کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔ پیغمبر خداؐ راہ خدا میں جہاد کرنے کی صعوبتیں برداشت کررہے ہوں۔ اور تم وطن میں عیش وعشرت کے ساتھ وقت گزار رہے ہو۔ الغرض تمہیں ہر حال میں پیغمبر اسلامؐ کا ساتھ دینا چاہیئے اور ہر دکھ سکھ اور ہر سفر وحضر میں اتباع رسول کا حق ادا کرنا چاہیئے۔ بنابریں مدینہ اور اس کے ارد گرد کے باشندوں کا تذکرہ بطور مثال ہوا ہے۔ ورنہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی مدد ونصرت ہر مسلمان کا فریضہ ہے بعد

ازاں لوگوں کو سفر جہاد میں شرکت کرنے کی رغبت دلانے کے لئے مزید کہا جارہا ہے کہ جب وہ سفر جہاد کے لئے گھروں سے نکلیں گے اور سفر اور جہاد کے دوران انہیں جو بھوک اور پیاس لگے گی۔ یا کوئی اور چھوٹی بڑی تکلیف پہنچے گی تو خداوند رحیم و کریم انہیں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ کیونکہ خدا کبھی نیکوکاروں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا۔

۱۰۴۔ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ ... الآية۔

اس آیت کی شان نزول

اگرچہ اس آیت کے ابتدائی حصہ کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں مفسرین نے باہم سخت اختلاف کا مظاہرہ کیا ہے کہ آیا اس کا تعلق سابقہ حکم جہاد سے ہے یا آئندہ حکم تفقہ فی الدین کے لئے نکلنے سے ہے؟ بہر حال ہم نے سب اقوال و آراء کو سامنے رکھ کر اپنی ناچیز تحقیق پیش کی ہے جب سابقہ آیت ۱۲۰ نازل ہوئی۔ **وما كان لاهل المدينه ومن حولهم من الاعراب ان يتخلفوا عن رسول الله**، تو تمام مسلمان قبائل نے بالاتفاق کہا کہ آج کے بعد ہم کسی جنگ میں حضرت رسول خدا سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ بلکہ سب کے سب آپ کے ہمراہ جائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جنگ تبوک کی بات الگ تھی آئندہ بالخصوص جس سریہ میں آنحضرتؐ شامل نہ ہوں ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ تمام مسلمان آنحضرت کو یکا و تنہا چھوڑ کر میدان جنگ میں چلے جائیں بلکہ ہر غزوہ میں بھی (جس میں خود آنحضرتؐ شریک ہوں) ہر شخص پر جنگ میں شریک ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا دار و مدار حالات پر ہے کیونکہ کبھی جہاد ہر شخص پر واجب عینی ہوتا ہے اور کبھی واجب کفائی اور اس کی تعیین و تشخیص نبی و امام پر موقوف ہے کہ جب وہ نفیر عام میں سب کو بلائینگے تو سب پر شرکت واجب ہوگی اور اگر صرف بعض کو بلائیں گے تو پھر صرف ان بعض پر شمولیت لازم ہوگی بہر حال جب تک جنگ تبوک کی طرح نفیر عام کا اعلان نہ ہو تب تک سب لوگوں کو مرکز کو خالی چھوڑ کے باہر نہیں جانا چاہئے تاکہ دوسرا نظام زندگی معطل نہ ہو جائے۔

۱۰۵۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ... الآية۔

علم دین کا حاصل کرنا واجب عینی بھی ہے اور واجب کفائی بھی۔

دین اسلام کے اصول ہوں یا فروع ان کی اتنی معرفت حاصل کرنا کہ آدمی اسلام کو فی الجملہ سمجھ کر اس کے مطابق زندگی گذار سکے یہ تو ہر شخص پر واجب عینی ہے جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ **طلب العلم**

فریضة علی کل مسلم ۔ کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مردوزن) پرواجب ہے۔(اصول کافی وغیرہ)۔
لیکن جہاں تک تفقہہ فی الدین کا تعلق ہے جس کا مطلب ہے دین کو مکمل طور پر سمجھنا اس کے نظام، اس کے مزاج اور اس کی حقیقی روح سے اس طرح آشنائی حاصل کرنا کہ آدمی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں یہ معلوم کر سکے کہ کون سا انداز فکر اور کونسا طرز زندگی اسلام کے مطابق ہے اور کونسا اس کے مخالف؟ یہ واجب کفائی ہے۔ کہ بقدر کفائت بعض حضرات کے اس فریضہ کی ادائیگی سے دوسروں سے اس کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تفقہہ سے صرف وہ علم مراد نہیں ہے۔ جو متشرعین کے عرف عام میں ''علم الفقہ'' کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہ تو اصل مقصد (تفقه فی الدین) کا ایک جزء ہے۔ کل مقصد نہیں ہے۔ صرف اشتراک لفظی کی وجہ سے یہ غلط فہمی عام ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم میں کئی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں اور آج نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ مسلمانوں کی دینی تعلیم ہو۔ یا ان کی دینی زندگی وہ روح دین سے خالی اور محض بے جان ظاہر داری بن کر رہ گئی ہیں۔ والی اللہ المشتکی ۔ بہر حال خدائے علیم و حکیم مسلمانوں کو یہ حکیمانہ حکم دے رہا ہے کہ سب کے سب لوگ تفقہ دینی حاصل کرنے کے لئے گھروں سے باہر نہ نکل کھڑے ہوں کیونکہ اس طرح ان کا نظام زندگی اور ان کی معیشت درہم برہم ہوجائیگی اور کاروبار معطل ہوکر ہوکر رہ جائے گا بلکہ ہر بڑے گروہ میں سے چند آدمی مراکز علم میں جائیں اور وہاں جاکر تفقہ فی الدین حاصل کریں۔ اور واپس آکر اپنی قوم کو دین کے حقائق و معارف بتائیں اور ان کی خلاف ورزی کرنے پر عذاب خداوندی سے ان کو ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں اور غیر اسلامی طرز زندگی سے اجتناب کریں۔ ارشاداتِ معصومین علیہم السلام سے اسی تفسیر و تشریح کی تائید مزید ہوتی ہے چنانچہ علل الشرائع میں مذکور ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا اختلاف امتی رحمۃ۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا لوگ صحیح کہتے ہیں آنحضرتؐ نے ایسا فرمایا ہے عرض کیا گیا کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو پھر تو اتفاق عذاب ہوگا؟ فرمایا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے اس اختلاف سے وہ اختلاف مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ کیونکہ دین میں اختلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ انما الدین واحد۔ دین ایک ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہی تفقہہ فی الدین حاصل کرنے کے لئے مختلف دیار و امصار میں آنا جانا مراد ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ فلولا نفر من کل فرقه طائفته منهم لیتفقهو ا فی الدین الآیة۔ (کذا فی الصافی۔ والبرہان وغیرہ)

ایضاح

اسی آیت سے علماء نے احکام شرعیہ میں خبر واحد کے حجت اور سند ہونے پر استدلال کیا ہے۔ کہ جب عالم

پر پڑھنا اور پڑھانا اور ڈرانا واجب ہے تو جاہلوں پر عالم کے قول کو قبول کرنا بھی واجب ہوگا۔ ورنہ یہ پڑھنا پڑھانا اور قوم کے جاہلوں کو ڈرانا عبث اور بے کار ہو کر رہ جائے گا نیز جب جاہلوں پر پڑھنا واجب ہے تو علماء پر بھی پڑھانا واجب ہے۔ ورنہ جاہل پر پڑھنے کا وجوب بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا اسی بناء پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ ما اخذ اللہ علی اھل الجھل ان یتعلموا حتی اخذ علی ھل العلم ان یعلموا۔ خدا نے جاہلوں سے علم حاصل کرنے کا اس وقت تک عہد نہیں لیا۔ جب تک اہل علم سے پڑھانے کا عہد نہیں لیا۔ (نہج البلاغہ) اور اسی آیت سے اجتہاد و تقلید، فقیہہ و متفقہ اور بصیر و مستبصر وغیرہ اصطلاحات کا استنباط بھی کیا گیا ہے۔ فتدبر۔

حقیقت یہ ہے کہ جس قدر اسلام نے علم حاصل کرنے اور پڑھنے پڑھانے پر زور دیا ہے اس کی ادیان عالم میں نظیر نظر نہیں آتی۔ کہیں طلب علم کو فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔ کہیں طلب علم میں راستہ طے کرنے والے کو جنت کے راستہ کا راہی بتایا گیا کہ من سلك طریقاً یلمس فیه علماً سلك الله به طریقاً الی الجنته۔ کہیں عالم کا درجہ عام لوگوں سے اس قدر بڑھایا گیا ہے کہ جس قدر آپؐ کا درجہ عام امت سے بلند ہے۔ فضل العالم علی العابد لفضلی علی امتی۔ اور کہیں پیغمبر اسلام کو رب زدنی علما کا درس دیا گیا۔ ع

سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

۱۰۶۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... الآیۃ

جس طرح بموجب و انذر عشیرتك الاقربین اقرب فا لا قرب کو خوف خدا دلانا اور عذاب آخرت سے ڈرانا واجب ہے۔ بلا تشبیہ اسی طرح الاقرب فالاقرب کے اصول پر جو دار الاسلام کے زیادہ قریب ہیں پہلے ان کے فتنہ و شر کو ختم کرنے اور اسلامی سرحدوں کو مضبوط بنانے کے لئے جہاد کرنا واجب ہے کیونکہ جس طرح اڑوس پڑوس کے لوگ اسلام و ہدایت کی دعوت کے زیادہ حقدار تھے تو اگر وہ اتمام حجت کے بعد دین کو قبول نہ کریں تو پھر جہاد و قتال کے بھی سب سے زیادہ سزاوار یہی ہیں۔ کیونکہ اپنے اردگرد کفر و الحاد اور فتنہ و فساد کی شعلہ زن آگ کو بجھائے بغیر دور افتادہ علاقوں کی طرف عنان توجہ موڑنا مقتضائے ہوش مندی نہیں ہے۔ ولیجدو افیکم غلظة چاہیئے کہ دشمن تمہارے اندر شدت پائیں اور تمہاری روش و رفتار سے واضح و اشکار ہو جائے کہ جس طرح وہ لوگ تمہارے اور تمہارے دین برحق کے دشمن ہیں تمہارے اندر بھی اب ان کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے بلکہ تم بھی من حیث القوم ان کے اور ان کے باطل دین کے مخالف ہو اس لئے مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اشداء علی الکفار۔ (کافروں پر بڑے سخت ہوتے ہیں) اور رحماء بینھم۔ (آپس میں بڑے

مہربان ہوتے ہیں۔)

ہو حلقۂ احباب تو بریشم کی طرح نرم
ہو رزم حق و باطل تو فولاد ہے مومن

واعلمو ان اللہ مع المتقین۔ اہل ایمان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے اور جب انہیں اس کی فتح و نصرت حاصل ہے تو پھر انہیں کسی سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟

۱۰۷۔ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتۡ سُورَةٌ... الآیۃ۔

چونکہ بموجب ارشاد قدرت ثم قست قلوبکم فہی کالحجارۃ او اشد قسوہ۔ کفار کے دل پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت تھے۔ اس لئے ان پر نزول قرآن کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا جب کوئی نئی سورہ یا اس کی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو وہ مذاق اڑاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے پوچھتے تھے کہ بتاؤ تمہارے ایمان میں کس قدر اضافہ ہوا ہے؟ ان کے جواب میں ارشاد قدرت ہو رہا ہے کہ تم اپنے آئینے میں دوسروں کو دیکھنے کی کوشش نہ کرو تم سمجھتے کہ اگر تم پر کوئی اثر نہیں ہوا تو کیا دوسروں پر بھی اس کا کوئی اثر نہیں ہوا؟ ایسا نہیں ہے بلکہ جو مومن ہیں کسی نئی سورہ کا نزول ان کے ایمان کو بڑھا دیتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں ہاں البتہ جن کے دلوں میں کفر و نفاق کی بیماری ہے تو یہ سورہ ان کی پلیدی کو اور بڑھا دیتی ہے یہ ارشاد قدرت ایسا ہی ہے جیسا یہ ارشاد۔ **وننزل من القرآن ما ہو شفاء" ورحمۃ للمومنین ولا یزید الظالمین الا خساراً**۔ کہ قرآن مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لئے خسارہ و نقصان میں اضافہ کا باعث ہے۔

سچ ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لا لہ روئد ودر شور بوم و خس

ایمان گھٹتا بڑھتا رہتا ہے

علم کلام کا ایک مشہور اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ آیا ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا ہمیشہ جوں کا توں رہتا ہے تمام اہل تشیع اور بعض اہل تسنن کا نظریہ یہ ہے کہ معارف حقہ ایمانیہ میں غور و فکر کرنے اور اعمال صالحہ بجالانے سے

ایمان بڑھتا ہے۔

اورحقائق ایمان میں غور وفکر نہ کرنے اور گناہ کا ارتکاب کرنے سے ایمان گھٹتا ہے مگر برادران اسلامی کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ ایمان ایک بسیط چیز ہے جو قابل از یا دونقصان نہیں ہے اس موضوع کی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے یہاں صرف اس قدر واضح کیا جاتا ہے کہ ایمان بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے انہی آیات میں سے ایک آیت یہی ہے اور دوسری یہ ہے

انما المومنون الذی اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم و اذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایماناً (القرآن) مومن بس وہی ہیں کہ جب ان کے سامنے خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے آیات الٰہی کی تلاوت کی جائے تو ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں اور بہت ساری احادیث میں سے یہاں صرف ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔فرمایا خداوند عالم نے ایمان کو فرزند آدم کے اعضاء وجوارح پر فرض کیا ہے اور تقسیم کیا ہے بعد ازاں اس کی تفصیل بیان فرمائی۔عرض کیا گیا کہ ہمیں ایمان کے گھٹنے کی سمجھ تو آ گئی ہے (کہ وہ گناہ کرنے سے گھٹ جاتا ہے) مگر وہ بڑھتا کس طرح ہے؟ اس موقعہ پر امام نے یہی آیت پڑھی کہ خدا فرماتا ہے فاما الذین آمنوا فزادتھم ایماناً فرمایا اگر ایمان میں کمی وبیشی نہ ہوتی بلکہ سب کا ایمان یکساں ہوتا تو پھر کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہ ہوتی بلکہ سب اہل ایمان برابر ہوتے اعلیٰ اور ادنیٰ اور فاضل ومفضول کا سلسلہ ہی ختم ہو جاتا پھر فرمایا ایمان کی وجہ سے اہل ایمان جنت میں داخل ہوں گے۔اور ایمان کے مراتب میں زیادتی اور کمی کیوجہ سے جنت میں اہل ایمان کے درجے مختلف ہوں گے (اصول کافی،تفسیر عیاشی وصافی)

آیات القرآن

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ

عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

ترجمۃ الآیات

(یہ لوگ) نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں پھر بھی یہ نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں (۱۲۶) اور جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے (جس میں منافقوں کا ذکر ہوتا ہے) تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں اور (آنکھوں کے اشارہ سے) کہتے ہیں تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر چپکے سے پلٹ جاتے ہیں دراصل اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ یہ بالکل ناسمجھ لوگ ہیں (۱۲۷) (اے لوگو!) تمہارے پاس (اللہ کا) ایک ایسا رسول آ گیا ہے جو تم ہی میں سے ہے جس پر تمہارا زحمت میں پڑنا شاق ہے تمہاری بھلائی کا حریص ہے اور ایمان والوں کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔ (۱۲۸) (اے رسول) اگر اس پر بھی یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے (۱۲۹)

تشریح الالفاظ

۱۔ عزیز علیه۔ عز کا جب صلہ علی ہو جیسے عز علیہ تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس پر گراں ہے۔
۲۔ عنتم۔ عنت کے معنی ہیں۔ دشواری میں پڑنا اور مصیبت سے ہلاک ہونا۔

تفسیر الآیات

۱۰۸۔ اَوَلَا يَرَوْنَ... الآية۔

منافقوں کی قابل رحم حالت کا تذکرہ

خداوند عالم چونکہ بڑا رحیم وکریم ہے وہ چاہتا ہے کہ ہر بندہ پر رحمت نازل کرے مگر اس کا حکیمانہ دستور ہے کہ جب تک بندہ کو آزمائش کی کٹھالی میں ڈال کر اسے آزمانہ لے کہ کھوٹا ہے یا کھرا تک وہ اس پر اپنی رحمت نازل نہیں کرتا اسی اصول کے مطابق خدا ہر سال ایک دو بار منافقین کو ایسی آزمائشوں میں ڈالتا تھا۔ اور ایسے حالات سے دو چار کرتا تھا کہ اگر ان میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی تو توبہ وانابہ کر لیتے۔ اور نفاق کو چھوڑ کر مخلص مسلمان بن جاتے اور عنایات الہیہ کے مستحق قرار پاتے۔

مثلاً۔ اسلام ومسلمانوں کے خلاف ان کی ریشہ دوانیوں کا ناکام ہونا یا مسلمانوں کا بے سروسامانی کے باوجود مظفر ومنصور ہونا یا حضرت رسول خداؐ کے مختلف معجزات کا بچشم خود مشاہدہ کرنا یا خود ان کا مختلف تکالیف ومصائب اور عوارض وامراض میں مبتلا ہونا وغیرہ وغیرہ کیا یہ سب چیزیں ان لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے کافی نہیں تھیں؟ سچ ہے لا تغنی لآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون

۱۰۹۔ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ... الآیۃ۔

اس آیت میں منافقین کے بزم نبوت میں بیٹھنے اور ضرورت کے وقت وہاں سے کھسک جانے کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ مثلاً کوئی مہم درپیش ہے اور شمع رسالت اپنے پروانوں میں گھری ہوئی ہے منافقین بھی بیٹھے ہیں آپ قرآنی ہدایات سے حاضرین کو آگاہ فرماتے ہیں اور جب منافقین دیکھتے ہیں کہ کوئی مشکل درپیش ہے اور کسی طرح ان کے کاندھوں پر بھی کسی ذمہ داری کا بوجھ نہ آن پڑے۔ نیز اس اندیشہ سے کہ کوئی نئی ایسی آیت نازل نہ ہوجائے جو ان کے رازوں کو فاش کر کے ان کو رسوا کرے کن آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ہیں اور زبان حال یا مقال سے کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان تمہاری طرف متوجہ نہیں ہے تو یہاں سے نکل چلو۔ چنانچہ وہ مسلمانوں سے نظریں بچاتے ہوئے وہاں سے کھسک جاتے ہیں کیونکہ مسلمان پیغمبر اسلامؐ کا کلام سننے میں اس قدر محو ہوتے تھے کہ انہیں دنیا ومافیہا کی کوئی خبر نہیں ہوتی تھی خدا فرماتا ہے اے میرے حبیب ان بدنصیبوں نے تیری بزم سے منہ موڑا ہے تو میں نے ان کی اس کج روی کی پاداش میں ان کے دلوں کو قبول حق سے موڑ دیا ہے۔

۱۱۰۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ... الآیۃ۔

پیغمبر اسلام کی آمد کا خوش دلانہ اعلان

ہر طالب رشد وہدایت کو خطاب کر کے بتایا جارہا ہے کہ وہ رسول رحمت کہ جس کی شان میں آیت وما

ارسلنک الا رحمۃ للعالمین نازل ہوئی ہے جو عالمین کے لئے بشیر و نذیر بھی ہے تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ جو مزمل بھی ہے اور مدثر بھی جو طہٰ بھی ہے اور یسین بھی ہے وہ آ گیا ہے آؤ اور اس شمع ہدایت سے رشد و ہدایت کے چراغ جلاؤ اور اپنی دنیا و آخرت کو سنوار نے سدھارنے کے اسباب مہیا کرو۔

اس پیغمبر اسلامؐ کی چند خصوصیات کا تذکرہ

اس پیغمبر کی چند خصوصیات یہ ہیں۔ ا۔ من انفسکم۔ وہ نوع انسانی سے ہے اور اسی کا فرد کامل و اکمل ہے اور کسی اور نوع سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

۲۔ عزیز علیه ما عنتم۔ وہ اتنا مہربان اور تمہارا ہمدرد ہے کہ تمہاری کوئی بھی تکلیف اس پر گراں گزرتی ہے۔ حریص علیکم۔ وہ اس بات کا بڑا حریص ہے کہ تم کفر و شرک چھوڑ کر اسلام کے شجرہ طیبہ کے سایہ گراں مایہ کے تلے جمع ہو جاؤ۔

۴۔ و بالمومنین۔ رؤف رحیم۔ وہ اہل ایمان کے ساتھ بڑا مہربان ہے یعنی اگرچہ وہ رحمۃ للعالمین بن کر آیا ہے مگر اس کے چشمہ رحمت سے فیض وہی خوش قسمت لوگ پائیں گے جن کے دلوں میں شمع ایمان فروزاں ہوگی جیسے قرآن عالمین کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا تھا مگر ھدی للمتقین اس کی ہدایت سے فائدہ وہی خوش بخت اٹھائیں گے جن کے بدنوں پر لباس تقوی ہوگا

۱۱۱۔ فَإِنۡ تَوَلَّوۡا ... الآیة۔

پیغمبر اسلام کو تسلی دی جا رہی ہے

پیغمبر اسلام کو خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ میرا حبیب! اگر یہ نا قدرے لوگ تیری رحمت و رافت کے چشمہ صافی سے فیض نہیں پاتے اور اپنی علمی و عملی پیاس نہیں بجھاتے اور اپنی دنیا و آخرت نہیں سدھارتے بلکہ منہ موڑتے چلے جاتے ہیں تو اس میں آپ کا کیا نقصان ہے وہ اپنا نقصان آپ کر رہے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے مجھے تمہارے سہارے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میرا اسی اللہ پر بھروسہ ہے جو عرش عظیم کا رب اور مالک ہے۔

سلامتی سفر کے لئے ورد

تفسیر مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ کہا گیا ہے کہ اس سورہ کی آخری آیت قرآن کی سب سے آخری آیت ہے جو آسمان سے اتری (مخفی نہ رہے کہ یہ روایت برادران اہل سنت کی ہے) اور تفسیر جامع میں حضرت

امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جب کوئی شخص گھر سے نکلتے وقت سورہ براۂ کی آخری دو آیتیں پڑھ کر نکلے تو وہ درندہ حیوانات کے ضرر سے محفوظ رہے گا سورہ براۂ کی تفسیر بفضلہٖ تعالی ختم ہوئی۔ **و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔**

سُوْرَةُ یُوْنُسَ

(وھی ماۃ وتسع آیات واحد عشر ارکوعا)

(سورہ یونس مکی ہے اس کی ایک سونو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں)

وجہ تسمیہ

چونکہ اس سورہ کے پورے ایک رکوع میں جناب یونسؑ اوران کی قوم پرعذاب کے نازل ہونے اور ان کی حقیقی سچی توبہ کرنے سے اس کے ٹل جانے کا قصہ مذکور ہے۔اور یہ واقعہ نوادر روزگار میں سے ہے اس لئے اس سورہ کا نام سورہ یونسؑ رکھا گیا ہے تاکہ اس طرح لوگوں کو یہ واقعہ یاد دلایا جائے۔

عہد نزول

بنابر مشہور ومنصور اس سورہ مبارکہ کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ سورہ مکی ہے۔ بجز تین آیتوں کے فان کنت فی شك الایتین او الثلث۔کیونکہ یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔

اس سورہ کے مضامین عالیہ کی اجمالی فہرست

۱۔اس میں منکرین الوھیت ونبوت کی مفصل وبابرھان رد بیان کی گئی ہے۔

۲۔پیغمبر اسلام کی اعلان نبوت سے پہلے والی خاموش زندگی سے قرآن واسلام کے منجانب اللہ ہونے پر استدلال۔

۳۔جنتیوں کے جنتی ہونے اور دوزخیوں کے دوزخی ہونے کے اسباب کا تذکرہ۔

۴۔مشرکین عرب کے مشرکانہ نظریات کی رد۔

۵۔مختلف امتوں پر ان کے کفر وشرک اور گناہ وعصیاں کی وجہ سے عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا تذکرہ۔

٦۔کفار کا ایک بشر وانسان کے منصب رسالت پر فائز ہونے پر تعجب اور اعتراض اور اس کا مسکت جواب۔

۷۔حیات بعد الموت پر کفار کا ایراد اور اس کا جواب۔

۸۔کفار کا قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر اعتراض اور اس کا جواب۔

۹۔اس حقیقت کا بیان کہ جوخود محتاج ہدایت ہووہ دوسروں کا ہادی نہیں ہوسکتا۔

۱۰۔جہاں قرآن واسلام خاموش ہووہاں اپنی طرف سے کوئی حکم جاری کرنا افترا علی اللہ ہے۔

۱۱۔اولیاء اللہ کا حزن وملال سے مبرا ہونے کا اعلان

۱۲۔فرعون کی ہلاکت کے بعد اس کی لاش کا دریا سے باہر نکل کر آج تک محفوظ ہونا خدا کی غیر معمولی قدرت کی ناقابل انکار دلیل ہے۔

۱۳۔نفع ونقصان اور ضرروزیاں کے منجانب اللہ ہونے کا بیان۔

۱۴۔اللہ کے دین کے اصول ہوں یا فروع غرض کہ اس کی ہر چیز ناقابل ترمیم و تنسیخ ہے۔

وغیرہ وغیرہ۔

سورہ یونس پڑھنے کا ثواب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جو شخص ہر دو یا تین ماہ میں ایک بار سورہ یونس پڑھ لیا کریگا اس کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں ہوگا کہ جاہلوں سے ہو۔ اور بروز قیامت خدا کے مقرب بندوں سے ہوگا۔(ثواب الاعمال)

آیات القرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ

جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾

ترجمۃ الآیات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ الف، لام، را۔ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں (۱) کیا یہ بات لوگوں کے لئے تعجب کا باعث ہے کہ ہم نے خود ان ہی میں سے ایک آدمی پر وحی بھیجی کہ (بے ایمان اور بدکردار لوگوں کو) ڈراؤ اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں اچھا مقام و مرتبہ ہے (لیکن) کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے (۳) بے شک تمہارا پروردگار اللہ ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے۔ پھر عرش پر غالب ہوا۔ وہی (کائنات کے) ہر کام کی تدبیر اور اس کا بندوبست کرتا ہے اس کی بارگاہ میں کوئی سفارشی نہیں ہوسکتا مگر اس کی اجازت کے بعد۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار پس اسی کی عبادت کیا کرو تم غور و فکر نہیں کرتے (اور نصیحت قبول نہیں کرتے) (۴) تم سب نے اسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے بے شک وہی مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کرتا ہے پھر وہی دوبارہ اسے زندہ کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں انہیں انصاف کے ساتھ جزا دے اور جنہوں نے کفر کیا انہیں ان کے کفر کی پاداش میں کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (۵) بے شک رات اور دن کی ادل بدل اور الٹ پھیر میں

اوران چیزوں میں جوخدانے آسمانوں اورزمین میں پیدا کی ہیں پرہیزگاروں کیلئے (خدا کی قدرت وحکمت کی) نشانیاں ہیں۔(۶)

تشریح الالفاظ

۱۔حمیم۔کے معنی ہیں سخت گرم پانی۔ ۲۔ضوءوضیاءکے معنی روشنی کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۱۔الرٰ تلك...الآية

قبل ازیں سورہ بقرہ کے آغاز میں یہ حقیقت بیان کی جا چکی ہے کہ بعض سورتوں کے آغاز میں جوحروف مقطعات ہیں یہ ان متشابہات میں سے ہیں جن کی حقیقت خدااورراسخون فی العلم کے سوااورکوئی نہیں جانتااوراس سلسلہ میں جوبعض اخبار احادمروی ہیں وہ قابل اعتمادنہیں ہیں ویسے کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کا یہ مفہوم مروی ہے ''اناالله الرؤف''میں ہوں مہربان خداواللہ العالم۔

۲۔تِلْكَ اٰيٰتُ...الآية۔

یہ آیتیں جونازل ہورہی ہیں یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جوحکمت والی ہے جس کی ہر بات میں حکمت پوشیدہ ہے اورحکیم بمعنی محکم بھی ہوسکتی ہے یعنی یہ کتاب محکم کی آیتیں ہیں اور یہ دونوں مفہوم صحیح ہیں جن کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

۳۔اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا...الآية۔

کفارقریش کے پیغمبراسلامؐ کی رسالت پرتعجب کرنے کے وجوہ؟

اس آیت میں خداوندعالم نے کفارقریش کے پیغمبراسلام کی رسالت پرتعجب کرنے کا تذکرہ کرکے اس کا مختصر جواب دیا ہے مگر یہاں ان کے اس تعجب کے علل واسباب کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ہاں البتہ قرآن مجید کی مختلف آیات کا مطالعہ کرنے سے ان کے اس تعجب کے چنداسباب کا پتہ چلتا ہے۔

پہلی وجہ

ان لوگوں کا خیال تھا کہ رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہئے۔ایک بشراورانسان کوکیوں نبی بنایا گیا ہے ان کا

یہ اعتراض سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۴ میں مذکور ہے۔ ابعث اللہ بشرا رسولا۔ کہ خدا نے ایک بشر کو رسول بنا کر کیوں بھیجا ہے؟ اس مقام پر خدائے علیم وحکیم نے ان لوگوں کے اس نامعقول ایراد کا یہ معقول جواب دیا ہے۔ قل لوکان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئن لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا (۹۵)۔ (اے رسول) کہہ دیجئے کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور ان کی طرف آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے لیکن جب رسول انسانوں کی طرف بھیجنا تھا تو ضرورت تھی کہ انہی کی نوع سے بھیجا جاتا

دوسری وجہ

ان کا دوسرا بڑا اعتراض یہ تھا کہ اگر کسی انسان کو ہی رسول بنانا تھا تو جب مکہ وطائف کے بڑے بڑے سردار اور سرمایہ دار موجود تھے تو پھر یتیم، عبداللہ کو کیوں رسول بنایا گیا۔ (لولا نزل القرآن علی رجل من القریتین عظیم) اس کا جواب خداوند عالم نے یہ دیا۔ اھم یقسمون رحمۃ ربك نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا۔ نبوت پروردگار عالم کی رحمت ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے جب ان کی دنیاوی زندگی کی روزی ہم تقسیم کرتے ہیں تو رحمت خدا کے یہ تقسیم کرنے والے کون ہوتے ہیں۔

تیسری وجہ

انہوں نے پیغمبر اسلام کا اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ جب ہمارا رابطہ خدا سے نہیں ہے تو ان کا کس طرح ہو گیا؟ اس کا جواب خدا نے یہ دیا ہے کہ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنی رسالت کہاں قرار دینی ہے اور کس سے یہ کام لینا ہے۔ (الانعام۔ ۱۲۴)

چوتھی وجہ

اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پیغمبر اسلام ایک ایسا دین، ایسے عقائد اور ایسے عبادات لائے تھے جن سے وہ مانوس نہیں تھے اس لئے کہتے تھے۔ ما سمعنا بھذا فی ابائنا الاولین۔ (مومنوں ۲۴) ایسی باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادا سے نہیں سنی تھیں اس کا جواب رب الارباب نے یہ دیا کہ لقد کنتم و اباء کم فی ضلال مبین۔ ابنیاء، ۵۴) کہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

۴۔ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ... الآیۃ۔

پیغمبر اسلام کا اصلی کام کیا ہے؟

خداوند عالم کفار قریش کے ایرادات بیان کرنے کے بعد وضاحت فرما رہا ہے کہ پیغمبر اسلام پر جو وحی کی گئی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور آپ کا اصلی فریضہ کیا ہے؟ فرمایا ان کا فرض انذار اور تبشیر ہے یعنی خدا کے نافرمانوں کو عذاب خداوندی سے ڈرانا اور فرمانبرداروں کو اجر وثواب خداوندی کی خوشخبری سنانا۔ اسی اجر وثواب کو قدم صدق سے تعبیر کیا گیا ہے کہ مرنے کے بعد ان کے لئے یقینی بلند مرتبہ اور اچھا مقام ہے۔ کئی آیات میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ خداوند عالم نے آپ کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے بلکہ تمام رسولوں کی بعثت کا مقصد اقصی یہی بشارت و نذارت ہے رسلا مبشرين و منذرين لئلا يكون للناس حجة على الله بعد الرسل مخفی نہ رہے کہ بعض تفاسیر میں قدم صدق کی تفسیر پیغمبر اسلامؐ کی شفاعت سے کی گئی ہے جو خوش قسمت اہل ایمان کو نصیب ہوگی۔ (تفسیر صافی)

۵۔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ... الآية۔

وہ پیغمبر اسلام کو اس لئے ساحر اور ان کے لائے ہوئے قرآن کو اس لئے سحر کہتے تھے کہ وہ اس کا مثل لانے سے قاصر تھے اور پھر اس کی تاثیر بے نظیر تھی جو ایک بار سن لیتا تھا وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے آنحضرتؐ کے کچھ خارق عادت امور کا مشاہدہ کیا تھا جن کو وہ معجزہ تسلیم کرنے کی بجائے اپنے خبث باطن کی وجہ سے سحر سے تعبیر کر رہے ہیں حالانکہ معجزہ حقیقت ہوتا ہے اور سحر کی چشم بندی کے سواء اور کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

۶۔ ان ربکم الله الذی... الآية۔

یہ وہی آیت ہے جو قبل ازیں سورہ اعراف آیت ۵۴ پر گزر چکی ہے اور وہیں اس کی مکمل تفسیر بھی گزر چکی ہے لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۷۔ مَا مِنْ شَفِيْعٍ... الآية۔

شفاعت کا شرعی مفہوم اور اس کا اثبات

اگرچہ قبل ازیں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں شفاعت کے موضوع پر مختصر سی گفتگو ہو چکی ہے مگر یہ موضوع جس شرح و بسط کا مقتضی تھا اس کا ہنوز حق ادا نہیں ہو سکا۔ لہٰذا یہاں اس موضوع پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے سو واضح ہو کہ شفاعت کا غلط یا صحیح تصور و تخیل ہر زمانہ اور ہر دین و مذہب میں رہا ہے اور ہے

اس وقت یہاں اس کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں ہے مگر اسلام نے شفاعت کا جو تصور پیش کیا ہے وہ ان تصورات سے جداگانہ ہے اس سے خدا کا مجبور ومقہور ہونا لازم نہیں آتا اسلام نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کچھ ذوات مقدسہ ایسے ہیں کہ جو بروز قیامت بارگاہ الٰہی میں صحیح العقیدہ گنہگاروں کی شفاعت وسفارش کرکے ان کو عذاب خداوندی سے نجات دلائیں گے مگر یہ شفاعت خود خدا کے اذن و اجازت سے ہوگی **ومن ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ** کون ہے جو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ہاں سفارش کرے؟ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے **ولا یشفعون الا لمن ارتضی** یہ حضرات سفارش نہیں کریں گے مگر اس کی جس کے متعلق خدا چاہے گا تمام مکاتب فکر اسلامی سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کا اس کی صحت پر اتفاق ہے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ عقیدہ نہ صرف ضروریات مذہب بلکہ ضروریات اسلام میں سے ہے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں **من لم یومن بشفاعتی فلا انالہ اللہ شفاعتی**۔ جو میری شفاعت پر ایمان نہیں رکھتا خدا اسے میری شفاعت نصیب نہ کرے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **من انکر ثلاثۃ اشیاء فلیس من شیعتنا المعراج و المسائلۃ فی القبر و الشفاعہ**۔ جو شخص تین چیزوں کا انکار کرے وہ ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہے، معراج نبوی، قبر میں سوال و جواب اور شفاعت (حق الیقین، بحارالانوار، کتاب الخصال، عیون الاخبار)

محل اختلاف کی تعیین

ہاں البتہ اگر اس سلسلہ میں کچھ اختلاف ہے تو وہ اس کی شرعی حقیقت میں ہے کہ آیا یہ شفاعت صرف نیکوکاروں کی زیادتی درجات اور گناہ گاروں کے عفو سیئات ہر دو میں ہوگی۔ یا فقط زیادتی درجات کے متعلق ہوگی چنانچہ بعض وہابیہ اور معتزلہ میں سے فرقہ وعیدیہ اور خوارج کا خیال ہے کہ شفاعت صرف زیادتی درجات سے متعلق ہوگی۔ لیکن باقی جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ شفاعت زیادتی درجات اور عفو سیئات ہر دو کے متعلق ہوگی اور یہی حق ہے چنانچہ محقق طوسیؒ فرماتے ہیں **والحق صدق الشفاعۃ فیہما**۔ حق یہ ہے کہ ان دونوں پر شفاعت کا اطلاق صحیح ہے (تجرید)

شفاعت کا اثبات

شفاعت مطلقہ کے اثبات پر بکثرت آیات قرآنیہ اور احادیث معصومیہ دلالت کرتی ہیں۔ ا۔ من

ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ (سورہ بقرہ)۔ ۲۔ ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ۔(سورہ انبیاء)۔ ۳۔ ما من شفیع الا من بعد اذنہ (سورہ یونس) ان آیات شریفہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ کچھ ذوات مقدسہ سفارش کریں گے مگر یہ شفاعت و سفارش خدا کے اذن و اجازت کے بعد ہوگی۔۔ ۴۔اسی طرح ارشاد قدرت ہے۔ عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً محموداً (بنی اسرائیل) عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔۔ ۵۔ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ اور عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے (سورہ والضحیٰ)۔تمام مفسرین اسلام کا اتفاق ہے یہ آیتیں حضرت رسول خداؐ کی شفاعت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اور یہ کہ مقام محمود سے شفاعت کبری مراد ہے

کون حضرات شفاعت کریں گے

سابقہ بیان حق ترجمان سے حضرت خاتم الانبیاءؐ کا شفیع امت بلکہ شفیع امم ہونا تو واضح وعیاں ہو چکا لہٰذا خدا کے ہاں سب سے بڑے شفیع اور مقبول الشفاعۃ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آپ کے بعد آئمہ اہلبیتؑ شفیع ہیں ان کے بعد شہداء علماء دین اور خالص وکامل مومنین کا درجہ ہے اور اس سلسلہ میں متعدد آیات وروایات موجود ہیں۔ ارشاد قدرت ہے ولا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذہ عند الرحمن عھدا۔(سورہ مریم) اس شخص کے سوا جس کا کوئی عہد خدا کے پاس ہوگا اور کسی کو شفاعت کرنے کا کوئی اختیار نہ ہوگا حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے۔ فرمایا ثلاثۃ یشفعون الی اللہ عزو جل فیشفعون الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء۔ تین گروہ بارگاہ الٰہی میں شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول بھی ہوگی۔ انبیاء، علماء اور شہداء (کتاب الخصال)

اسی طرح فرشتوں کا شفاعت کرنا قران وسنت سے ثابت ہے ارشاد قدرت ہے۔ و کم من ملك فی السموات لا تغنی شفاعتھم شیئاً الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضیٰ۔ آسمانوں میں بہت سے ایسے فرشتے موجود ہیں کہ اللہ کے اذن اور اس کی پسند کے بغیر اس کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ اسی طرح مومنین کاملین کا شفاعت کرنا بھی احادیث اہلبیت علیہم السلام کی روشنی میں ثابت ہے۔ ولا یشفع الا من اذن اللہ لہ فی الشفاعۃ وھم الانبیاؤ الا وصیا ء و الشھداء و العلمآء والمومنون (حق الیقین شبر)

کن کی شفاعت ہوگی اور کن کی نہیں ہوگی

اسلامی عقیدہ شفاعت نصاری کے عقیدہ کفارہ کی مانند نہیں ہے کہ جناب عیسیٰ۔ تختہ دار پر لٹک گئے اور اپنی تمام امت کے گناہوں کا کفارہ ادا ہوگیا۔ لہٰذا اب عیسائیوں کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ جو چاہیں کرتے پھریں۔ ان کی نجات کے لئے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی (مزعومہ) شہادت کافی ہے لہٰذا مسلمانوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضرت علیؑ یا حضرت امام حسینؑ کی شہادت امت کے گناہوں کا کفارہ ہے ایسا ہرگز نہیں ہے چنانچہ جو امر آیات قرآنیہ اور احادیث معصومیہ سے پایہ ثبوت کو پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ شفاعت صرف ان لوگوں کی ہوگی جو صحیح العقیدہ مسلمان ہوں گے مگر مقام عمل میں تلبیس ابلیس، یا نفس امارہ یا جہل ونسیان کی وجہ سے بتقاضائے بشریت ان سے کچھ عملی کمزوریاں اور غلطیاں سرزد ہوگئی ہونگی تو گویا کسی شخص کی شفاعت کرنے کا مطلب اسے رعایتی نمبر دلوا کر پاس کرانا ہے لہٰذا جو اہل ایمان مقام عمل میں جدوجہد کریں گے مگر پھر بھی ان سے کچھ کوتاہیاں ہوجائیں گی۔ چند نمبروں کی وجہ سے ناکام ہورہے ہوں گے ان کی شفاعت کرکے ان کو رعایتی نمبروں پر پاس کرا کے جنت الفردوس میں پہنچا دیا جائے گا بنابریں اسلامی شفاعت کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے اس مثال میں غور وفکر کرنا مفید ہے۔ ایک شخص امتحان کے لئے تیاری کرتا ہے مگر وہ مکمل تیاری نہیں کرتا اس سے کچھ کوتاہی ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ چند نمبروں سے فیل ہورہا ہوتا ہے کہ کوئی مہربان ممتحن سے اس کی سفارش کرکے اور چند نمبر بڑھوا کر اسے رعایتی نمبروں پر پاس کرادیتا ہے لہٰذا کوئی شخص سرے سے تیاری نہ کرے اور کچھ بھی پرچہ حل نہ کرے تو پہلے تو ایسے نالائق کی کوئی سفارش ہی نہیں کرے گا اور اگر بالفرض کرلے گا تو اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں ممتحن یہی کہے گا

تن ہمہ داغ داغ شد
پنبہ کجا کجا نہم ؟؟۔

احادیث میں آیت شریفہ **ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ** کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر قمی وصافی وغیرہ) کتب فریقین میں پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے فرمایا **ان شفاعتی لا ھل الکبائر من امتی**۔ میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہے جو گناہان کبیرہ کے مرتکب ہوں گے۔ لہٰذا جو اہل ایمان واجبات کو ادا کرنے اور محرمات الٰہیہ سے بچنے کی کوشش کریں گے مگر بتقاضائے بشریت ان سے بعض صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد ہوجائیں گے تو ان کی شفاعت تو ہوگی۔ مگر جو لوگ جان بوجھ کر شریعت مقدسہ کے حدود و قیود کو توڑیں گے، حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنائیں گے یا اوامر و نواہی الٰہیہ کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے اور بے

تحاشا گناہ پر گناہ کرتے رہیں گے ان بدقسمت لوگوں کی شفاعت نہیں کی جائے گی۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں من کان للہ مطیعاً فھو لنا ولی ومن کان للہ عاصیاً فنحن منہ براء۔ جو لوگ اللہ کے مطیع و فرمانبردار ہیں وہ ہمارے دوست ہیں اور جو اللہ کے نافرمان ہیں ہم ان سے بیزار ہیں۔ (اصول کافی)۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لا تنال شفاعتنا من استخف بصلوتہ جو شخص اپنی نماز کو خفیف سمجھے گا اس کو ہماری شفاعت نصیب نہیں ہوگی (وسائل شیعہ) بہر حال اس مقام پر نہایت حزم و احتیاط کی ضرورت ہے بموجب کلمہ حق یراد بہا الباطل۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم اپنے آپ کو مطلق العنان تصور کریں اور جو جی میں آئے وہ کرتے پھریں اور پھر یہ خیال کریں کہ ہماری شفاعت ہو جائے گی۔ اور ہم بخشے جائیں گے ماہر ڈاکٹر کے نسخہ شفا پر بھروسہ کر کے زہر کھانا کوئی دانشمندی نہیں

اگر خواہی سلامت بر کنارا ست

بہر حال ایک بندہ مومن کو ہمیشہ بیم و امید کے درمیان رہنا چاہیے اور باوجود اپنے گناہوں کے اس کی رحمت کا امیدوار اور باوجود نیکیوں کے اس کے قہر و غضب سے خائف و ترسان رہنا چاہیے ارشاد قدرت ہے و یرجون رحمتہ و یخافون عذابہ، وہ اس کی رحمت کی امید اور بھی رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے بھی ہیں۔ اللھم ارزقنا رحمتك ووقنا عذابك بشفاعة نبيك محمد خاتم النبين و عترته الطاهرين صلوات الله عليهم جمعين

عقیدہ شفاعت پر چند شکوک و شبہات اور ان کے جوابات

جو لوگ شفاعت کو صرف بلندی درجات کی سفارش تک محدود سمجھتے ہیں وہ بخیال خویش اس کے وسیع مفہوم پر چند عقلی و نقلی شکوک و شبہات پیش کیا کرتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان کا۔ اجمالاً تذکرہ کر کے بعد ازاں ان کے تسلی بخش جوابات یہاں پیش کر دیے جائیں۔

پہلا عقلی شبہ اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ کسی عادل و صادق حاکم کے لئے جس طرح کسی اچھے کام کرنے پر اچھے وعدہ کی خلاف ورزی قبیح ہے اسی طرح کسی برے کام کرنے پر کسی وعید و تہدید کی مخالفت بھی قبیح ہے لہذا کسی کی سزا کو معاف کرنا ممنوع ہے اور ایسے کام کی سفارش کرنا کسی بزرگ ہستی کی شایان شان نہیں ہے۔

اس شبہ کا جواب بالکل واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ وعدہ اور وعید میں زمین و آسمان کا فرق ہے بے شک

کسی اچھے کام کرنے پر کسی انعام واکرام کا وعدہ کر کے اسے پورا نہ کرنا عقلاً وشرعاً قبیح وشنیع ہے۔لیکن کسی برے کام کے کرنے پر کوئی دھمکی دے کر اس پر عمل نہ کرنا بلکہ معاف کر دینا نہ صرف یہ کہ قبیح نہیں ہے بلکہ قابلِ مدح و ستائش کام ہے۔ بھلا جب خدا بندوں کو حکم دیتا ہے کہ زیادتی کرنے والوں سے درگذر کرو۔ الا فاعفوا وا صفحوا یغفر اللہ لکم ۔عفوودرگذر سے کام لو۔خدا تمہیں معاف فرمائے گا تو وہ خود کیوں عفوودرگذر سے کام نہیں لے گا۔؟؟

دوسرا شبہ اور اس کے جوابات

یہ شبہ بعض قرآنی آیات کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی پیداوار ہے جیسے ارشاد قدرت ہے۔ ماللظالمین من حمیم و لا شفیع یطاع۔ظالموں کا کوئی خیرخواہ اور شفیع نہیں ہوگا۔اور چونکہ گنہگار ظالم ہے۔لہٰذا اس کی شفاعت نہ ہوگی۔

۲۔مالظالمین من انصار۔ظالموں کا کوئی یارومددگار نہ ہوگا۔اور جو شفیع ہوتا ہے وہ گویا ضرور مددگار ہوتا ہے۔اور جب ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے تو پھر ان کا کوئی شفیع بھی نہیں ہے۔

۳۔ارشاد قدرت ہے۔ یوم لا تجزی نفس عن نفس شیئاً۔اس روز کوئی کسی نفس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا اور ظاہر ہے کہ شفاعت بھی تو ایک فائدہ ہے لہٰذا اس کی نفی ہوگئی ہے۔

۴۔فلا تنفعھم شفاعۃ الشافعین۔ان لوگوں کو کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دے گی اس سے معلوم ہوا کہ شفاعت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

اس شبہ کا پہلا جواب

یہ ہے کہ اگرچہ فاسقوں فاجروں کو بھی ظالم کہا گیا ہے مگر قرآنی نقطہ نگاہ سے ظالم کے کامل افراد کافر د مشرک ہیں چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ والکافرون ھم الظالمون۔(سورہ بقرہ)۔یعنی کافر ہی حقیقی ظالم ہیں۔لہٰذا ان آیات کا مطلب یہ ہوا کہ جو کافر و مشرک ہیں ان کی ہرگز شفاعت نہیں کی جائے گی۔اور ہم اوپر واضح کر آئے ہیں کہ شفاعت اس صحیح العقیدہ مسلمان کی ہوگی جس سے کچھ عملی کمزوریاں سرزد ہوئی ہوں گی۔اور

ایں زمین را آسمانے دیگر است

وھذا حق لا یعتریہ شك

دوسرا جواب۔اگر پیغمبر اسلام کی شفاعت سے گنہگار مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ ہوتا تو پھر خدا اپنے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم کیوں دیتا کہ **استغفر لذنبك وللمومنين و المومنات**۔ کہ مومن مردوں اور عورتوں کے لئے خدا سے مغفرت طلب کریں؟ نیز وہ گنہگاران امت کو یہ ہدایت کیوں فرماتا کہ **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤ اك وا ستغفر والله واستغفر لهم الرسول لوجد الله توابا رحيماً** (القرآن) جب ان لوگوں نے (گناہ کرکے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا اگر وہ (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے پاس آجاتے اور خدا سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کی سفارش کر دیتا تو وہ یقیناً اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا پاتے۔ اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ کہ جن آیات میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے ان سے کفار و مشرکین مراد ہیں نہ گنہگار مومنین وھذا اوضح من ان یخفیٰ۔ چنانچہ زیر بحث آیت میں بھی کفار و مشرکین کی اسی مزعومہ شفاعت کی نفی کی جا رہی ہے جو وہ اپنے بتوں سے وابستہ کئے ہوئے تھے کہ انہیں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ یہ اندھے بہرے اور بے عقل و شعور بت تمہاری کس طرح شفاعت کریں گے؟ اور اگر اس سے بھی صرف نظر کر لیا جائے تو شفاعت تو خدا کے اذن کے بعد ہوگی اور خدا نے جب ان کو اجازت دی ہی نہیں ہے تو پھر وہ کس طرح شفاعت کریں گے؟ خود اسی آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ کے کچھ ایسے مخصوص بندے ہوں گے جن کو خدا اجازت دے گا اور وہ شفاعت کریں گے۔ والحمدللہ

۸۔ اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ... الآية

کفار کے تعجب کا ازالہ اور نشاہ اولیٰ سے نشائۃ ثانیہ پر استدلال

کفار کو سب سے زیادہ اعتراض حیات بعد الموت پر تھا۔ کہ آدمی مرمٹ جانے کے بعد دوبارہ کس طرح زندہ ہوسکتا ہے اور اسی وجہ سے وہ قیامت کا انکار کرتے تھے۔ یہاں بڑے اختصار کے ساتھ مگر بڑے جامع الفاظ میں ان کے اس شبہ کا جواب دیا جا رہا ہے۔ اور قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی حکمت و مصلحت بتائی جا رہی ہے اور فطری اور منطقی طرز استدلال کے ساتھ انہیں متوجہ کیا جا رہا ہے کہ پہلی پیدائش پر تو تم یقین رکھتے ہو۔ کہ اس نے تمہیں خلعت وجود عطا فرمائی۔ تو پھر دوسری پیدائش پر کیوں تعجب ہوتا ہے اور اس کا کیوں انکار کرتے ہو؟ بھلا وہ قادر مطلق جو تمہیں عدم محض سے نکال کر عرصہ وجود میں لایا وہ تمہارے متفرق اجزاء کو اکھٹا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ ارشاد قدرت **و هوا هون عليه**۔ یہ تو اس پر زیادہ آسان ہے؟

قیام قیامت کی ضرورت

اب رہی یہ بات کہ یہ دوسری زندگی کیوں ضروری ہے؟ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اللہ چونکہ عادل

ہے اس لئے اس کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک زندگی عمل سے متعلق ہے تو دوسری زندگی جزاءِ عمل سے متعلق ہونی چاہیے۔ لہٰذا قانون مکافات کا تقاضا یہ ہے کہ نیکوکاروں کو ان کی نیکی کی جزاء اور بدکاروں کو ان کی بدکاری کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ مشاہدہ شاہد ہے کہ دنیا میں کئی نیکوکار اور پرہیزگار نہایت عسرت اور تنگی کی زندگی گزار رہے ہیں اور ظالموں کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ اور کئی بدکار اور اشرار نہایت ٹھاٹھ باٹھ سے ایام زیست گذار رہے ہیں کئی ظالم دندنا رہے ہیں اور کئی مظلوم اشک بہا رہے ہیں۔ لہٰذا ایک یوم جزاء ضروری ہے کہ جس میں ہر شخص کو اس کے کردار اور اس کی روش و رفتار کی جزاء وسزا ملے تا کہ عدل الٰہی کے تقاضے پورے ہوں اس کا ارشاد ہے **من یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ**۔

۹۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ...الآیة

ضوء ونور مترادف ہیں متخالف

یہاں بعض مفسرین نے بڑی موشگافیاں کی ہیں کہ ضوء اور نور دو مترادف لفظ ہیں جن کا مفہوم روشنی ہے۔ (**الظاھر بنفسه والمظھر لغیرہ**۔ جو خود روشن ہو اور دوسری چیزوں کو روشن کرے) یا متخالف؟ چنانچہ کہا جاتا ہے ضوء اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کا نور ذاتی ہے جیسے ضوء شمس اور نور اسے کہا جاتا ہے جس کا نور دوسرے سے حاصل کیا گیا ہو جیسے نور قمر جو کہ آفتاب سے مستفاد ہے۔ بہرحال یہاں اصل مقصد اس حقیقت کا بیان کرنا ہے کہ کارخانہ قدرت کی کوئی چیز بے کار نہیں ہے کائنات ارضی وسماوی کی ہر ہر چیز میں بیسیوں حکمتیں اور مصلحتیں کارفرما ہیں لہٰذا سورج کی درخشندگی اور چمک یا چاند کی روشنی یا پھر چاند کی گردش کی منازل جن سے تم اپنے سن وسال کی گنتی اور مہینوں کا حساب معلوم کرتے ہو۔ اس تمام گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض و مصلحت کے ہو؟ اور صرف اس لئے ہو کہ کھائے پیئے اور مر کر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے؟ (ترجمان القرآن ج ۲)۔ نیز سورج و چاند کی اپنے مقررہ راستوں سے مقررہ اوقات پر آمد و رفت ان کی گردش اور ان کے طلوع وغروب کے قدرتی مناظر اور پھر نباتات اور ان کی پخت و پز ان کے پڑنے والے اثرات صانع عالم کے کمال صنعت اور کمال علم وحکمت کی ناقابل رد دلیل ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ اس موضوع پر قبل ازیں سورہ توبہ کی آیت ۳۶ اور سورہ انعام کی آیت ۹۴ کی تفسیر میں گفتگو ہو چکی ہے لہٰذا ان مقامات کی طرف رجوع کرنا بھی سودمند رہے گا۔

ایک لطیف استخراج

''بہر کیف چاند کی منزلیں قرار دینے کا مقصد برسوں کا شمار قرار دینا اس کی دلیل ہے کہ اسلام میں سال قمری ہی معتبر ہے نہ کہ سال شمسی جیسا کہ آج کل کے بعض خود رو آزاد مفکرین کا رجحان ہے'' (فصل الخطاب ج ۴)

۱۰۔ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ ... الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۶۴۔ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار الایۃ کی تفسیر میں تفصیلی طور پر گزر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں آیت کا اختتام ''لقوم یعقلون'' پر ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیں۔ اور یہاں آیت کا اختتام ''لقوم یتقون'' یہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کریں یعنی اگرچہ یہ نشانیاں سب کے لئے ہیں مگر ان کا صحیح فائدہ صاحبان عقل اور ارباب تقویٰ ہی اٹھاتے ہیں۔

جہنمی لوگ کون ہیں؟؟

اس آیت میں خداوند عالم نے ان حرمان نصیب لوگوں کے برے انجام کا تذکرہ فرمایا ہے جنہوں نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان والی قدرت کی ہزاروں نشانیوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ بلکہ ان سے سراسر غفلت برتی اور ذرا بھی دھیان نہیں دیا اور وہ کوتاہ اندیش اس طرح چندروزہ حیات مستعار اور اس کی دلفریب زیب و زینت پر فریفتہ اور اس پر اس طرح مطمئن ہو گئے کہ گویا یہاں سے انہوں نے کبھی رخت باندھ کر جانا ہی نہیں ہے اور اللہ سے ملنے کی امید ہی ترک کر بیٹھے یعنی اخروی دائمی حیات اور اس کے عیش و آرام یا اس کے ابدی شدائد و آلام کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ ایسے بدقسمت لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ بما کانوا یکسبون الآیۃ۔ خود انکے اپنے عملوں کی سزا ہے جو وہ کماتے رہے ہیں۔

درس عبرت

انکار دو قسم کا ہوتا ہے۔ ۱۔ زبان سے انکار۔ ۲۔ عمل سے انکار لہٰذا جو لوگ کھلم کھلا زبان سے آخرت کا انکار کریں اور دنیوی چندروزہ حیات کو ہی سب کچھ سمجھیں ان کا انجام تو آپ نے سن لیا کہ ابدی جہنم ہے۔ مگر خیال رہے کہ جو لوگ نظریاتی طور پر زبان سے تو آخرت کا اقرار کرتے ہیں اور بظاہر نماز و روزہ وغیرہ بھی ادا کرتے ہیں مگر اس طرح بے تحاشا محرمات الہیہ کا ارتکاب کرتے ہیں کہ گویا ان لوگوں نے نہ مرنا ہے اور نہ ہی عادل حقیقی کی

بارگاہ میں اپنے اعمال کا کوئی حساب وکتاب دینا ہے ان سیاہ بدبختوں کا انجام بھی پہلی قسم سے مختلف نہ ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر انصاف کی عینک لگا کر موجودہ دور کے مسلمان کہلانے والے لوگوں کے حالات و کوائف اور ان کے شب و روز کے مصروفیات کا جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ان کی حالت منکرین قیامت کی حالت سے چنداں مختلف نہیں ہے ان میں فکر آخرت اور فکر فردا کی کوئی ادنیٰ سی علامت بھی نظر نہیں آتی اور نہ ہی ان کے چہرہ مہرہ سے ان کے دلی خوف حساب یا فکر فردا کی کوئی جھلک نظر آتی۔ حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ ہم مسلمانوں کے چہروں کو دیکھ کر خدا یاد آتا اور ہمارے کردار کی حرارت سے کافر و منکر بھی متاثر نظر آتا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

آیات القرآن

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۹﴾ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک جو لوگ (مرنے کے بعد) ہماری بارگاہ میں حاضری کی امید نہیں رکھتے اور صرف دنیوی زندگی میں مگن ہیں اور اس پر مطمئن ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں (۷) یہ وہ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے ان کرتوتوں کی پاداش میں جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔ (۸) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ ان کا پروردگار ان کے ایمان کی بدولت انہیں اس منزل مقصود تک پہنچائے گا۔ یعنی وہ نعمت الٰہی کے ان باغوں میں ہوں گے

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (۹) وہاں ان کی دعا وصدا یہ ہوگی۔ اے اللہ! پاک ہے تیری ذات اور ان کی صاحب سلامت سلام سے ہوگی اور ان کی آخری دعا و پکار یہ ہوگی کہ ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے (۱۰)

تشریح الالفاظ

۱۔ اختلاف کے معنی ایک دوسرے کے پیچھے آنے، آمد و رفت اور ادل بدل کے ہیں۔ ۲۔ رضی بہ رضی۔ کا صلہ جب با ہو اسکے معنی پسند کرنے اور قناعت کرنے کے ہوتے ہیں۔ ۳۔ تحیہ۔ کے معنی ہیں کسی کے لئے درازی عمر کی دعا کرنا یعنی حیاک اللہ کہنا نیز اس کے معنی سلام کرنے کے بھی ہیں۔

تفسیر الآیات

۱۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... الآیۃ۔

جنتی کون لوگ ہیں

خداوند عالم جہنمی لوگوں کے حالات و کوائف اور ان کے صفات و علامات اور پھر ان کا انجام بد بیان کرنے کے بعد اب یہاں خوش نصیب انسانوں کے حالات و علامات اور صفات اور ان کا نیک انجام بیان کر رہا ہے جو دولت ایمان سے مالا مال ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ سے اپنے دامن مراد کو بھر رہے ہیں واجبات شرعیہ کو ادا کرتے ہیں اور محرمات الہیہ سے اجتناب کرتے ہیں اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں ان کی جزاء کیا ہے۔ یھدیھم ربھم۔

ہدایت کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی ثواب عطاء کرنا بھی ہے لہٰذا یہاں یہ معنی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ خداوند عالم ان خوش نصیب لوگوں کو ان کے ایمان کی وجہ سے ثواب کے طور پر وہ بہشت عطا فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور ہدایت بمعنی ایصال الی المقصود بھی مراد ہوسکتی ہے کہ خداوند کریم ان لوگوں کو ان کے ایمان کی برکت سے ان کی منزل مقصود یعنی اس بہشت عنبر سرشت تک پہنچائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی مخفی نہ رہے کہ جس ایمان کی برکت سے ان لوگوں کو جاگیر جنت نصیب ہوئی ہے اس سے وہی ایمان مراد ہے جس کے ساتھ اس کے تقاضے یعنی اعمال صالح بھی ہوں گے۔ یعنی اخلاق و اطوار کی پختگی بھی اور سیرت و کردار کی درستگی بھی۔

۱۳۔ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا ...الآیۃ۔

جنتیوں کی اس میں صدا کیا ہوگی؟

جب جنتی لوگ اپنی اخروی منزل مقصود تک پہنچ جائینگے یعنی جنت الفردوس میں داخل ہوجائینگے اور جنت کی عجیب وغریب نعمتوں کو دیکھیں گے تو بھوکے پیاسے۔آدمی کی طرح ان پر ٹوٹ نہیں پڑیں گے۔ بلکہ اپنی دنیوی عادت کے مطابق پہلے خدا کا نام لینگے سبحانك اللهم اور جب باہم ملیں گے تو کہیں سلام علیکم۔ اور جب نعمتیں استعمال کریں گے تو الحمدللہ کہیں گے بہرحال وہ خدا سے سنیں گے تو "سلام" چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔سلام قولا من رب رحیم وہ ملائکہ جنت سے سنیں گے تو سلام۔وقال لهم خزنتها سلام عليكم۔ طبيتم فادخلوها خلدين۔اوران کی آخری صدا ودعا یہ ہوگی۔

الحمدللہ رب العالمین۔

آیات القرآن

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝۱۱ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۱۲ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ۝۱۳ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۝۱۴

ترجمة الآيات

اگر خدا لوگوں کو نقصان پہنچانے میں اس طرح جلدی کرتا جس طرح یہ لوگ اپنی بھلائی کے لئے جلدی کرتے ہیں یعنی اگر ہر برائی کا برا نتیجہ فوراً سامنے آجاتا تو ان کی مدت (عمر) کبھی کی پوری ہو چکی ہوتی مگر ہمارے قانون (سزا میں ڈھیل ہے) اس لئے ہم تو ان لوگوں کو بھی اپنی سرکشیوں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں جو مرنے کے بعد ہماری بارگاہ میں حضوری کی امید نہیں رکھتے (۱۱) جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ کروٹ کے بل لیٹے یا بیٹھے یا کھڑے ہوئے (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے اور جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح (منہ موڑ کے) چل دیتا ہے جیسے اس نے کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا اسی طرح حد سے گذرنے والوں کے لئے ان کے وہ عمل خوشنما بنا دے گئے ہیں جو وہ کرتے رہے ہیں (۱۲) اور بالیقین ہم تم سے پہلے (بہت سی) نسلوں کو ہلاک کر چکے ہیں جب انہوں نے ظلم کی راہ وروش اختیار کی۔ اوران کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں (معجزے) لے کر آتے مگر وہ ایسے تھے ہی نہیں کہ ایمان لاتے ہم اسی طرح مجرم لوگوں کو سزا دیتے ہیں (۱۳) پھر ہم نے ان (نسلوں) کے بعد تمہیں روئے زمین پر ان کا جانشین بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو (۱۴)۔

تشريح الالفاظ

۱۔طغیان۔ کے معنی ہیں ظلم اور نافرمانی میں حد سے گذر جانا۔ ۲۔یعمہون۔جس طرح عمی کے معنی بصارت کے نہ ہونے کے ہیں اسی طرح عمہ کے معنی بصیرت کے نہ ہونے کے ہیں۔ ۳۔القرون۔القرن کی جمع ہے جس کے معنی سینگ، ایک سو سال، ایک زمانہ کے لوگ اور ایک امت کے ہیں۔

تفسير الآيات

۱۴۔ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللهُ... الآية۔

خدا کا دستور ہے کہ وہ سزا دینے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتا

جن لوگوں کی نگاہ عادت الٰہی اور اس کے قدیمی دستور پر ہے وہ جانتے ہیں کہ خدا کبھی مجرموں کو سزا دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرتا انسان کی یہ طبعی کمزوری ہے کہ اگر کوئی اچھا کام کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کے اچھے نتائج جلد از جلد سامنے آجائیں جیسے اگر خدا سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا مدعا اسے جلد مل جائے۔ خدائے حکیم فرما رہا ہے کہ اگر تمہارے برے کام کے نتائج بھی جلد از جلد تمہارے سامنے آجائیں۔ اور جس طرح چاہتے ہو کہ تمہارا اچھا مدعا تمہیں جلدی مل جائے تو اگر اسی طرح سزا میں بھی جلدی کی جائے تو پھر تمہارا انجام کیا ہوگا؟ یا جب تم اپنے خلاف کوئی بددعا کرتے ہو اگر وہ بددعا جلد قبول ہو جائے تو تمہارا حشر کیا ہوگا؟ معلوم ہوا کہ خداوند کا ہر حال میں اپنے بندوں کے ساتھ رحیمانہ و کریمانہ سلوک ہے۔ اگر حصول مدعا میں دیر ہوتی ہے تو اس میں بھی بندوں کی بہتری ہوتی ہے اور اگر سزا میں تاخیر ہوتی ہے تو اس میں بھی بندوں کی بھلائی ہے۔ بہر حال خداوند کریم کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ برابر تحمل و بردباری سے کام لیتا ہے تاکہ شاید گنہگار اپنی اصلاح کر لیں اور سنبھل جائیں یا پھر خوب کھل کر اپنا کھیل کھیلیں اور تمام گناہوں کی حسرت پوری کر لیں پھر آخر کار وہ قانون مکافات کو عمل میں لاتا ہے اور گنہگار جس قسم کی سزا کے مستوجب ہوتے ہیں ان کو وہی سزا دیتا ہے۔ واضح رہے کہ قبل ازیں کئی مقامات پر اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

۱۵۔ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ... الآیۃ۔

عام انسان کی یہ طبعی کمزوری یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آپڑے تو خدا کو بہت یاد کرتا ہے اور جب ٹل جائے تو پھر اسے بھلا دیتا ہے

انسان جو مختلف خوبیوں اور خامیوں کی ایک طرفہ معجون ہے اس کی ایک خامی یہ بھی ہے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے اور کسی مشکل میں پھنس جاتا ہے تو گڑگڑا کر پروردگار کو پکارنے لگتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے اس سے دعائیں مانگتا ہے کیونکہ وہ وجدانی طور پر جانتا ہے کہ خدا کی ذات ہی وہ ذات ہے جو میرے دکھ درد کو دور کر سکتی ہے۔ لہٰذا اسی کو پکارنا چاہئے لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے اور دکھ درد دور ہو جاتا ہے تو پھر عیش و عشرت کی غفلت میں پڑ کر اور دوسرے خارجی اثرات کے زیر اثر خدا کو اس طرح بھول جاتا ہے کہ گویا کبھی اسے پکارا ہی نہ تھا۔ سب کچھ بھول بھلا دیا۔ اور پھر

وہی ہے چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے

مگر یہ خیال رہے کہ سارے انسان اس طرح نہیں کرتے بلکہ ایسا صرف وہ انسان کرتے ہیں جو

مسرف ہوتے ہیں۔ یعنی حد اعتدال سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور اسراف کے عادی ہوتے ہیں واضح رہے کہ قبل ازیں انسان کی اس طبعی کمزوری پر کئی بار تبصرہ کیا چکا ہے۔

۱۶۔ وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا... الآیۃ۔

اس آیت کی تفسیر سورہ انعام کی اس جیسی آیت ۶ الم یروا کم اهلكنا من قبلهم من قرن الآیۃ کی تفسیر میں گذر چکی ہے لہٰذا اس موضوع کی تفصیل دیکھنے کے خواہش مند کہ خدائے قہار کس طرح سرکش قوموں کو ان کی بدکرداری کی پاداش میں ہلاک و برباد کرتا ہے اس مقام کی طرف رجوع کریں۔ الغرض خداوند عالم اس پیرایہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنے والوں کو دھمکی دے رہا ہے کہ اگر تم اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو تم پر بھی عذاب الٰہی نازل ہوسکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ رحمت للعالمین کے وجود مسعود کی برکت سے اس امت پر عمومی عذاب نازل نہیں ہوتا۔ مگر مختلف اقوام و افراد پر نازل ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اس عذاب سے بچنے کے لئے کچھ ساز و سامان جمع کرو۔

۱۷۔ ثُمَّ جَعَلۡنٰكُمۡ خَلٰٓئِفَ... الآیۃ۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے؟

ارشاد ہو رہا ہے کہ سابقہ ہلاک شدہ قوموں کے بعد تمہیں ان کا جانشین بنایا محض اس لئے کہ تمہارا امتحان لیا جائے اور دیکھا دکھایا جائے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ آیا سابقہ امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرکے اپنی اصلاح کرتے ہو یا ان کی طرح دولت و اقتدار کے نشہ میں بدمست ہو کر انہی جیسے کردار کا اظہار کرتے ہو؟ مگر یاد رکھو کہ اگر تم نے انہی قوموں جیسے ظلم و ستم کئے تو پھر تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ دولت و ثروت ہو یا حکومت و سلطنت یہ کوئی پھولوں کا ہار نہیں ہے بلکہ بڑی بھاری بھرکم ذمہ داریوں کا طوق ہے جو سرمایہ داروں اور صاحبان اقتدار کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ صرف ایک اعزاز نہیں بلکہ امتحان ہے اقوام عالم کے بارے میں قانون قدرت یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم خالق یا خلق کی خدمت کرتی رہتی ہے اور مخلوق خدا کو نفع رسانی کا اہتمام کرتی رہتی ہے تب تک خدا اسے زندہ رکھتا ہے مگر جب وہ اصل مقصد سے دور ہٹ جائے اور عیش و عشرت میں پڑ جائے اور چنگ و رباب اور شاہد و شراب میں ڈوب جائے اور ہر قسم کا ظلم کرنے لگے تو پھر خدا اس قوم کو برباد کرکے اس کی جگہ دوسری اقوام کے حوالے کر دیتا ہے۔ ذلك تقدير العزيز الحكيم۔

آیات القرآن

وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآىِٕ نَفۡسِىۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ ۚ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّىۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۵﴾ قُلۡ لَّوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوۡتُهٗ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَدۡرٰٮكُمۡ بِهٖ ۖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ اَتُنَبِّـئُوۡنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعۡلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب انہیں ہماری آیات بینات (واضح آیتیں) پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ مرنے کے بعد ہماری بارگاہ میں حاضری کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کوئی ردوبدل کرو۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ حق مجھے نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کچھ ردوبدل کروں میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (۱۵) (اے رسول) کہہ دیجئے اگر خدا چاہتا تو میں تمہیں قرآن پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی وہ تمہیں اس پر مطلع فرماتا آخر میں تو اس سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے (۱۶) پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو خدا پر جھوٹا افترا باندھے؟ یا اس

کی آیتوں کو جھٹلائے یقینا کبھی مجرم کامیاب نہیں ہوتے۔ (۱۷) یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ فائدہ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں (اے رسول) تم کہو کیا تم اللہ کو اس چیز کی اطلاع دیتے ہو جو خود اسے نہ آسمانوں میں معلوم ہے اور نہ زمین میں پاک ہے اس کی ذات اور بلند و بالا ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں (۱۸)

تشریح الالفاظ

۱۔ماتلوته۔تلاوت کے معنی پڑھنے کے ہیں۔ ۲۔ولا ادرا کم ادری دری کے معنی جتانے، اطلاع دینے اور باخبر کرنے کے ہیں۔ ۳۔اتنبئون الله۔ یہ نباء سے مشتق ہے جس کے معنی خبر دیتے ہیں۔

تفسیر الآیات

۱۸۔ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ... الآية

مشرکین کا حضرت رسول خداؐ سے ایک غلط مطالبہ

وہ مشرکین عرب جن کو نہ خدا کی معرفت تھی نہ انبیاء کی شان و مقام کی اور نہ وحی کی حقیقت کی۔ جو انبیاء کو اپنے جیسا عام انسان جانتے تھے اور وحی ربانی کو ان کا ذاتی کلام جانتے تھے وہ پیغمبر اسلامؐ سے عجیب عجیب قسم کی فرمائشیں کرتے تھے کبھی کہتے ہمارا اللہ سے براہ راست کلام کرا دیجئے (بقرہ) کبھی کہتے ہم پر کوئی آسمانی شے نازل کرا دیجئے (ایضاً) کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ چنانچہ جب انہوں نے قرآن سنا کہ کہیں وہ توحید کا درس دیتا ہے اور کہیں شرک کی مذمت کرتا ہے کہیں معبود برحق کی عبادت کا حکم دیتا ہے اور کہیں بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے اور کہیں یوم الجزاء اور اس کی جزا و سزا پر زور دیتا ہے الغرض ان کے باطل معتقدات کے سراسر خلاف ہے تو انہوں نے قرآن کو آپ کی تصنیف سمجھ کر آپ سے یہ مطالبہ کر دیا کہ آپ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لائیں یا اس میں ہماری خواہش کے مطابق کچھ ردوبدل یا ترمیم و تنسیخ کریں جو ہمارے لئے قابل قبول ہو یعنی اس سے ہمارے بتوں کی مذمت خارج کر دیں اور وہ احکام جو ہمارے رواج اور معاشی حالات کے خلاف ہیں وہ نکال دیں ارشاد قدرت ہوتا ہے کہ ان سے کہہ دیجئے کہ میرا یہ مقدور نہیں ہے کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی ردوبدل کروں۔

میں توصرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری جانب ہوتی ہے لہٰذا نہ قرآن کریم میرا کلام ہے اور نہ ہی مجھے اس میں کسی قسم کے ردو بدل کرنے کا کوئی حق ہے میں توصرف خدا کی وحی کا امین ہوں اور میرا یہ فرض ہے کہ وہ جو وحی فرمائے اسے بلاکم وکاست اس کے بندوں تک پہنچادوں اس امانت میں خیانت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور اگر میں بالفرض اس میں کوئی ردو بدل کروں تو مجھے ایک بڑے دن (قیامت) کے عذاب کا ڈر ہے۔ پیغمبر اسلام کے اس جواب سے مشرکوں کے دوسرے مطالبہ کی بھی بطریق اولی رد ہوگئی کیونکہ جب آپ کتاب الٰہی میں معمولی رد و بدل کرنے کے روادار نہیں ہیں کیونکہ وہ کلام واحکام خداوندی کے ناقل ہیں مقنن قانون اور شریعت ساز نہیں ہیں تو پھر پورا قرآن کس طرح تبدیل کر سکتے ہیں؟ نیز اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کے اسلامی احکام وحی ربانی کے تحت ہوتے ہیں ان کے ذاتی اجتہاد کا نتیجہ نہیں ہیں اور نہ ہی مذہب حق کے مطابق نبی و امام کے لئے اجتہاد جائز ہے۔

درس عبرت

ارباب عقل وانصاف کے لئے اس آیت مبارکہ میں کتنا بڑا درس عبرت موجود ہے کہ جب پیغمبر اسلام جیسی عظیم الشان ہستی خدا کے احکام میں ادنی سا ردو بدل اور معمولی سی ترمیم و تنسیخ کرنے کی مجاز نہیں تو پھر کسی عالم یا مولوی کو اپنی یا لوگوں کی خواہش کے مطابق اس میں ردو بدل کا کیا حق ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق۔

۱۹۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ ... الآية۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کا ایک نا قابل رد برہان

یہاں حضرت رسول خداؐ کی صداقت اور قرآن کے کلام خدا ہونے کی بڑی واضح اور وجدانی دلیل پیش کی گئی ہے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف قوم قریش سے بلکہ تمام مشرکین عرب سے فرما رہے ہیں کہ میں تمہارے لئے کوئی ان جانی شخصیت نہیں ہوں اور نہ کوئی نیا آدمی ہوں بلکہ اعلان نبوت سے پہلے اپنی عمر عزیز کی چالیس بہاریں تم میں گزار چکا ہوں میری تمام زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے مجھے بتاؤ میری اس چالیس سالہ زندگی میں میری کوئی بات امانت و دیانت اور صداقت کے خلاف دیکھی ہے؟ تو جب میں نے

انسانی معاملات میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو مجھے کیا ہو گیا کہ یکدم خدا پر افترا پردازی کرنے لگ جاؤں اور (العیاذ باللہ) جھوٹ بولنے لگ جاؤں کہ وہ مجھ پر وحی نازل کرتا ہے اور احکام جاری کرتا ہے؟ کیا تم اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ چالیس سال صادق وامین یک لخت کاذب وخائن بن جائے؟ مالکم کیف تحکمون ؟ اس سے بڑھ کر پیغمبر اسلامؐ کی صداقت کا معجزہ کیا ہوگا کہ آپ کا یہ اعلان سن کر اپنے مخالفین کی زبانوں پر تالے لگ جاتے ہو اور کوئی بھی کافر ومشرک آنحضرتؐ کی سیرت وکردار اور آپ کے اخلاف واطوار کی طرف نہ انگلی اٹھاتا ہے اور نہ لب کشائی کرتا ہے!!

۲۰۔ فَمَنْ اَظْلَمُ ... الآیۃ۔

جدال احسن کا بہترین نمونہ

پیغمبر اسلام مشرکین سے بڑے حکیمانہ انداز میں فرما رہے ہیں میں جو کچھ پیش کر رہا ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں حقیقت حال دو حال سے خالی نہیں ہے۔

اگر یہ قرآن میری تصنیف ہے اور میرا طبع زاد کلام ہے جسے میں غلط طور پر خدا کی طرف منسوب کر رہا ہوں تو پھر مجھ سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے۔ ۲۔ یا یہ اللہ ہی کا کلام معجز نظام ہے اور تم جان بوجھ کر اس کا انکار کر رہے ہو تو پھر تم سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہے؟ اب خود غور کر لو کہ اس جرم عظیم کا ارتکاب کون کر رہا ہے؟ چونکہ قانون قدرت ہے کہ مجرم اور مفتری آدمی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، لہٰذا اگر میں مفتری ہوں تو پھر ناکام ونامراد ہوں گا۔ اور اگر تم ایک کھلی ہوئی صداقت وسچائی کو جھٹلا رہے ہو تو پھر تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور اب یہ فیصلہ خدا کے قبضہ قدرت میں ہے آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اللہ نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ صادق وامین کا ساری کائنات کلمہ پڑھ رہی ہے۔ اور جو صداقت کے جھٹلانے والے تھے آج ان کا نام ونشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہے۔ والحمدللہ۔

۲۱۔ وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... الآیۃ

پیغمبر اسلام سے قرآن میں ردو بدل کرنے کا مطالبہ کرنے والوں کے ذہنی افلاس کا بیان

وہ مشرکین جو بزعم خویش بڑے افلاطون بنتے ہوئے پرچم اسلام کے تلے جمع ہونے کے لئے پیغمبر اسلام سے قرآن کے بدلنے یا اس میں مناسب ردو بدل کرنے کے مشورے دیا کرتے تھے خداوند عالم ان

کے اپنے افلاس ذہنی کی یوں خبر دے رہا ہے کہ یہ خرد و دانش سے ایسے بے بہرہ اور عقل کے ایسے اندھے ہیں کہ مٹی، لکڑی، پتھر یا لوہے کے خود ساختہ بے جان مجسموں کو اپنے نفع و نقصان کا مالک و مختار جان کر ان کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں اور اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان مورتیوں کو خدا کی بارگاہ میں اپنا شفیع اور سفارشی بھی جانتے ہیں حالانکہ اللہ کی بارگاہ میں شفیع وہ ہوتا ہے جسے اللہ بنائے اور شفاعت کی اجازت بھی دے اور جب اللہ نے نہ ان کو بنایا اور نہ ہی اجازت دی ہے تو پھر شفاعت چہ معنی دارد؟ ارشاد قدرت ہوتا ہے کہ کیا تم اللہ کو ایک ایسی چیز کی اطلاع دیتے ہو جس کی خود اس کو آسمانوں اور زمین میں کوئی خبر نہیں ہے کیونکہ علم اور اطلاع وہ صحیح ہوتی ہے جو واقعہ کے مطابق ہو اور جب ان بتوں کا معبود اور شفیع ہونا خلاف واقع ہے تو اللہ کو اس کا علم کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کے کسی شئی کو نہ جاننے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی وجود ہے۔ کما لا یخفی

آیات القرآن

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور (ابتداء میں) سب انسان ایک ہی امت تھے (دین فطرت پر تھے) پھر آپس میں اختلاف کیا اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک طے شدہ بات نہ ہوتی (کہ اعمال کی جزا و سزا آخرت میں ہوگی) تو جن باتوں میں یہ لوگ باہم اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ کر دیا گیا ہوتا (۱۹) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر ان کے پروردگار کی طرف سے (ان کی مطلوبہ) کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوتی؟ کہہ دیجئے کہ غیب کا علم اللہ سے مخصوص ہے سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (۲۰) اور جب ہم لوگوں کو تکلیف اور دکھ درد کے بعد (اپنی) رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ فوراً ہماری آیتوں میں چالبازی وحیلہ سازی کرنے لگتے ہیں کہہ دیجئے کہ اللہ تدبیر و ترکیب میں (تم سے) زیادہ تیز ہے بے شک ہمارے فرستادہ (فرشتے) تمہاری سب چالبازیاں اور مکاریاں برابر لکھتے جا رہے ہیں (۲۱) وہ (خدا) وہی ہے جو تمہیں خشکی و تری میں سیر و سفر کراتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ موافق ہوا کے مطابق مسافروں کو لے کر چلتی ہیں اور وہ خوش و خرم ہوتے ہیں تو پھر اچانک باد مخالف کا تھپیڑا آجاتا ہے اور ہر طرف موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب ہم بالکل گھر گئے ہیں (اور زندہ بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی) تو اس وقت دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے یعنی بڑے اخلاص کے ساتھ خدا کو پکارتے ہیں کہ (یا اللہ) اگر تو ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دیدے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بندوں سے ہوں گے (۲۲)

تشریح الالفاظ

۱۔ امتہ واحدہ۔ امت کے معنی جماعت اور آدمیوں کے گروہ کے ہیں۔ ۲۔ ضراء کے معنی سختی اور تنگ حالی کے ہیں ۳۔ ریح عاصف کے معنی ہیں تند و تیز ہوا۔

تفسیر الآیات

۲۱۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ ... الآیة۔

اس آیت کی تفسیر اس تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۳ کان الناس امة واحدة الآیة۔ کی تفسیر میں تفصیلاً گذر چکی ہے کہ پہلے کس طرح سب لوگ دین فطرت توحید پر تھے اور پھر مختلف ذاتی مفادات وخواہشات اور شیطانی تحریکات کے تحت مختلف فرق اور مسالک میں تقسیم ہو گئے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے نیز سورہ مائدہ کی آیت ۴۸ کی تفسیر میں بھی اس موضوع پر تبصرہ کیا جا چکا ہے اور اگر خدا کی جانب سے یہ بات طے شدہ نہ ہوتی کہ مجرموں کو جلدی سزا دینا اس کی حکمت کے خلاف ہے تو وہ انسانی وحدت کے ٹکڑے کرنے والوں اور کفر وشرک کا پرچار کرنے والوں کا کب سے فیصلہ ہو چکا ہوتا یعنی خدا ان کو نیست ونابود کر چکا ہوتا۔ اور دنیا میں صرف ایک دین حق باقی رہ جاتا۔ مگر وہ حقیقی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

۲۲۔ وَيَقُولُونَ لَوْلَا ... الآیة۔

باوجودیکہ خداوند عالم پیغمبر اسلامؐ کے مقدس ہاتھوں پر قرآن کے علاوہ بیسیوں معجزے ظاہر فرما چکا تھا جن کا مشرکین مشاہدہ بھی کر چکے تھے تاہم ان کا یہ کہنا کہ (ان پیغمبر) پر خدا کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا؟ تو اس سے ان کی مراد وہ معجزے ہیں جن کا یہ لوگ مطالبہ کرتے تھے مثلاً لولا یکلمنا الله۔ (اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا) (البقرہ)۔ لولا انزل علیه ملك۔ ان پر فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوتا (الفرقان) آپ کے پاس سونے سے بھرا ہوا مکان کیوں نہیں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

کہہ دیجئے کہ غیب اللہ سے مخصوص ہے اور یہ معاملہ خدا کے قبضہ قدرت میں ہے کیا پتہ وہ تمہارا مطلوبہ معجزہ نازل کرتا ہے یا نہ یہ غیب کی بات ہے نیز اب تک جو معجزے آ چکے ہیں وہ تو تم نے تسلیم کئے نہیں ہیں اور اگر آئندہ کوئی معجزہ آتا ہے تو کیا تم اسے تسلیم کر لوگے؟ یہ غیب کی بات ہے لہٰذا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

۲۳۔ وَإِذَآ أَذَقْنَا ... الآیة۔

عام لوگوں کی کمزوری ہے کہ عسر میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور یسر میں بھول جاتے ہیں

اگرچہ حسب ظاہر تو کفار قریش اور مشرکین کا تذکرہ ہو رہا ہے مگر آیت کا عموم و اطلاق ان تمام ناشکرے لوگوں کو شامل ہے جو خدا کے احسان و انعام کا انتظار کر رہے ہیں اور جب تک ایک تنکا بھی میسر ہوتا ہے اس کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں ہاں البتہ جب تمام اسباب و آلات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے اور ہر طرف سے یاس و نا امیدی کے بادل چھا جاتے ہیں اور ہر قسم کی آسیں امیدیں ختم ہو جاتی ہیں تو اس وقت ان کا سویا ہوا وجدان بیدار ہو جاتا ہے اور مردہ ضمیر زندہ ہو جاتا ہے اور وہ ایک دم بڑے خلوص کے ساتھ خدا کو پکارنے لگتے ہیں اور بڑے اخلاص دکھانے لگتے ہیں اور بڑی الحاح وزاری سے دعا کرتے ہیں اور عہد و پیمان باندھتے ہیں کہ معبود تو ایک بار ہمیں اس گرداب سے نکال ہم زندگی بھر تیرے شکرگزار بندے بن کر رہیں گے مگر یہ کیفیت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتی بلکہ جونہی ان کی کشتی گرداب بلا سے باہر نکل آتی ہے اور تکلیف دور ہو جاتی ہے تو آیات الہیہ میں مکر کرنے لگتے ہیں یعنی ان کا انکار کر کے اپنی کامیابی کے ڈانڈے اپنی ذہانت یا دیگر مادی اسباب و علائق سے ملانے لگ جاتے ہیں اور اس نعمت کے استعمال کے وہ طریق تجویز کرتے ہیں جو منشائے الٰہی کے خلاف ہوتے ہیں اسلام چاہتا ہے کہ انسان کی خدا پرستی کے اس جذبہ کو ثابت و مستقر بنا دے اسی ایک عام مضمون کو یہاں تین طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ پہلے آیت ۱۲ **واذا مس الانسان الضر** ... الآیۃ میں جس چیز کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے اسی بات کو آیت ۲۱ میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اسی حقیقت کو آیت ۲۲ **هو الذی یسر کم سیر کم فی البر والبحر** ... الآیۃ میں اور بھی زیادہ مبسوط طریقے سے واضح کیا گیا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ آیت ۱۲ میں فرمایا کہ جب اس کی مصیبت ٹل جاتی ہے **تو مر کان لم یدعنا** تو ایسا چلتا ہے گویا اس نے کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا اور آیت ۲۱ میں فرمایا **اذا لهم** مکر فی آیاتنا۔ کہ جب تکلیف کے بعد رحمت کا مزہ چکھتا ہے تو وہ ہماری قدرت کی نشانیوں میں خفیہ تدبیریں کرنے لگتا ہے اور ان کے انکار پر آمادہ ہو جاتا ہے اور آیت ۲۲ میں فرماتا ہے اذا ہم یبغون فی الارض بغیر الحق۔ کہ جب ان کی کشتی گرداب بلا سے باہر نکل آتی ہے تو وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتا ہے مطلب تینوں باتوں کا ایک ہی ہے کہ انسان کا وہ جذبہ جو کسی بلا و مصیبت کے نازل ہونے کے وقت اس کے اندر پیدا ہوتا ہے وہ زیادہ دیر قائم اور ثابت نہیں رہتا بلکہ ہانڈی کے ابال کی طرح جلد ختم ہو جاتا ہے یعنی جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے، تکلیف دور ہو جاتی ہے اور کشتی ساحل مراد پر پہنچ جاتی

ہےتو پھراس کی وہی خرمستیاں اور سرکشیاں ہوتی ہیں اور وہ ہوتا ہے لفظ مکر کی تشریح اور جب یہ لفظ خدا کے بارے میں استعمال ہوتو اس سے کیا مراد ہوتی ہے اس کی توضیح قبل ازیں تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ آل عمران کی آیت ۵۴ و مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین کی تفسیر میں گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے ارشاد قدرت ہے قل اللہ اسرع مکراً اللہ ترکیب وتدبیر میں زیادہ تیز ہے کیونکہ سب اسباب وعلائق وآلات وذرائع اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ چاہے تو راحت وآرام کے اسباب، زحمت وعذاب کے اسباب سے بدل سکتا ہے اور فرماتا ہے۔ انما بغیکم علی انفسکم کہ تمہاری اس بغاوت سے نقصان تمہارا ہی ہے اللہ کا کوئی نقصان نہیں ہے اور یہ نقصان تمہیں آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں اٹھانا پڑے گا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ثلاث یرجعن علی صاحبھن النکث، والبغی والمکر۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا وبال ان کے کرنے والے پر ہی پڑتا ہے۔ ۱۔ بدعہدی۔ ۲۔ مکر وفریب۔ ۳۔ ظلم وزیادتی۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی (تفسیر صافی) اس سے معلوم ہوا کہ بغاوت وظلم وزیادتی اور قطع رحمی وہ گناہ ہیں جن کی سزا خدا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی دیتا ہے جس طرح صلہ رحمی کرنا اور لوگوں کے ساتھ احسان وبھلائی کرنا وہ نیکی ہے جن کی جزا خدا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ضرور دیتا ہے (ایضاً)

۲۴۔ اِنَّ رُسُلَنَا... الآیۃ

خداوند عالم پیغمبر اسلام اور خود اسلام کے خلاف خفیہ تدبیریں کرنے اور سازشوں کے مخفی جال بچھانے والوں کو تنبیہ کر رہا ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ ریشہ دوانیاں خدا سے پوشیدہ ہیں؟ حالانکہ اس کے فرستادہ فرشتے تمہارے ہر مکر وفریب اور تمہاری ہر حرکت وسکون کو قلم بند کر رہے ہیں جسے بروز محشر پیش کر دیا جائے گا

۲۵۔ ھُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ... الآیۃ

ثبوت صانع کے ایک عجیب واقعہ کا تذکرہ

اسکی تفصیل تو سابقہ آیت کے تفسیر کی ضمن میں ابھی اوپر اختصار کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے البتہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں وہ واقعہ پیش کر دیا جائے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک منکر خدا کے سامنے خدا کے وجود پر بطور تنبیہ پیش فرمایا تھا۔ امامؑ نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میرا سمندری کاروبار ہے امامؑ نے فرمایا کہ اثنائے سفر میں تجھے کبھی ایسا واقعہ پیش آیا ہے کہ طوفان آیا ہو اور کشتی ڈوب گئی ہو۔ اور بچنے کی کوئی ظاہری امید نہ رہی ہو آیا اس وقت تمہارے ذہن میں کسی ایسی بلند وبرتر ہستی کا تصور آیا تھا کہ کائنات میں ایک ایسی عظیم ہستی موجود ہے جو چاہے تو ظاہری اسباب وعلائق سے قطع نظر مجھے

اس وقت ان بھری ہوئی موجوں سے بچا کر کنارے لگا سکتی ہے عرض کیا ہاں ضرور ایسا خیال دل و دماغ میں پیدا ہوا تھا کہ اگر اس ذات کی بارگاہ میں تضرع و زاری کی جائے تو وہ بچانے اور نجات دینے پر قادر ہے۔ فرمایا وہی خدا ہے۔ کہ جب ہر طرف سے یأس و قنوط کے مہیب بادل چھا جائیں تو وہ آخری امید گاہ ہوتا ہے (تفسیر صافی و تفسیر کبیر رازی)۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء۔ (سورہ نمل آیت ۶۲)

کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے
وہی خدا ہے وہی خدا ہے

یہ ایک تجرباتی ثبوت ہے کہ عقیدہ توحید ایک فطری عقیدہ ہے۔ توحید حق کے سوا باقی تمام عقیدے بالکل باطل اور بے بنیاد ہیں۔ بے شک وہ وقت آنے والا ہے کہ جب آدمی خدا کے جلال کو دیکھ کر کانپ اٹھے گا اور تمام خدائی وعدوں کو سچ ماننے پر مجبور ہو جائے گا مگر اس وقت کا ماننا اسے کوئی فائدہ نہ دے گا۔ لہٰذا عقلمندی یہ ہے کہ آج اس زندگی میں ان حقائق پر ایمان لائے۔ مخفی نہ رہے کہ یہاں کشتیوں کا ذکر محض بطور مثال ہے ورنہ ہوائی جہاز ہو یا ریل کار۔ موٹر ہو یا سائیکل وغیرہ سب کا یہی حال ہے الغرض جب بھی آدمی جہاں مشکلات و مصائب کے دلدل میں پھنس جاتا ہے تو آئین فطرت کے مطابق اسے ضرور خدا یاد آتا ہے اور بڑے خلوص کے ساتھ اسے پکارتا ہے مگر جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو بہت جلد اپنے مالک و محسن کو بھول جاتا ہے سچ ہے وکان الانسان کفوراً (انسان بڑا ناشکرا ہے)

اللھم اجعلنا من الشاکرین ولا تجعلنا من الکافرین

آیات القرآن

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰىٓ اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ

نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴿۲۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو (اپنا سب عہد و پیمان بھول کر) زمین میں ناحق بغاوت اور سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری اس بغاوت کا وزر و وبال تو خود تمہاری ہی جانوں پر پڑ رہا ہے یہ (چند روزہ) زندگی کے مزے ہیں (سو لوٹ لو) پھر تمہاری بازگشت ہماری ہی طرف ہے اس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم کیا کرتے رہے ہو؟ (۲۳) دنیاوی زندگی کی مثال تو اس پانی جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے برسایا اور زمین سے وہ نباتات پیدا ہوئیں جن کو انسان اور مویشی سب کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین اپنی زیب و زینت کو لے چکی اور فصل کے سبزہ زار سے آراستہ ہوگئی۔ اور اس کے مالک سمجھے کہ انہیں اس (فصل) پر قابو حاصل ہے (جب چاہیں گے کاٹیں گے) تو ایک دم رات یا دن کو ہمارا حکم آ گیا۔ تو ہم نے اسے اس طرح بیخ و بن کے کاٹ کے رکھ دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ ہم غور و فکر کرنے والوں کے لئے اسی طرح کھول کھول کر اپنی آیتیں پیش کرتے ہیں (۲۴)

تشریح الالفاظ

بغیکم۔ بغی کے معنی ہیں ظلم کرنا۔ نافرمانی کرنا اور فساد برپا کرنا۔ ۲۔ زخرف کے معنی ہیں سونا، خوبصورتی، اور زمین کی سبزیوں کے رنگ۔ ۳۔ حصیداً۔ کاشت کا کٹا ہوا حصہ

تفسیر الآیات

۲۶۔ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ... الآیۃ

زندگانی دنیا کی بے ثباتی کی مثال

یہ حقیقت تو عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے کہ انسان کو جب دنیا میں دولت اور طاقت حاصل ہوتی ہے

تو وہ اس کے غرور میں آ کر اور دنیاوی زندگی کے سروسامان کی فراوانی کے گھمنڈ میں آ کر بغاوت وطغاوت یعنی ظلم وسرکشی پر اتر آتا ہے اور ظلم وبربریت کو اپنا شیوہ وشعار بنالیتا ہے ارشاد قدرت ہے۔ ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی۔ انسان جب دیکھتا ہے کہ وہ سرمایہ دار ہو گیا ہے تو وہ سرکشی پر اتر آتا ہے۔ اس لئے خدائے علیم وحکیم اس کے اس نشہ، طاقت واقتدار کو اتارنے کے لیے مثال پیش کررہا ہے کہ دنیاوی زندگی کی مثال تو کاشت کاری کے معاملہ جیسی ہے کہ آسمان سے بارش برستی ہے تو زمین ہر قسم کی نباتات سے لہلہانے لگتی ہے آدمی اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ فصل پک گئی اور ہماری محنت کی کمائی ہمارے قبضہ میں ہے تو عین اس وقت کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے مثلاً اولے پڑجاتے ہیں، ٹڈی دل پہنچ جاتا ہے یا بگولا آجاتا ہے اور ساری فصل اس طرح تباہ ہو جاتی ہے کہ گویا کبھی اس کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ یہی کیفیت انسانی زندگی کی ہے انسان صحت مند جسم لے کر پیدا ہوتا ہے قسمت یاوری کرتی ہے اور وہ ایک شاندار زندگی گزارنے کے اسباب جمع کر لیتا ہے اور وہ سمجھتا ہے اب اس کا معاملہ اس کے قبضہ میں ہے کہ اچانک موت آ کر اس کا گلہ دبا دیتی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام کامیابیاں اور کامرانیاں بے ثبات ہیں اور دلفریبی کے سوا کچھ نہیں ہے اس کی کسی چیز کو دوام واثبات نہیں ہے۔ اور کوئی چیز بھروسہ کے قابل نہیں ہے دنیا کی تمام نعمتوں اور آسائشوں کا یہی حال ہے صبح ہیں تو شام نہیں ہیں۔ اور شام کو ہیں تو صبح نہیں ہیں تو ان حالات میں اس سے بڑھ کر اور کیا گمراہی وغفلت ہوگی کہ اس چند روزہ زندگی اور اس کی ناپائیدار دلفریبیوں پر غرہ ہو کر حق اور ایمان کا راستہ چھوڑ کر وہ بغاوت اور سرکشی کے راستہ پر گامزن ہو جائے آدمی اگر اس حقیقت کو پیش نظر رکھے تو وہ کبھی سرکشی اختیار نہ کرے اور کبھی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے۔ لیکن بقول مولانا آزاد مرحوم ''انسانی غفلت کے عجائب کا یہی حال ہے کوئی نہیں جو اس حقیقت سے بے خبر ہو، مگر کوئی نہیں جو اس غرور باطل کی سرگردانیوں سے اپنی نگہداشت کر سکے۔ یہی غفلت ہے جسے دین حق دور کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے فتنوں کا اصلی سرچشمہ یہی غرور باطل ہے'' (ترجمان القرآن)۔ کذلک نفصل الایات۔ ہم یہ آیتیں ان کے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں اور ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں

آیات القرآن

وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرۡهَقُ

وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ پر لگا دیتا ہے (۲۵) جن لوگوں نے (دنیا میں) بھلائی کی ہوگی ان کے لئے (آخرت میں) بھلائی ہوگی اور اس سے بھی کچھ زیادہ ان کے چہروں پر نہ غبار چھائے گا اور نہ ذلت و رسوائی (نمایاں ہوگی) یہی لوگ جنتی ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے (۲۶) اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کی سزا بھی ویسی ہی برائی ہے اور ان پر ذلت وخواری چھا جائے گی ان کو اللہ (کے قانون مکافات عمل) سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا (ان کے چہرے سیاہ ہوں گے) کہ گویا ان کے چہروں کو اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے یہی لوگ دوزخی ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔(۲۷) جس دن ہم سب کو (اپنے حضور) محشور (اکھٹا) کریں گے پھر ان لوگوں سے جنہوں نے شریک کیا تھا کہیں گے کہ تم اور جو تمہارے بنائے ہوئے شریک ہیں اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ۔ پھر ہم ان میں امتیاز پیدا کر دیں گے (الگ الگ کر دیں گے) (اس وقت) ان کے خود ساختہ شریک کہیں گے کہ (اے مشرکو) تم ہماری عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے (۲۸)

تشریح الالفاظ

یرھق کے معنی ہیں چھاجانا اور مس کرنا۔ ۲۔ قتر۔ کے معنی غبار کے ہیں۔ ۳۔فزیلنا ہ۔زیل کے معنی ہیں باہم دگر جدا کرنا

تفسیر الآیات

۲۷۔ وَ اللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا ... الآیۃ۔

باتفاق مفسرین دارالسلام سے جنت الفردوس مراد ہے جو سعادت اور سلامتی کا گھر ہے کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا سلام اللہ کے مقدس ناموں میں ایک نام ہے اور اس کا وہ گھر جو اس نے اپنے دوستوں کے لئے تیار کرایا ہے اس کا نام جنت ہے (معانی الاخبار)۔اب اللہ کی یہ دعوت اگرچہ ہے تو سب لوگوں کے لیے مگر جسے وہ چاہتا ہے اسے اس سیدھے راستے پر وہ صرف اسی نیک بخت کو لگاتا ہے جو سیدھے راستے کو ڈھونڈنے کی کوشش اور اس پر چلنے کی کاوش کرتا ہے ارشاد قدرت ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدا ینھر سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین

۲۸۔لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا ... الآیۃ۔

یہ آیت شریفہ ایسی ہے جیسے ھل جزالا حسان الا الاحسان۔(الرحمن آیت۔۶۰) یا جیسے ومن یقترف حسنۃ نزدولہ فیھا حسنا (شوری۔۲۳) اور جو شخص نیکی کمائے گا ہم اس کی نیکی میں اضافہ کردیں گے۔خدا نیکوکاروں کو اس کی نیکی کی ضرور جزا دے گا کیونکہ یہ اس کا عدل ہے مگر ''بلکہ کچھ اور زیادہ'' یہ کیا ہے؟ اس سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں اور یہ اللہ کا فضل ہے۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا حسنی سے مراد وہ دنیاوی نعمتیں ہیں جو خدا نے ان کو دار دنیا میں عطا کر رکھی ہیں جن کا خدا آخرت میں ان سے محاسبہ نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں آخرت کے ثواب سے مجرا کیا جائے گا تا کہ ان کے لئے دنیا و آخرت کے ثواب کو اکھٹا کردے (عیاشی صافی وغیرہ) یہ جنتی لوگ ہیں ان کے چہروں پر گناہ گاروں کی طرح کالک اور ذلت نہیں چھائی ہوگی۔ بلکہ ان کے چہرے درخشندہ اور تابندہ اور ہنستے و مسکراتے ہوں گے۔'' وَ وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ عَلَیۡہَا غَبَرَۃٌ''۔(عبس ......۔۴۰) یعنی قیامت کے دن کچھ چہرے چمکدار ہوں گے اور خندان و شادمان ہوں گے یہ نیکوکار اور جنت کے حقدار ہوں گے۔ یوم تسود وجوہ و تبیض وجوہ۔اس دن کچھ چہرے

سیاہ ہوں گے اور کچھ سفید ہوں گے (اللھم اجعلنا منھم)

۲۹۔ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ...الآية

سابقہ آیت میں نیکوکاروں کا تذکرہ تھا کہ جنہیں نیکی کا ویسے ہی نیک بدلہ ملے گا جو کہ عدل الٰہی کا تقاضا ہے اور کچھ زیادہ بھی ملے گا جو کہ فضل الٰہی کا تقاضا ہے اب یہاں گناہ گاروں اور بدکاروں کا تذکرہ کیا جارہا ہے کہ ان کا جتنا جرم ہوگا اتنی ہی ان کو سزا دی جائے گی اس سے زیادہ نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ عادل ہے اس لئے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا بلکہ اپنے جودوکرم سے گناہ گاروں کو بہت سے گناہوں کی معافی دے دے گا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے ویعفو عن کثیر۔ اور پھر ان پر ذلت ورسوائی چھائی ہوگی اور ان کے چہرے اسطرح سیاہ ہوں گے گویا کہ ان کو کالی رات کے سیاہ ٹکڑوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے اور ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا

۳۰۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا...الآية

اور جس دن ہم سب کو اپنے حضور اکھٹا کریں گے اور پھر مشرکوں کو حکم دیں گے کہ تم اور جن کو تم نے شریک بنایا تھا یعنی جنات ارواح، اسلاف، انبیاء، اوصیاء اور اولیاء وغیرہ اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ اور پھر ہم ان کو ایک دوسرے سے ممیز کر دیں گے اس وقت وہ کہیں گے جنکو شریک بنایا گیا تھا کہ تم نے ہماری عبادت تو نہیں کی تھی ہم تو تمہاری پرستش سے بالکل غافل تھے ہم تک تو تمہاری کوئی دعا، التجا، نذرونیاز، اور سجدہ ریزی نہیں پہنچی ہے۔ یہ گویا وہی بات ہے جو سورہ بقرہ آیت ۱۶۶ اذا تبرء الذین اتبعوا من الذین اتبعوا۔ الآیہ میں گذر چکی ہے کہ جھوٹے پیر اپنے، مریدوں سے اور نادان مرید اپنے دھوکہ باز پیروں سے تبرا کریں گے یعنی ایک دوسرے سے اپنی بے زاری کا اعلان کریں گے اس پیرایہ میں منکرین توحید کو خواب غفلت سے جگانے کے لئے تنبیہ کی جارہی ہے کہ آج معبود برحق کی عبادت چھوڑ کر جن مٹی، پتھر اور لوہے کے بتوں کی تم یہ سمجھ کر پرستش کرتے رہے ہو کہ فردائے قیامت تمہارے کام آئیں گے اور تمہاری شفاعت کریں گے یہ تو اس آڑے وقت میں تم سے اپنی لاتعلقی اور بے زاری کا اظہار کریں گے تو پھر تم اس وقت کیا کرو گے؟ پھر تو وہی حال ہوگا بقول شاعر

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

لہٰذا اس خسران عظیم سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ آج کفر وشرک چھوڑ کر پکے اور سچے مسلمان بن جاؤ۔ اور خدا کی رحمت اور حبیب کبریا ﷺ کے دامن شفاعت میں پناہ حاصل کرو۔

آیات القرآن

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ۝۲۹ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّاۤ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝۳۰ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝۳۱ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۝۳۲ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝۳۳ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۝۳۴

ترجمۃ الآیات

آج ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے اللہ کافی ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے بالکل غافل و بے خبر تھے (۲۹) اس موقع پر ہر شخص اسے جانچ لے گا جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے (کہ اس کا نتیجہ کیا ہے) اور وہ اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے اور جو (شریک) انہوں نے گھڑ رکھے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گے (اور ان کے کچھ کام نہ آئیں گے) (۳۰) (اے پیغمبر) ان لوگوں سے کہو (پوچھو) وہ کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے؟ وہ کون ہے جو سمع و بصر (سننے اور دیکھنے کی طاقت) کا مالک ہے؟ وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے؟ اور وہ کون ہے جو کائنات کا انتظام کر رہا ہے۔؟

اس سوال پر وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ پس تم کہو (کہ اگر حقیقت حال یہی ہے) تو تم کیوں نہیں ڈرتے (۳۱) یہی اللہ ہے جو تمہارا حقیقی پروردگار ہے پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ تمہیں (حق سے) کدھر (غلط سمت) موڑا جا رہا ہے (۳۲) اسی طرح تمہارے پروردگار کی بات فاسقوں (نافرمانوں) پر سچی ثابت ہو کر رہی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے (۳۳) (اے پیغمبرؐ) آپ کہیے۔ تمہارے ساختہ پرداختہ شریکوں میں سے کوئی ہے جو تخلیق کائنات کا آغاز بھی کرے اور (فنا کے بعد) اسے دوبارہ زندہ کرے؟ کہیے! اللہ وہ ہے جو کائنات کو پہلے پیدا بھی کرتا ہے اور پھر اسے دوبارہ لوٹائے گا تم کدھر الٹے جا رہے ہو؟ (۳۴)

تشریح الالفاظ

۱۔ھنالك تبلو۔ بلاء کے معنی آزمائش اور جانچنے کے ہیں خیر سے ہو یا شر سے۔ ۲۔ضل عنھم۔ضل کا جب ضلہ عن ہو تو اس کے معنی ضائع ہونے اور گم ہونے کے ہوتے ہیں۔ ۳۔تو ئفکون۔ ائتفك کے معنی پلٹائے جانے کے ہیں

تفسیر الآیات

۳۱۔قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ... الآیۃ

جب مشرکین عرب یہ مانتے تھے کہ خالق و رازق اور مدبر الامر خدا ہے تو پھر مشرک کیوں کر ٹھہرے؟؟

جب قرآن مجید کے مختلف مقامات پر بالخصوص اس جگہ اس سوال و جواب پر غور کیا جائے جو خدا نے اسلام کے ذریعے سے مشرکین سے کئے ہیں تو انسان ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ جب مشرکین عرب یہ حقائق تسلیم کرتے تھے کہ زمین و آسمان کا خالق خدا ہے رازق خدا ہے، کانوں اور آنکھوں کا مالک خدا ہے، وہی مبدی و معید ہے اور وہی مدبر الامر ہے تو پھر وہ مشرک کس لحاظ سے قرار پائے؟ تو اگر مشرکین عرب کے عمل و کردار اور روش و رفتار پر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی لحاظ سے مشرک تھے اول اس لحاظ سے کہ اگرچہ وہ لوگ اپنے بتوں اور معبودوں کو کائنات کے نظم و نسق اور انتظام و انصرام کا اصل سرچشمہ تو نہیں سمجھتے تھے مگر وہ بطور

تفویض ان کو خالق ورازق وغیرہ مانتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ جس طرح کوئی دینوی بادشاہ ملک کا انتظام چلانے کے لیے کچھ اختیارات اپنے بعض مقربین کے حوالے کر دیتا ہے کہ یہ کام فلاں صاحب کرے گا اور فلاں کام فلاں صاحب کرے گا اسی طرح خدا نے بھی اپنی خدائی کے کچھ اختیارات خاص طور روزی اور اولاد دینے کے متعلق ان کے مزعومہ شرکاء کے سپرد کر دیے تھے اس لئے وہ ان سے دعا والتجا کرتے تھے ان کی نذریں، نیازیں دیتے تھے اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور ان کی بارگاہوں پر سجدہ ریزیاں کر کے ان کو راضی کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ وہ ان کو خدا کا مقرب بنائیں

دوم

اس لحاظ سے کہ وہ ان کی عبادت کرتے تھے، ان کو سجدہ کرتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ھولاء شفاعا عند اللہ۔ یعنی یہ شرکاء اگرچہ زمین وآسمان کے خالق تو نہیں ہیں اور نہ ہی سورج و چاند وغیرہ کے موجد ہیں۔ اور نہ ہی موت وحیات کے مالک ہیں اور نہ ہی تدبیر کائنات کا رشتہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ ہاں یہ خدا کے محبوب اور اس کے چہیتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں یہ خدا سے جو کام کرانا چاہیں کرا سکتے ہیں۔ خدا ان کی سنتا ہے اگر ان کی عبادت اور پوجا پاٹ کر کے ان کو راضی رکھا جائے تو یہ خدا سے ہر قسم کی نعمتیں دلوا سکتے ہیں اور خدا کے تفویض کردہ اختیارات کے تحت دیتے بھی ہیں

سوئم

اس لحاظ سے کہ وہ ان مزعومہ شرکاء کی عبادت و پوجا پاٹ کرتے تھے اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے اس لئے وہ شرک افعالی اور شرک عبادتی کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے مشرک تھے خدا ان کو انہی مسلمات کی بناء پر زجر و توبیخ کر رہا ہے کہ جب تم مانتے کہ خدا ہی زمین وآسمان سورج و چاند بلکہ تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہی متصرف اور مدبر کائنات ہے اور وہ ایسا غنی مطلق ہے کہ کسی چیز میں بھی کسی کا محتاج نہیں ہے تو اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی کو اپنی خدائی کے اختیارت تفویض کر کے اسے اپنا شریک بنائے، اور جب موجد وہی ہے تو اس کے لئے دوبارہ زندہ کرنے میں دشواری کیا ہے؟ فذلکم اللہ ربکم الحق۔ یہ ہے اللہ جو تمہارا برحق پروردگار ہے اور حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ اس مقام پر مولانا اصلاحی نے ایک بڑی پتے کی بات کہی ہے جس کا یہاں نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں ''اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے کے مشرکین اور اہل عرب کے مشرکین میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے، ہم لوگوں نے محض اپنے شرک کو توحید ثابت کرنے کے لئے

اہل عرب کے شرک کو ہوا بنا رکھا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایں گناہیست کہ در شہر شمانی عیز کنند (تد بر قرآن)

اور میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارے زمانہ کے مسلمان کہلانے والے مشرک اور غلات ومفوضہ ان مشرکین عرب سے بھی بڑے مشرک ہیں وہ کم از کم خدا کو زمین و آسمان، کا خالق اور کائنات کا مدبر تو جانتے تھے مگر ہمارے مشرکین تو خدا کے تمام خدائی اختیارات اس کی بعض مخلوق کے تفویض (سپرد) کر کے خدا کو بالکل فارغ جانتے ہیں اب کوئی یہ راگ الاپ رہا ہے کہ

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے؟
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

اور کوئی دشمن خدا اس سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے۔

رضائیں خدا کی لے لیں علیؑ نے
اللہ کے پلے میں رکھا ہی کیا ہے

اور پھر کوئی یا عبدالقادر شیئاً للہ کا ورد کر رہا ہے اور کوئی کسی پیر وفقیر کے آستانے پر چڑھاوے چڑھا رہا ہے پھر ان لوگوں کی دعاؤں والتجاؤں کے مرکز بھی یہی ہیں۔ نذروں، نیازوں، کے ملجا بھی یہی ہیں اور سجدہ ریزیوں و درگاہ گردیوں کا ماوا بھی یہی ہیں الغرض

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

سچ ہے کہ ا ن الغلاۃ شر من الیہود و النصارٰی والذین اشرکوا (عقائد شیخ صدوقؒ) غالی لوگ علیہ السلام ں یہود و نصارٰی اور سب مشرکوں سے بدتر ہیں۔

۳۲۔ کَذٰلِکَ حَقَّتۡ کَلِمَۃ... الآیۃ

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اللہ ایمان اور ہدایت کی توفیق ان ہی لوگوں کو دیتا ہے جو ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اس کے لئے دل ودماغ کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔لیکن جو بد بخت عقل وفطرت کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر فسق وفجور کو اپنا شعار بنالیں اور خواہشات کی پیروی کرنے لگ جائیں خدا ان سے اپنی توفیق ایمان سلب کر لیتا ہے اس لئے لا یومنون وہ ایمان نہیں لائیں گے۔اور اس سے ہرگز جبر لازم نہیں آتا۔کیونکہ خدا جو ان کے ایمان نہ لانے کی خبر دے رہا ہے یہ ان ہی کے اپنے اختیار کردہ فسق وفجور کا نتیجہ ہے

آیات القرآن

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُھُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰي مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۷ۣ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۸ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۹

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے کہیے (پوچھیے) کہ تمہارے بنائے ہوئے (خدا کے) شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو؟ کہیے! وہ اللہ ہی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے پھر (بتاؤ) جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود اس وقت تک راہ نہیں پا سکتا جب تک اسے راہ نہ دکھائی جائے؟ تمہیں کیا ہو گیا تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ (۳۵) لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ گمان حق کی پہچان اور اس تک رسائی حاصل کرنے میں کچھ فائدہ نہیں دیتا (اور نہ ہی یہ حق و یقین سے بے نیاز کرتا ہے) بے شک اللہ اسے خوب جانتا ہے

جو کچھ لوگ کر رہے ہیں (۳۶) اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے گھڑ لیا جائے۔ بلکہ یہ تو تمام سابقہ کتابوں اور وحیوں کی تصدیق ہے اور الکتاب کی تفصیل ہے (یعنی اس میں آسمانی کتابوں کی تفصیل ہے) اس میں کچھ شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے (۳۷) کیا یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ آپ کہیے! اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو تم اللہ کے سوا اپنی مدد کے لئے جس جس کو بلا سکتے ہو بلا لو اور پھر قرآن کی مانند ایک ہی سورہ لے آؤ (۳۸) بلکہ یہ لوگ اس چیز کو جھٹلا دیتے ہیں جس کا علمی احاطہ نہیں کر سکتے اور جس کی تاویل ابھی ان کے سامنے نہیں آئی ہے اسی طرح ان لوگوں نے بھی (حقائق کو جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے تو دیکھو کہ ظلم کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ (۳۹)

تشریح الایات

۱۔یھدی ھدایت کے معنی راستہ دکھانے کے بھی ہیں اور منزل تک پہنچانے کے بھی۔ ۲۔ان الظن جانب راجح کو ظن اور مرجوح جانب کو وہم کیا جاتا ہے

تفسیر الآیات

۳۳۔ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ ... الآیۃ

افضل کی مفضول پر اور راجح کی مرجوح پر ترجیح قبیح ہے

جو لوگ خدا کے علاوہ دوسرے معبودان باطل کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کی رد کرتے ہوئے خدا فرما رہا ہے معبود کے لئے لازم ہے کہ وہ بالذات ہادی الی الحق ہو۔ اور جو دوسروں کی ہدایت وراہنمائی کا محتاج ہو۔ وہ معبود نہیں ہوسکتا قل اللہ یھدی للحق۔ کہہ دیجئے۔ اللہ ہی ہے جو انبیاء مرسلین کو بینات ومعجزات کے ساتھ مبشر و منذر بنا کر بھیجتا ہے اور ان کے ذریعہ لوگوں کو حق کی ہدایت ورہنمائی کرتا ہے۔ اس پیرایہ میں خواب غفلت میں سونے والوں کو جگایا جارہا ہے کہ تم ہی بتاؤ کہ رب ومعبود ہونے کا اہل کون ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ دلیل نبوت اور خلافت کے بارے میں بھی حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے گویا خالق اپنی مخلوق سے سوال کر رہا ہے کہ جب کسی

ایسے منصب کے لئے دو امیدوار ہوں۔ایک افضل اور دوسرا مفضول ایک اعلیٰ ہو اور دوسرا ادنی یعنی ان میں ایک ایسا ہو جو خود ہدایت یافتہ ہو اور دوسروں کو ہدایت کر سکتا ہو مگر دوسرا وہ ہو جو خود دوسروں کی ہدایت و راہنمائی کا محتاج ہو تو تم ہی بتاؤ کہ اس منصب ہدایت پر کس کو فائز ہونا چاہیے؟ افضل کو یا مفضول کو؟ راجح کو یا مرجوح کو؟ مالکم کیف تحکمون؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ جب مساوی کو مساوی پر بلا مرجح ترجیح دینا قبیح ہے تو مفضول کو افضل پر ترجیح دینا تو عقلاً و شرعاً اقبح ہے!

۳۴۔ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ ... الآية

مشاہدہ شاہد یہ ہے اکثر لوگ ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں جب کہ حق و صداقت کے معاملہ میں ظن و گمان کچھ کام نہیں دے سکتا دین و دیانت کے معاملے میں علم و یقین درکار ہے جو نا قابل رد عقلی یا شرعی دلائل و براہین پر مبنی ہو اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ دینی معاملات میں قیاس پر عمل کرنا باطل اور نا جائز ہے کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ ظن و گمان حاصل ہوتا ہے۔ والظن لا یغنی من الحق شئیا۔ اول من قاس ابلیس۔ پہلا شخص جس نے قیاس کیا تھا وہ شیطان تھا لہٰذا اب جو بھی دین میں قیاس کرے گا وہ بروز قیامت شیطان کے ساتھ محشور ہوگا (اصول کافی) ہاں البتہ اگر کسی خاص ظنی طریق کو شریعت اپنے حکیمانہ نظام کے تحت مستند قرار دیدے جیسے خبر واحد اور ظواہر قرآن تو پھر اس پر عمل جائز ہوگا اور درحقیقت وہ ظن پر عمل نہ ہوگا بلکہ اس علمی دلیل پر عمل ہوگا جو اس خاص ظن کے معتبر ہونے پر دلالت کرتی ہے لہٰذا ایسا عمل ممنوع نہ ہوگا۔

۳۵۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْآن ... الآية

قرآن کے کلام اللہ ہونے کی ایک دلیل جمیل

قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ جسے اللہ کے سوا کوئی بندہ اپنے جی سے گھڑ کر لائے کفار کو سب سے بڑا اعتراض قرآن پر یہی تھا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ خود پیغمبر اسلام ﷺ کی تصنیف کردہ کتاب ہے جسے انہوں نے جھوٹے طور پر اللہ کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔ انہی کے جواب میں خدا فرما رہا ہے۔ کہ فصاحت و بلاغت کے علاوہ اس کے آیات و کلمات سے حقائق و معارف اور ایمان و ہدایت کے جو چشمے پھوٹ رہے ہیں اگر یہ کسی بندے کا کلام ہے تو پھر تم بھی ہمت کرو اور اپنے تمام عالموں، فاضلوں، شاعروں اور ادیبوں کو بھی مدد کے لئے بلا لو اور اس جیسی ایک ہی سورہ بنا کر پیش کر دو۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ قرآن تو تمام پچھلی صداقتوں کی تصدیق کرتا ہے اور تمام سابقہ کتابوں کی تعلیم پر حاوی ہے۔ مگر ان حقائق کو سمجھنے کے لئے گوش شنوندہ اور چشم بینندہ کی ضرورت ہے

دیدہ کُور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟

۳٦۔بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ... الآیۃ

یہ کہنا کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے دو طرح سے قابل قبول ہوسکتا تھا!

۱۔وہ تحقیقی دلائل سے ثابت کرتے کہ یہ کتاب جعلی ہے

۲۔ یا اس کے مندرجہ جات کو غلط ثابت کیا جاتا جب ان لوگوں نے غور و فکر کیا ہی نہیں اور عقل و خرد کے ترازو پر تولا ہی نہیں اور اس کے حقائق و معارف کو میزان حق پر پرکھنا تو کجا ان کو سمجھا ہی نہیں۔تو پھر وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام اللہ نہیں؟ مگر کیا کیا جائے کہ تمام خرابیوں کی جڑ یہی ہے۔کہ لوگ جس چیز کو سمجھ نہیں سکتے وہ اس کو جھٹلا دیتے ہیں حالانکہ یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ کسی حقیقت کو محض اس بنا پر جھٹلانا کہ وہ جھٹلانے والے کی علمی و عقلی سطح سے بلند ہے کھلی ہوئی ضلالت وگمراہی ہے یہ طریقہ کار عقلمندوں اور دانشمندوں کا طریقہ کار نہیں ہے۔وما او تیتم من العلم الا قلیلاً۔ پہلے لوگ بھی ایسا کرتے رہے ہیں اور پچھلے بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔سچ ہے الکفر ملۃ واحدۃ پھر دیکھو کہ ظالموں کا کیا انجام ہوا تھا۔وہ بھی انبیاء کی دعوت کو رد کرکے تباہ ہوئے تھے اور اب بھی جو ان کے نقش قدم پر چلے گا اور دعوت حق قبول نہیں کرے گا اور اس پر عمل نہیں کرے گا انہی کی طرح ہلاک و برباد ہوجائے گا۔

و ربك اعلم بالمفسدین۔آپ کا پروردگار فسادیوں کو بہتر جانتا ہے سچ ہے کہ الناس اعداء سالما جھلوا لوگ جس چیز کو نہیں جانتے اس کے دشمن ہوتے ہیں (نہج البلاغہ)

اور جو عقلمند ہوتے ہیں وہ اگر کسی چیز کی تصدیق کرتے ہیں تو بھی سوچ سمجھ کر اور اگر اس کی تردید کرتے ہیں تو بھی غور و فکر کرکے۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا خدا نے دو باتوں کا بندوں سے عہد و پیمان لیا ہے ایک یہ کہ وہ بات نہ کہیں جس کا انہیں علم نہ ہو اور جس چیز کا انہیں علم نہ ہو اس کا انکار نہ کریں چنانچہ فرماتا ہے الم یوخذ علیھم میثاق الکتاب الا یقولوا علی اللہ الا الحق۔ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه ولما یاتھم تاویله (اصول کافی)

آیات القرآن

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ۝۴۰ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ

بَرِيٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمۃ الآیات

ان لوگوں میں کچھ تو ایسے ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور آپ کا پروردگار مفسدین کو خوب جانتا ہے (۴۰) اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے! میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا تمہارے لئے جو کچھ میں کرتا ہوں اس سے تم بری الذمہ ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں (۴۱) اور (اے رسول) ان لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں (حالانکہ سنتے نہیں ہیں) تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے اگرچہ وہ عقل سے کام نہ لیتے ہوں (۴۲) اور ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں (جو بظاہر) آپ کی طرف دیکھتے ہیں (حالانکہ وہ دیکھتے نہیں ہیں) تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے چاہے وہ کچھ نہ دیکھتے ہوں؟ (۴۳) یقینا اللہ لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ مگر لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں (۴۴) جس دن اللہ لوگوں کو اپنی بارگاہ میں جمع کرے گا (اس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ) جیسے دن کی ایک گھڑی میں آپس میں جان پہچان کے لئے ٹھہرے ہوں۔ بے شک وہ لوگ گھاٹے میں ہیں جنہوں نے (مرنے کے بعد) خدا کی بارگاہ میں حضوری کو جھٹلایا اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے۔ (۴۵)

تشریح الالفاظ

۱۔ **یسمعون**۔سماع اور استماع میں فرق ہے کہ کان پڑی آواز کو سماع اور کان لگا کر توجہ سے سننے کو استماع کہا جاتا ہے۔ ۲۔لقاءاللہ سے اللہ کی بارگاہ میں حاضری وحضوری مراد ہے۔

تفسیر الآیات

۳۷۔وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ... الآیۃ

قانون شریعت یہ ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

خداوند عالم اپنے حبیبؐ کو تسلی کے انداز میں فرمارہا ہے کہ آپ کا فریضہ تبلیغ حق کرنا ہے جو آپ نے احسن انداز میں ادا کر دیا ہے اس کے باوجود اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو آپ فرمادیں کہ میرے عمل میرے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہیں اسی مطلب کو ایک دوسرے مقام پر یوں ادا کیا گیا ہے **لا تزرو وازرۃ وزر اخری**۔کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا یہ وہ روادارانہ انداز بیان ہے جو دوسرے شخص کو بشرطیکہ وہ بالکل ابا وانکار پر تلا ہوا نہ ہو اپنے نظریہ پر ضرور غور وفکر کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے لیکن لا تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یومنون۔یہی فریضہ کسی قوم کے سردار کا ہے اور یہی ذمہ داری گھر کے سربراہ کی ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عمل کرتے ہوئے مقررہ شرائط وضوابط کے مطابق بشارت ونذارت کرے اگر اس کا کوئی خوشگوار اثر ظاہر ہو جائے تو فھو المقصود ورنہ ان کا معاملہ خدا کے حوالے کر دے اس کا عمل اس کے لیے اور ان کا عمل ان کے لیے یہ ان سے لاتعلق اور وہ اس سے لاتعلق۔واللہ اعلم بالمفسدین۔

۳۸۔وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ... الآیۃ

جب تک دل ودماغ کی آنکھ وکان کھلے نہ ہوں تب تک ظاہری آنکھ کا کھلا ہونا سودمند نہیں ہوتا؟

ایک سننا اور دیکھنا وہ ہوتا ہے جو عام جانور بھی سنتے اور دیکھتے ہیں اور یہ کچھ مفید نہیں ہوتا۔دوسرا سننا اور دیکھنا وہ ہوتا ہے جو دل ودماغ کے کان سے سنا اور آنکھ سے دیکھا جائے اور کہنے والے کی بات پر دھیان دیا

جائے کہ اگر صحیح ہوتو اسے تسلیم کرلیا جائے اور اگر غلط ہوتو اسے نظر انداز کردیا جائے یہاں خداوند عالم ان کفار و مشرکین کا تذکرہ کررہا ہے جو بظاہر کان لگا کر پیغمبر اسلام کی بات سنتے بھی ہیں اور آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے بھی ہیں مگر اس کے باوجود خدا ان کو بہرہ اور اندھا قرار دے رہا ہے کیونکہ جمود وجہل اور تعصب اور عناد اور اسلاف کی اندھی تقلید وتاسی نے ان کی عقل وبصیرت کو اس طرح معطل کردیا ہے کہ وہ حقیقت اور سچائی کے ادراک سے بھی قاصر ہیں۔ اس لئے آنحضرت ﷺ سے خطاب ہورہا ہے کیا آپ بہروں کو بات سنا سکتے ہیں اور اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں؟ اس طرح طعن وتشنیع کے نشتر چلا کر خدا ان لوگوں کو خواب غفلت سے جگانا چاہتا ہے کہ شاید وہ بیدار ہوجائیں اور گوش حقیقت نیوش کے ساتھ پیغمبر اسلام کے ارشادات کو سنیں اور ان سے کچھ اثر لیں مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ۔

کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنے کی انہیں قسم ہے۔

۳۹۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ... الآیۃ

خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

خدا نے ان لوگوں کو ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا کیونکہ یہ تو کھلا ہوا ظلم ہے اور خدا کے قانون میں ظلم کی کوئی گنجائش نہیں ہے اگر کوئی اس روشنی کو ضائع کرکے خود اندھا بہرہ بن جائے تو وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ وما ربك يريد ظلما للعباد۔ خدا تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔

۴۰۔ وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ... الآیۃ

’’آج آخرت انسان کے سامنے نہیں ہے اس لئے جو شخص آخرت کے معاملہ میں سنجیدہ نہ ہو اسے آخرت بہت دور معلوم ہوتی ہے مگر جب آخرت سب سے بڑی حقیقت کے روپ میں انسان کے سامنے آجائے گی اور وہ اسے اس کی تمام ترسنگینیوں کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا تو اس وقت اسے یہ اپنی موجودہ سرکشی بھول جائے گی اس وقت اسے زندگانی دنیا کے وہ سن وسال بہت ہی حقیر معلوم ہوں گے جن کی وجہ سے وہ غافل ہوگیا تھا اور آخرت کو بھول گیا تھا انہیں ایسا معلوم ہوگا (دنیا میں) گھڑی بھر ٹھہرے ہیں اور پھر چونکہ آخرت کسی نامعلوم دنیا میں واقع نہیں ہوگی بلکہ ہماری اسی جانی پہچانی دنیا میں واقع ہوگی وہاں آدمی اپنے آپ کو اسی ماحول میں محسوس کرے گا جس میں اس نے حق کا انکار کیا تھا اور باطل پر اصرار نیز وہ اپنے آپ کو ان ہی لوگوں کے درمیان دیکھے گا جن کے بل پر وہ سرکشی کرتا تھا مگر وہ اس دن اس کے کچھ کام نہ آئیں گے اس وقت ہر بات اس کے ذہن میں اسی طرح تازہ ہوگی گویا اس پر کوئی مدت گذری ہی نہیں ہے بے شک سخت گھاٹے میں رہے وہ

لوگ جنہوں نے لقاء اللہ کو جھٹلا دیا اور وہ ہدایت یافتہ نہ تھے۔'' (خلاصہ تذکیر القرآن)

مگر جب محشر کی ہولنا کیوں میں گھر جائیں گے اور پھر نفسا نفسی کا عالم ہوگا تو اب حالت یہ ہو جائے گی کہ کوئی دوسرے کو پہچانتا ہی نہ ہوگا بہر کیف اس دن ان کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے چند روزہ زندگی کی لذتوں میں بدمست ہو کر اور اپنے دائمی مستقبل کو برباد کر کے کتنی بڑی حماقت کی ہے مخفی نہ رہے کہ اس گھڑی بھر ٹھہرنے سے مرنے کے بعد سے لے کر آخرت کی زندگی تک درمیانی مدت (عالم برزخ) بھی مراد ہو سکتی ہے۔ جس طرح رات کو سو کر اٹھنے والے کو صبح یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بالکل تھوڑی دیر سویا ہے جیسا کہ یہ حقیقت قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہے۔

آیات القرآن

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوۡلُهُمۡ قُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّاۤ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِىۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَلَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوۡ نَهَارًا مَّاذَا يَسۡتَعۡجِلُ مِنۡهُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ ؕ آٰلۡــٰٔنَ وَقَدۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ ۚ هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ ﴿۵۲﴾

ترجمة الآيات

اور (اے رسول) خواہ ہم آپ کو ابھی بعض باتیں (برے اعمال کے نتائج) دکھا دیں جن کا ان (منکرین) سے وعدہ کیا ہے یا اس سے پہلے آپ کو (دنیا سے) اٹھا لیں بہر حال انہیں لوٹ کر آنا تو ہماری ہی طرف ہے پھر اللہ گواہ ہے اس پر جو کچھ وہ کر رہے ہیں (۴۶) اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہوتا ہے تو جب ان کا رسول ان کے پاس آجاتا ہے تو پورے انصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا (۴۷) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو پھر بتاؤ (عذاب الٰہی کا) وہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ (۴۸) (اے رسول) کہہ دیجئے (یہ معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے) میں تو خود اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ مگر جو اللہ چاہے (وہی ہوتا ہے) ہر امت (قوم) کے لئے (مہلت کی) ایک مدت ہوتی ہے جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے (اور مقررہ وقت آجاتا ہے) تو پھر ایک گھڑی کی بھی نہ تاخیر ہو سکتی ہے اور نہ تقدیم (۴۹) (اے رسول) ان لوگوں سے کہیے کہ کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر اس کا عذاب (اچانک) رات کے وقت تم پر آجائے یا دن دہاڑے (تو تم کیا کرو گے) آخر وہ کون سی چیز ہے جس کی مجرم جلدی کر رہے ہیں؟ (۵۰) کیا جب وہ (عذاب) واقع ہو جائے گا تو تب اس پر تم ایمان لاؤ گے؟ (اس پر یقین کرو گے؟ اس وقت تو کہا جائے گا) اب؟ (اس پر یقین کر کے اس سے بچنا چاہتے ہو؟) حالانکہ تم ہی اس کی جلدی کر رہے تھے (۵۱) پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ تم جو کچھ (کرتوت) کیا کرتے تھے اس (دائمی عذاب) کے سوا تمہیں اور کیا بدلہ دیا جا سکتا ہے (۵۲)

تشريح الالفاظ

۱۔ بیاتا کے معنی ہیں رات کے وقت۔ ۲۔ یستعجل۔ کے معنی ہیں عجلت اور جلدی کرنا۔ ۳۔ عذاب الخلد کے معنی ہیں دائمی عذاب

تفسیر الآیات

۴۱۔ وَاِمَّا نُرِیَنَّكَ... الآیة

پیغمبر اسلامؐ کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ جس عذاب سے کفار و مشرکین کو ڈرایا جا رہا ہے اور جس کے جلدی نہ آنے کی وجہ سے وہ اسے خالی دھمکی سمجھ رہے تھے وہ خدا کی مشیت پر منحصر ہے کہ اگر اس کی حکمت مقتضی ہوئی تو اس کا کچھ حصہ تیری زندگی میں دکھا ئیں گے اور اگر اس کے آنے سے پہلے آپ کا وقت پورا ہو گیا تو ان کی باز گشت تو اللہ ہی کی طرف ہے وہ انہیں عذاب کا مزہ چکھائے گا اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس پر شاہد ہے۔

۴۲۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْل... الآیة

ہر امت کے لئے ایک رسول ہوتا ہے کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

اس آیت مبارکہ میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر امت کے لئے ایک پیغام رساں ہوتا ہے اسی مطلب کو ایک اور آیت میں یوں ادا کیا گیا ہے۔ وان من قریۃ الا وقد خلا فیھا نذیر۔ کوئی ایسی بستی نہیں جہاں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

ایک ایراد اور اس کا جواب

مگر اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ دنیا میں کئی قومیں موجود ہیں جہاں کوئی نبی و رسول نہیں آیا تو پھر یہ قاعدہ کلیہ کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔

پہلا جواب۔ یہ ہے کہ قرآن میں لفظ امت وارد ہے قوم نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ امت کا لفظ قوم سے عام ہے بلکہ ایک رسول کے تشریف لانے کے بعد جن جن اقوام و افراد تک اس کی دعوت پہنچ جائے وہ سب لوگ اس کی امت دعوت میں داخل ہیں۔ مثلاً ہمارے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج سے چودہ سو سال پہلے تشریف لائے اور اپنا وقت مقررہ گزار کر تشریف لے گئے مگر جب تک دنیا میں ان کی تعلیم موجود ہے اور وہ لوگوں تک پہنچتی رہے گی تو وہ ان کے رسول قرار پائیں گے۔

دوسرا جواب۔ ممکن ہے کہ یہاں رسول کی لفظ اس اصطلاحی معنوں میں نہ ہو بلکہ لغوی معنوں میں ہو یعنی پیغام حق پہنچانے والا وہ خواہ اصطلاحی رسول ہو یا اس کا کوئی خلیفہ اور قائم مقام یا کوئی شاگرد وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ جن ملکوں اور قوموں میں اصطلاحی معنوں میں کسی نبی و رسول کا آنا ثابت نہیں ہو سکا تو

وہاں مشہور مشہور رہبروں اور رہنماؤں کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے اور ان کی بدگوئی نہ کی جائے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ رسول ہوں یا رسولوں کے نائب ہوں واللہ العالم بہرحال جب کسی قوم کا رسول آجاتا ہے اور وہ تبلیغ کا فرض ادا کر دیتا ہے اور حجت تمام ہو جاتی ہے پھر عدل وانصاف کے ساتھ ان لوگوں کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے ماننے اور اپنی اصلاح کرنے والے اجر وثواب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ اور سرکشی کرنے والے دنیا اور آخرت ہر دور میں سے صرف آخرت میں عذاب الٰہی میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔

۴۳۔ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی... الآیۃ۔

روز آخرت کی تکذیب کرنے والے بد بخت حضرت رسول خدا اور اہل ایمان کی جماعت کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہتے ہے کہ آخر یہ وعدہ عذاب کب پورا ہوگا؟ ارشاد ہوتا ہے قل لا املك الا یه کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی ذات کے لئے نفع ونقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اس آیت کی تفسیر قبل ازیں سورہ اعراف کی آیت ۱۷۸ کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے الغرض جب دھمکی خدا نے دی تو پھر حساب بھی وہی چکائے گا اور جب مناسب ہوگا تو وہ تمہارے سامنے لائے گا پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہر قوم کی ایک عمر ہوتی ہے جب اس کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو وہ لوگ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں آیت کے اس جزء لکل امۃ اجل کی تفسیر اور اس حقیقت کی تشریح کہ افراد کی طرح اقوام کی بھی عمر کا ایک پیمانہ مقرر ہوتا ہے سورہ اعراف کی اس جیسی آیت ۳۳ ولکل امة اجل فاذا جاء اجلهم آلایه کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور اجل محتوم اور اجل غیر محتوم کی وضاحت بھی وہاں کی جا چکی ہے۔ لہٰذا ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔

۴۴۔ قُلْ اَرَاَیْتُمْ... الآیۃ

سابقہ آیت میں مکذبین قیامت کے اس سوال کا کہ یہ وعدۂ عذاب کب پورا ہوگا؟ کا جواب تو اللہ عز و جل نے پیغمبر اسلام کی زبان حق ترجمان سے دلوا دیا مگر آپ کے ذریعہ یہاں ان لوگوں سے ایک سوال بھی کر دیا کہ تم جو بڑے طمطراق سے عذاب کے متعلق یہ سوال کر رہے ہو وہ خواہ رات کی تاریکی میں آئے یا دن کی روشنی میں آخر تم نے اس کے دفاع کے لئے کیا ساز وسامان تیار کر رکھا ہے؟ اگر اچانک عذاب آ گیا تو پھر کیا کرو گے؟ کیا جب وہ واقع ہو جائے گا تو تب اس پر ایمان ویقین لاؤ گے (مگر فائدہ کیا ہوگا؟) اس وقت تو تم سے کہا جائے گا۔ آلئن۔ کیا اب ایمان لائے ہو؟ جس طرح غرق ہوتے وقت فرعون کے اظہار ایمان کے جواب میں کہا گیا تھا آلئن۔ کیا اب ایمان لاتے ہو؟ جبکہ اس کا وقت گذر گیا۔ ارشاد قدرت ہے یوم یاتی بعض آیات ربك لا

ینفع نفسا ایمانها لم تکن امنت من قبل جب اللہ کی بعض نشانیاں (عذاب) ظاہر ہو جائیں گی تو اس وقت کسی نفس کو ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا جو پہلے ایمان نہ لا چکا ہو۔ (القرآن) جس طرح مشاہدہ شاہد ہے کہ جب غلط کاروں کو ان کی غلط کاری سے روکا جاتا ہے اور اس کے برے انجام سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ اپنے کان اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور کسی ناصح کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے لیکن جب اپنے کاموں کے برے انجام سے دوچار ہوتے ہیں اور مشکلات میں گھر جاتے ہیں تو پھر کف افسوس ملتے ہیں مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اب کیا کرے ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت؟؟

۴۵۔ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ... الآیة

جب دنیوی عذاب کے بعد اخروی عذاب و عقاب کا مرحلہ آجائے گا تو ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔

آیات القرآن

وَيَسۡتَنۡبِـُٔونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلۡ إِي وَرَبِّيٓ إِنَّهُۥ لَحَقٌّ ۚ وَمَآ أَنتُم بِمُعۡجِزِينَ ۝٥٣ وَلَوۡ أَنَّ لِكُلِّ نَفۡسٍ ظَلَمَتۡ مَا فِي ٱلۡأَرۡضِ لَٱفۡتَدَتۡ بِهِۦ ۗ وَأَسَرُّواْ ٱلنَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُاْ ٱلۡعَذَابَ ۖ وَقُضِيَ بَيۡنَهُم بِٱلۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ ۝٥٤ أَلَآ إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ ۗ أَلَآ إِنَّ وَعۡدَ ٱللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُونَ ۝٥٥ هُوَ يُحۡيِۦ وَيُمِيتُ وَإِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ ۝٥٦ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُم مَّوۡعِظَةٞ مِّن رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٞ لِّمَا فِي ٱلصُّدُورِ وَهُدٗى وَرَحۡمَةٞ لِّلۡمُؤۡمِنِينَ ۝٥٧ قُلۡ بِفَضۡلِ ٱللَّهِ وَبِرَحۡمَتِهِۦ فَبِذَٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُواْ هُوَ خَيۡرٞ مِّمَّا يَجۡمَعُونَ ۝٥٨ قُلۡ أَرَءَيۡتُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ لَكُم مِّن رِّزۡقٖ فَجَعَلۡتُم مِّنۡهُ حَرَامٗا وَحَلَٰلٗا قُلۡ ءَآللَّهُ أَذِنَ لَكُمۡ ۖ أَمۡ عَلَى ٱللَّهِ تَفۡتَرُونَ ۝٥٩

ترجمۃ الآیات

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے؟ (جو آپ کہتے ہیں) کہئے ہاں خدا کی قسم یہ بالکل سچ ہے اور تم (خدا کو) عاجز و بے بس نہیں بنا سکتے (۵۳) جو کچھ روئے زمین پر موجود ہے اگر وہ ہر ظالم شخص کے قبضے میں آ جائے تو (وہ عذاب اس قدر سخت ہے) کہ وہ یہ سب کچھ بطور فدیہ دے دے جب یہ لوگ عذاب الٰہی کو دیکھیں گے تو ندامت و پشیمانی کو دل میں چھپائیں گے۔ (اور اندر ہی اندر پچھتائیں گے) لیکن پورے انصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (۵۴) یاد رکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ (یہ حقیقت نہیں جانتے) (۵۵) وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے (۵۶) اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (قرآن کی شکل میں) پند و موعظہ، دلوں کی بیماریوں کی شفا اور اہل ایمان کے لئے ہدایت و رحمت کا مجموعہ آ گیا ہے (۵۷) (اے رسول) کہیے کہ (یہ سب کچھ) خدا کے خاص فضل و کرم اور اس کی خاص رحمت کا نتیجہ ہے اس لئے چاہئے کہ لوگ خوشی منائیں یہ چیز اس دولت دنیا سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں (۵۸) (اے رسول) کہیے! لوگو ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم نے غور کیا ہے کہ خدا نے تمہارے لئے جو رزق اتارا ہے تو تم نے خود (اپنی خواہش نفس سے) کسی کو حرام اور کسی کو حلال قرار دے دیا ہے ان سے پوچھئے! کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو؟ (۵۹)

تشریح الالفاظ

۱۔یستنبونکم۔ یہ نباء سے مشتق ہے جس کے معنی خبر دریافت کرنے کے ہیں۔ ۲۔لا فتدت۔ بہ کے معنی فدیہ دینے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۴۶۔ وَیَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ... الآیۃ

کفار بار بار آنحضرتؐ سے پوچھتے تھے کہ آیا یہ عذاب اور جزاوسزا کی باتیں حقیقت پر مبنی ہیں یا محض کھوکھلی دھمکیاں ہیں؟ ارشاد قدرت ہورہا ہے کہ اے رسول! کہہ دیجئے کہ میں اپنے پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ حقیقت ہے اور تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کی گرفت سے بچ کر کہیں جا سکتے ہو آج تم جس دولت دنیا پر مرمٹ رہے ہو اور آخرت کو بھلا کر اس کی جمع آوری میں لگے ہوئے ہو اور اسی کے عیش وآرام کو ہی اپنا دین وایمان جانتے ہو وہ وقت دور نہیں ہے کہ جب تمہارے پاس اگر تمام روئے زمین کی دولت بھی ہو تو تم بطور فدیہ دینے پر تیار ہو جاؤ گے۔ مگر تمہارا یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اس دن ایمان اور نیکی کے سوا کوئی چیز کام نہ آئے گی۔ لا یقبل منها عدل و لا تنفعها شفاعة اور انجام کار عذابِ الٰہی میں گرفتار ہونا پڑے گا لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ چونکہ ابھی رحمت ایزدی کا دروازہ کھلا ہے اس لئے قرآن اور پیغمبر اسلامؐ الغرض دین اسلام کو مان لیا جائے اور اس کے اوامر ونواہی پر عمل درآمد کر کے اور اپنی اصلاح کر کے اپنے آپ کو ابدی راحت وآرام کا مستحق اور جنت الفردوس میں بلند وبالا مقام کا مستوجب بنا لیا جائے اور روٹھے ہوئے پروردگار کو منا لیا جائے اور اس کی رحمت ورافت کے سایہ عافیت میں پناہ لی جائے مخفی نہ رہے کہ اس سوال سے یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ آپ جو نبوت، قرآن اور شریعت اسلام لائے ہیں یہ حق ہے؟ تو قسم کھا کر یہ جواب دیا جا رہا ہے کہ ہاں یہ سب چیزیں برحق ہیں (مجمع البیان)

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ... الآیۃ

خداوند عالم اس پیرایہ میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ جب آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک وہ ہے تو اسے وعدہ ہائے ثواب اور وعید ہائے عقاب کے پورا کرنے سے کون روک سکتا ہے؟ اس کا ہر وعدہ سچا ہے جب زمین و آسمان کی ملکیت میں کسی اور کی کوئی شرکت اور حصہ داری نہیں ہے تو ایفائے عہد سے کیا امر مانع ہو سکتا ہے؟ وہی مارتا ہے اور وہی جلاتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے لیکن اکثر لوگ اس عظیم حقیقت کو نہیں جانتے۔

۴۸۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ... الآیۃ۔

قرآن مجید کے چارگانہ صفات جلیلہ کا تذکرہ

خداوند عالم نے اس آیت میں قرآن مجید کے چار اوصاف کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس کی قدر و قیمت اجاگر کی ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ یہ گرانمایہ چیز محض اس کے فضل و کرم سے لوگوں کو حاصل ہوئی ہے۔ ۱۔ یہ موعظہ ہے یعنی یہ دلنشین اور موثر دلائل کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی باتوں کی ترغیب دلاتا ہے اور برائی کی باتوں سے نفرت دلاتا ہے اور ان سے روکتا ہے۔ ۲۔ شفاء لما فی الصدور ہے اس میں دل کی تمام بیماریوں از قسم کفر و شرک، نفاق، بغض، کینہ اور حسد و عناد کی شفا ہے یعنی جو اس نسخہ شفاء پر عمل کرے گا وہ دل اور روح کی ان تمام بیماریوں سے شفاء حاصل کرے گا۔ ۳۔ اہل ایمان کے لئے ہدایت۔ ۴۔ اور پیغام رحمت ہے یہ حق و باطل کو اس طرح ممیز کر کے پیش کرتا ہے کہ ایک طالب ہدایت کے لئے کوئی التباس و اشتباہ باقی نہیں رہ جاتا ہے اور وہ ایسا پیکر رافت و رحمت ہے کہ اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو ظلم و جور، بغض و نفرت اور قساوت و سختی سے نجات دلاتا ہے اور ان کے سینوں کو مہر و محبت امن و آشتی اور اخوت و سلامتی سے معمور کرتا ہے۔

جس طرح کوئی حکیم و ڈاکٹر اپنی مہارت کا دعوی کرے اور پھر کئی مایوس اور لا علاج مریضوں کا کامیاب علاج کر کے اپنی مہارت کا ثبوت پیش کر دے اسی طرح قرآن کے اس دعوی کا ثبوت بھی یہ ہے کہ اس نے اسلامی معاشرہ میں مومنین و متقین کی ایسی جماعت پیش کر دی ہے جس کی ماضی اور حال میں دوسری اقوام عالم میں ڈھونڈنے سے کوئی نظیر نظر نہیں آتی یہ دلیل پہلے بھی قاطع تھی، آج بھی قاطع ہے اور آئندہ بھی قاطع رہے گی۔ انشاء اللہ تعالی بلکہ اس میں جسمانی بیماریوں کی بھی شفا ہے جیسا کہ اخبار و آثار اور تجربات سے سور و آیات کے خواص ثابت ہیں اور اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں پس لوگوں کو چاہیے کہ اس عطیہ الٰہی پر خوشی منائیں کیونکہ یہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے وہ دنیاوی زندگی میں جمع کرتے ہیں جیسے مال و متاع دنیوی آلات و اسباب اور جاہ و جلال وغیرہ مخفی نہ رہے کہ یہاں قرآن مجید کی جو چہارگانہ صفات جلیلہ بیان کی گئی ہیں یہی چہارگانہ صفات جلیلہ و جمیلہ شریعت اسلامیہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ (تفسیر بتیان)

ایضاح

ارشاد قدرت۔ قل بفضل اللہ و برحمتہٖ فلیفرحوا۔ کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا اللہ کے فضل سے حضرت رسول اللہ اور اس کی رحمت سے حضرت امیر علیہ السلام مراد ہیں۔ (مجمع البیان، صافی) لہذا ہمارے شیعوں کو نبوت و ولایت کی اس دولت پر خوش ہونا چاہیے کیونکہ یہ دولت

اس سونے چاندی اور دیگر اس مال و منال سے بہتر ہے جو ہمارے مخالفین کو دیا گیا ہے۔(تفسیر قمی)

۴۹۔ قُلْ اَرَاَیْتُمْ... الآیۃ

یہ بات قرآن مجید میں کئی مقامات پر واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ مشرکین عرب نے اپنے ظنون و اوہام اور دل بخواہ طریقہ پر کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ کو حرام قرار دے لیا تھا جس کی تفصیل سورہ مائدہ کی آیت ۱۰۳، سورہ انعام کی آیت ۱۳۸ سے لے کر ۱۵۰ تک گزر چکی ہے بہر حال اس آیت مبارکہ سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ حلال وحرام کے احکام خدا مقرر کرتا ہے کیونکہ وہی مقنن قانون اور مشرع شریعت ہے کسی مخلوق کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی پسند و ناپسند سے کسی چیز کو حلال وحرام ٹھہرائے اور اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ افتراء علی اللہ کے عظیم گناہ کا مرتکب قرار پائے گا۔ اسی بنا پر علماء نے یہ تحقیق انیق پیش کی ہے کہ جب تک کوئی حکم خداوند عالم کی طرف سے اس کے مقرر کردہ ذرائع سے ثابت نہ ہو صرف ظن وتخمین اور رائے و قیاس سے کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا اور ایسا کرنا حرام ہے الله اذن لکم ام علی الله تفترون۔ کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو؟ واضح رہے کہ اس آیت سے بھی خورد و نوش کی چیزوں میں اصل اباحت والے نظریہ کی تقویت ہوتی ہے اگرچہ احتیاط سبیل نجات ہے اور اس موضوع پر قبل ازیں آیت شریفہ خلق لکم مافی الارض جمیعا کی تفسیر میں گفتگو ہو چکی ہے۔

ایضاح

واضح رہے کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے کی یہ مذمت صرف ماکولات و مشروبات تک محدود نہیں ہے جیسا کہ رزق کا لفظ سے عوام بلکہ اکثر خواص بھی یہی مفہوم سمجھتے ہیں بلکہ اس سے زندگی کے ہر شعبہ میں خدا کی عطا و بخشش مراد ہے کیونکہ خدا نے دار دنیا میں انسان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے یہ اس کا رزق ہی ہے جیسا کہ ''وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ''۔(بقرہ...... ۳) کی تفسیر میں واضح کر آئے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کو زندگی کے کسی شعبہ و گوشہ کے بارے میں قانون سازی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ یہ حق صرف اور صرف اسی ذات کو حاصل ہے جو کائنات کی خالق بھی ہے اور مالک بھی پالک بھی ہے اور مدبر بھی الغرض انسانی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں حلال وحرام اور جائز و ناجائز کے حدود و قیود مقرر کرنا خدا کا کام ہے بندہ کا کام نہیں ہے۔

آیات القرآن

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۱ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۶۳ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۶۴

ترجمۃ الآیات

جو لوگ خدا پر افترا پردازی کرتے ہیں ان کا قیامت کے دن کے بارے میں کیا گمان ہے ؟ بے شک اللہ لوگوں پر فضل و کرم کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزازی نہیں کرتے (۶۰) (اے رسول) آپ جس حال میں بھی ہوں اور قرآن میں سے جو کچھ بھی پڑھ کر سنائیں اور (اے لوگو) تم بھی جو کوئی کام کرتے ہو ہم ضرور تم پر ناظر و نگران ہوتے ہیں جب تم اس (کام) میں مشغول و منہمک ہوتے ہو۔ اور آپ کے پروردگار سے کوئی ذرہ بھر چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور کوئی چیز خواہ ذرہ سے چھوٹی ہو یا اس سے بڑی مگر یہ کہ وہ ایک واضح کتاب میں موجود ہے (۶۱) آگاہ ہو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۶۲) یہ (اللہ کے دوست) وہ لوگ ہیں جو ایمان

لائے اور تقوی اختیار کیا (۶۳) ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی یہی بڑی کامیابی ہے (۶۴)

تشریح الالفاظ

۱۔شان جس کی جمع شئون ہے اس کے معنی ہیں حالت۔ ۲۔ تفیضون فیہ۔ کے معنی مشغول و مصروف ہونے کے ہیں ۳۔ومایعزب عزب کے معنی ہیں دور ہونا اور غائب ہونا۔

تفسیر الآیات

۵۰۔وما ظن الذین... الآیة

مداخلت فی الدین کرنے والوں کو خدا کی دھمکی

یہ استفہام انکاری ہے کہ جو لوگ خدا پر افترا پردازی کرتے اور اپنے رائے وقیاس سے جائز و ناجائز مقرر کرتے ہیں ان کا قیامت کے دن کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ہم ان کو ان کے کذب و افتراء کی کوئی سزا نہیں دیں گے؟ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ ایک متقی اور فاسق و فاجر اور نیک و بد برابر ہو جائیں گے؟ حالانکہ وہ کبھی برابر نہیں ہوسکتے ام نجعل المتقین کالفجار۔کیا ہم متقیوں کو فاجروں کی مانند قرار دے دیں گے؟ خدا لوگوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے کہ ان کو عقل و شرع کی نعمت سے نواز کر نیکی و بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے اور بدی و برائی کرنے سے منع کیا ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ بے شکرے ہیں کہ عقل و شرع کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے مگر وہ پھر بھی جلدی سزا نہیں دیتا بلکہ برابر مہلت پر مہلت دیتا ہے تا کہ وہ توبہ کرکے تلافی مافات کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں مگر افسوس ما اکثر العبر و ما اقل الاعتبار؟

۵۱۔وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ... الآیة۔

اللہ ہر حال میں حاضر و ناظر ہے اور ہر چیز کا عالم ہے

اس آیت شریفہ میں خداوند عالم کے کلی واحاطی علم کی وسعت و پہنائی کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اے رسول! آپؐ جس حال میں ہوں جو کام کر رہے ہوں خواہ تلاوت قرآن کر رہے ہوں اور خواہ عبادت و اطاعت میں مصروف ہوں یا تذکیر و دعوت میں مشغول ہوں اور اے امت محمدیہ تم بھی جو کچھ کر رہے ہو اور جو بھی عمل کر رہے ہو

ہم تمہاری ایک ایک روش ورفتار اور تمہارے ایک ایک کردار کو دیکھ رہے ہیں اور تمہاری نگرانی کر رہے ہیں اور تم پر ناظر ونگران ہیں کیونکہ آسمان وزمین میں ذرہ برابر یا اس سے بڑی یا چھوٹی کوئی چیز بھی آپ کے پروردگار سے مخفی نہیں ہے اور یہ سب کچھ کتاب مبین (لوح محفوظ یا نامہ اعمال) میں موجود ہے (مجمع البیان، جلالین)

علم خداوندی کے بارے میں فلاسفہ یونان کی موشگافیاں

چونکہ فلاسفہ یونان کے پریشان خیالات کی وجہ سے لوگ بعض غلط فہمیوں میں مبتلا تھے کوئی کہتا کہ خدا کو صرف اپنی ذات کا علم ہے باقی کسی چیز کا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا کو صرف کلیات کا علم ہے جزئیات کا نہیں ہے اور کوئی کہتا کہ خدا کو خلقت اشیاء سے پہلے ان کا اجمالی علم ہوتا ہے اور تفصیلی علم خلقت کے بعد ہوتا ہے خداوند عالم نے ان تمام اقوال وآراء کو رد کرتے ہوئے یہاں دوسرے متعدد مقامات پر واضح فرمایا ہے کہ وہ کائنات علوی وسفلی کا اور اس کی ہر ہر کلی وجزی کا ایسا علم حضوری رکھتا ہے کہ عالم امکان کا کوئی ذرہ اس کے علم محیط سے پوشیدہ نہیں ہے وہ ہر چیز کے ماضی اس کے حال اور اس کے مآل کو جانتا ہے اور اس کا علم ازلی بھی ہے اور ابدی بھی اور وہ خلقت اشیاء سے پہلے ان کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح کہ ان کی خلقت کے بعد جانتا ہے نیز اس پیرایہ میں پیغمبر اسلام کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ مخالفین کی غوغا آرائی اور ہرزہ سرائی کی کوئی پرواہ نہ کریں اور پوری دلجمعی اور یکسوئی سے اپنے کام کو جاری رکھیں ہماری حفاظت اور نگرانی آپ کے ساتھ ہے کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اس میں پیغمبرؐ کے مخالفین کو تنبیہ بھی ہے کہ تم پیغمبر اسلام کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہو یہ خیال نہ کرنا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تمہارے ہر قول وفعل کی نگرانی ہو رہی ہے اور تمہارا نامہ اعمال لکھا جا رہا ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت رسول خدا اس آیت کی تلاوت کرتے تھے تو سخت گریہ وبکا فرماتے تھے (مجمع البیان، تفسیر صافی) خدا کے حاضر وناظر ہونے کا یہی وہ اسلامی تصور ہے جو ایک مسلمان کو خلوت وجلوت میں غلط کام کرنے سے باز رکھتا ہے اسے اپنے نفس کی اصلاح کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور اس کے دل میں خوف خدا پیدا کرتا ہے۔

۵۲۔ اَلَآ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ... الآیۃ۔

اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں

اولیاء اللہ کون ہیں؟ اس سوال کا جواب اس سے بعد والی آیت میں مذکور ہے **الذین آمنو او کانو ا یتقون**۔ جو ایمان لائے ہیں اور پرہیز گاری اختیار کئے ہوئے ہیں اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی کے متعدد

معنوں میں سے ایک معنی دوست کے بھی ہیں لہٰذا اللہ کا ولی یعنی دوست وہ ہے جو عقیدہ مومن ہے اور عملاً متقی ہے بس وہ ولی اللہ ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے اللہ ولی الذین آمنو ا ۔ ان اولیائه الا المتقون۔ اس مختصر مگر تحقیقی بیان سے یہ حقیقت واضح وعیاں ہوجاتی ہے کہ ولایت پر کسی خاص گروہ کا اجارہ نہیں ہے جیسا کہ صوفیوں نے قرار دے رکھا ہے بلکہ یہ بعض صفات یعنی ایمان وتقوی کے ساتھ مشروط ہے۔

اس خوف اور حزن وملال سے کیا مراد ہے

ظاہر ہے کہ خوف و ہراس ہو یا حزن و ملال اس کی دو قسمیں ہیں ا۔ دنیوی۔ ۲۔ اخروی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دار دنیا میں شدائد ومصائب اور تکالیف وآلام کا زیادہ تر تختۂ مشق یہی اولیاء اللہ ہی ہوتے ہیں جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الا مثل فالا مثل۔ سب سے زیادہ بلائیں اور مصیبتیں نبیوں پر نازل ہوتی ہیں اور پھر درجہ بدرجہ اہل ایمان پر لہٰذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسے اخروی خوف وحزن مراد ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے وهم من فزع یومئذ آمنون۔ کہ جو اولیاء اللہ ہوں گے وہ اس (قیامت) کے دن کی جزا وسزا اور گھبراہٹ سے محفوظ و مامون ہوں گے۔ وذلک هو الفوز المبین اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

و انی و ان خفت فی الدنیا و ایام اهلها

و انی لا رجو الا من بعد وفاتی

(تائیة دعبل خزاعی)

۵۳۔ لَهُمُ الْبُشْرٰی...الآیة۔

اولیاء اللہ کے لئے دنیا وآخرت میں بشارت اور خوشخبری ہے

آخرت کی بشارت تو سب کو معلوم ہے کہ "یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللهِ وَفَضْلٍ وَّ اَنَّ اللهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔ (آل عمران......۱۷۱)۔ جو اولیاء اللہ ہیں وہ خدا کی نعمت (جنت) اور اس کے فضل وکرم کی خوشخبری پا کر اور یہ کہ اللہ اہل ایمان کے اجر وثواب کو ضائع نہیں کرتا خوش وخرم ہوتے ہیں مگر دنیوی بشارت سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

بعض نے اس سے خدا کی وہ بشارت مراد لی ہے جو اہل ایمان کو دیتا ہے جیسے بشر الذین آمنو ان لهم قدم صدق عند ربهم۔ یا جیسے یبشرهم ربهم برحمة منه۔ ا۔ اور بعض نے اس سے

فرشتوں کی وہ بشارت مراد لی ہے جو وہ موت کے وقت اہل ایمان کو دیتے ہیں کہ لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا ابا الجنة۔ ۳۔ اس سے مراد وہ سچا خواب ہے جو خود مومن دیکھتا ہے یا کسی دوسرے شخص کو اس کے متعلق دکھایا جاتا ہے جیسا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا۔ ھی فی الدنیا الرویا الصالحة یراھا المومن لنفسہ اویری لہ۔ (تفسیر۔ جوامع۔ وصافی)

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جب تمہاری سانس یہاں تک (گلے تک) پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت نازل ہوتا ہے اور مرنے والے سے کہتا ہے کہ جس چیز (جنت) کا تو طلبگار رہے وہ تجھے مل گئی ہے پھر اس کا جنت میں جو مکان ہے اس کی طرف ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھ وہ حضرت رسول خدا وعلی مرتضی اور حضرت امام حسن وحضرت امام حسین علیہ السلام ہیں جو جنت الفردوس میں تیرے رفقاء اور ہم نشین ہیں پھر فرمایا یہ مطلب ہے اس ارشاد خداوندی کا الذین آمنو و کانو یتقون لھم البشری ... الآیة۔ (تفسیر صافی) اور چونکہ ان مختلف تعبیرات وتشریحات میں کوئی تضاد نہیں ہے لہٰذا یہ سب مراد ہوسکتی ہے۔

۵۴۔ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ... الآية

اللہ کے اقوال وارشادات اور اس کے ان وعدوں میں جو اس نے اہل ایمان وتقویٰ سے کر رکھے ہیں کہ وہ ان کو اپنی خصوصی عنایات ونوازشات سے سرفراز فرمائے گا کیونکہ اس کے وعدے اٹل ہیں ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ان اللہ لا یخلف المیعاد۔ اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ و ذلك هو الفوز العظیم۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

آیات القرآن

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا

سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اے رسول) ان (کافروں) کی (معاندانہ) باتیں آپ کو غمزدہ نہ کریں۔ یقیناً تمام کی تمام عزت اللہ کے لئے ہے (وہ جسے چاہے عزت و ذلت دے) وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے (۶۵) آگاہ ہو جاؤ وہ تمام ہستیاں جو آسمان میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں اللہ ہی کے مملوک اور اسی کے تابع فرمان ہیں۔ اور جو (مشرک) لوگ اللہ کے سوا خود ساختہ شریکوں کو پکارتے ہیں وہ کاہے پیروی کر رہے ہیں؟ وہ محض اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور صرف اپنی اٹکلیں دوڑا رہے ہیں (۶۶) وہ (خدا) وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو اور دیکھنے کے لئے دن کو روشن بنایا (تاکہ اس میں کام کرو) بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے (قدرت خدا کی) نشانیاں ہیں جو (کلام حق) سنتے ہیں (۶۷) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنا کوئی بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ پاک و بے نیاز ہے اور اس کیلئے آسمان اور ساری کائنات ہے تمہارے پاس تو تمہاری بات کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے کیا تم لوگ خدا پر وہ الزام لگاتے ہو جس کا تمہیں علم بھی نہیں ہے۔ (۶۸) (اے رسولؐ) کہہ دیجئے جو لوگ خدا پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ (۶۹) (ان کے لئے صرف دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کی بازگشت ہماری طرف ہے پھر ہم ان کے کفر کی پاداش میں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (۷۰)

تشریح الالفاظ

۱۔ یخرصون۔ خرص کے معنی تخمینہ لگانا اور اٹکل سے کہنا ہیں۔ ۲۔ مبصراً کا مفہوم ہے روشن ویسے

مبصر کے معنی نگہبان کے بھی ہیں۔

تفسیر الآیات

۵۵۔ وَلَا یَحۡزُنۡكَ... الآیۃ۔

کفار قریش اور مشرکین عرب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں جو توہین آمیز باتیں کرتے تھے۔ ان کو پیش نگاہ رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ ان کی یہ طعن آمیز باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں۔ ان باتوں سے آپ کی شان گھٹ نہیں سکتی کیونکہ تمام حقیقی عزت کا مالک اللہ ہے اور جب اس نے تمہیں عزت و عظمت عطا فرمائی ہے تو پھر کون آپ کو ذلیل کر سکتا ہے؟ **للہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون۔** (المنافقون)۔

۵۶۔ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ... الآیۃ۔

من کی لفظ چونکہ عموماً ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتی ہے اس لئے "**من فی السموات ومن فی الارض**" سے مراد ملائکہ، جنات اور انسان وغیرہ ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب زمین و آسمان اور ان میں اور ان کے درمیان جو چیزیں اور جو ہستیاں ہیں وہ سب خدا کی مخلوق اور مملوک ہیں۔ اور اسی کی تابع فرمان ہیں تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ الوھیت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے پس جب اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے تو جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے (فرضی) شریکوں کو پکارتے ہیں وہ کس کی پیروی کر رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ صرف وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ اس تفسیر کی روشنی میں **وما یتبع**۔ میں "ما" کا لفظ نافیہ بھی ہو سکتا ہے، استفہامیہ بھی اور موصولہ بھی۔ اور وہ محض اپنی اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔ اس مطلب کی وضاحت قبل ازیں اسی سورہ کی آیت ۲۸ **ویوم یحشرھم جمیعا ثم نقول للذین اشرکوا**... الآیۃ۔ کی تفسیر میں کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ **وقال شرکاءھم ما کنتم ایانا تعبدون**۔ ان کے (مزعومہ) شریک ان سے کہیں گے کہ تم ہماری پرستش تو نہیں کرتے تھے ہاں اپنے وہم و گمان کی کرتے تھے۔

۵۷۔ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ... الآیۃ۔

خدا کی قدرت و حکمت کی نشانیوں میں سے رات دن کی خلقت بھی ہے

خدا کی قدرت و حکمت کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی رات اور دن کا بنانا بھی ہے اور پھر رات

کا ٹھنڈا اور تاریک ہونا بھی تاکہ اس میں آرام کیا جا سکے اور دن کا روشن ہونا تاکہ اس میں کام کیا جا سکے۔ ایک اور مقام پر فرمایا ہے۔ ”وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُم“ (اسراء...... ۱۲) اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا پھر رات والی نشانی کو دھندلا بنایا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا تاکہ تم لوگ اپنے پروردگار کا فضل (معاش) تلاش کر سکو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس علیم و حکیم خدا نے زمین پر موجودات و مخلوقات پیدا کی ہیں وہ ان کے وجود کی بقا کے اسباب و ضروریات کا بھی خود انتظام کرتا ہے کیونکہ وہ جہاں علیم ہے وہاں حکیم بھی ہے اس لئے وہ جو کام بھی کرتا ہے کسی مقصد اور کسی غرض و غایت کے تحت کرتا ہے اور چونکہ وہ محسن ہے اس لئے مستحق عبادت ہے۔ مگر یہ ساری نشانیاں ان لوگوں کے لئے ہیں جو گوش حقیقت نیوش سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اور ان کے کلام کو سنتے ہیں۔

۵۸۔ قَالُوا اتَّخَذَ اللهُ... الآية۔

خدا کے صاحب اولاد ہونے کی نفی

یہود و نصاریٰ عزیر و عیسیٰ ؑ کو اللہ کے بیٹے کہتے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اللہ نے قرآن مجید میں جا بجا بڑے شد و مد کے ساتھ اس مشرکانہ عقیدہ کی رد کی ہے۔ یہاں دو دلیلوں سے اسے رد کیا ہے (پہلی دلیل) یہ ہے کہ اللہ غنی مطلق ہے وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے جبکہ کائنات ارضی و سماوی کی ہر چیز اپنے وجود، اپنی نشوونما اور اپنی بقاء کے لئے اس کی محتاج ہے اور وہ ہر قسم کی احتیاج سے منزہ و مبرا ہے تو پھر اسے اولاد کی خواہش کیوں ہوگی؟۔

دوسری دلیل

جب اس عالم آب و گل اور ہست و بود کی ہر چیز اس کی مخلوق اور مملوک ہے تو پھر کوئی چیز اس کی مولود کیونکر ہوگی؟ مخفی نہ رہے کہ اس موضوع کی مزید تحقیق اس تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت ۷۷ **او قالو اتخذ الله ولداً۔ الآیه** کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۵۹۔ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ... الآية۔

پہلے کفار و مشرکین کو عقلی اور فطری ناقابل رد دلائل سے سمجھانے کی مخلصانہ کوشش و کاوش کے بعد اب انہیں دھمکی دی جا رہی ہے کہ یہ دنیا کی زندگی کی چند روزہ عیش و عشرت کی مہلت ہے۔ آخر انجام کار تم نے ہماری ہی بارگاہ میں لوٹ کر آنا ہے ہم ان کے کفر و شرک کی وجہ سے انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

آیات القرآن

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اے رسول) انہیں (کفار کو) نوح علیہ السلام کا حال سنائیں جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ کہ اے میری قوم! اگر (تمہارے درمیان) میرا قیام کرنا اور آیات الٰہیہ کا یاد دلانا (اور ان کے ساتھ پند و نصیحت کرنا) شاق گذرتا ہے تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے تو تم (میرے خلاف) اپنے خود ساختہ شریکوں کو بھی ساتھ ملا کر کوئی متفقہ فیصلہ کر لو اور (پھر خوب سوچ سمجھ لو تا کہ) تمہارا فیصلہ تم پر پوشیدہ نہ رہے اور تمہیں اس میں کوئی تذبذب باقی نہ رہے پھر میرے ساتھ جو کرنا ہے کر گذرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (۷۱) اب اگر (اس کے باوجود) تم روگردانی کرتے ہو (تو تمہارا ہی نقصان ہے میرا کیا نقصان ہے) میں نے تم سے کوئی اجر تو نہیں مانگا۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کے فرمانبردار بندوں سے

رہوں۔(۷۲)(باایں ہمہ)ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا پس ہم نے انہیں اور جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے نجات دی اور انہیں (غرق ہونے والوں کا) جانشیں بنایا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان سب کو غرق کر دیا تو دیکھو جن کو متنبہ کیا گیا تھا اور ڈرایا گیا تھا (مگر وہ نہ مانے) ان کا انجام کیا ہوا؟ (۷۳) پھر ہم نے ان (نوح) کے بعد متعدد رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا اور ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں (معجزے) لے کر آئے اس پر بھی وہ تیار نہ تھے کہ جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے ہیں (اب معجزے دیکھ کر) اس پر ایمان لائیں۔ ہم یونہی ظلم وتعدی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں (۷۴)۔

تشریح الالفاظ

۱۔غمۃ۔جس کے جمع غمم ہے اس کے معنی بے چینی اور حیرت کے ہیں۔ ۲۔خلائف۔ یہ خلیفہ کی جمع ہے جس کے معنی جانشین اور قائم مقام کے ہیں۔ ۳۔المعتدین۔اعتداء کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۶۰۔وَاتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَ نُوۡحٍ... الآیۃ۔

قرآن کا اسلوب بیان اور واقعہ نوح علیہ السلام سے درس عبرت

جن لوگوں نے گہری نگاہ سے قرآن کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کا انداز بیان اور اسلوب خطاب یہ ہے کہ وہ کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے فطری اور وجدانی دلائل بیان کرتا ہے۔ اور موثر و دلنشین نصائح کے ساتھ سمجھاتا ہے اور مخاطبین کو ان کے غلط عقائد و نظریات اور غلط طرز حیات اختیار کرنے پر تنبیہ کرتا ہے اور مثبت انداز میں یہ بھی بتاتا ہے کہ صحیح عقائد اور صحیح طریقہ حیات کیا ہے تاکہ وہ اپنے عقائد و اعمال پر نظر ثانی کر کے ان کی اصلاح کر سکیں۔ اور اگر یہ اسلوب بیان موثر اور کارگر ثابت نہ ہو تو پھر گذشتہ عبرت انگیز واقعات اور مشہور ایام کے ساتھ استدلال کر کے ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی اسی روش کا مظاہرہ کیا گیا ہے کہ پہلے وجدانی دلائل پیش کئے گئے، نصائح کئے گئے اور حقائق بیان کئے گئے اور بتایا گیا کہ افترا پردازی کرنے والا کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ اور یہ طریقہ کار جب کما حقہ موثر ثابت نہ ہوا تو اب پیغمبر اسلام کو حکم

دیا جارہا ہے کہ ان لوگوں کو جناب نوح علیہ السلام کی سرگزشت سناؤ شاید وہ اس سے درس عبرت حاصل کریں۔ ان واقعات کی بقدر ضرورت تشریح قبل ازیں سورہ اعراف کی آیت ۷۱، ۷۲ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ ایک صادق و مصدق رسول کو اپنی صداقت کا یقین کامل ہوتا ہے اس لئے وہ قوم کی بدسلوکی کو خاطر میں نہیں لاتا اور نہ ہی حوادث روزگار کی پروا کرتا ہے بلکہ بلاخوف لومۃ لائم مخالفوں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر برابر اپنے مشن کا پرچار کرتا ہے چنانچہ جناب نوح علیہ السلام پوری پیغمبرانہ گھن گرج سے قوم سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں میری دعوت تذکیر گراں محسوس ہوتی ہے اور تم مجھے جھوٹا جانتے ہو تو تم اجتماعی کدو کاوش سے میرے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو کر گذرو۔اور میرے خلاف جو تدبیر اور جو سازش کر سکتے ہو کر لو۔اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔پھر دیکھو کہ تم مجھے یا میری دعوت کو مٹا سکتے ہو۔یا نہ؟ کیونکہ میرا بھروسہ اللہ پر ہے ارباب عقل و انصاف کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ جس شخص کو اپنی حقانیت کا پورا یقین نہ ہو۔بلکہ اپنے دل میں صداقت کے بارے میں ذرا بھی شک ہو کیا وہ اس دلیری کے ساتھ پوری قوم کو اس طرح للکار سکتا ہے؟ اور اس طرح مقابلے کی دعوت دے سکتا ہے؟ نتیجہ دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ خدا نے جناب نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا۔اور آیات الٰہیہ کو جھٹلانے والوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے اور ان کا نام ونشان مٹا دیا۔وانظر کیف کان عاقبتہ المنذرین۔

۶۱۔ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِہٖ ... الآیۃ۔

جناب نوح علیہ السلام کے بعد خدا نے بہت سے نبی و رسول جیسے ابراہیمؑ، ہودؑ، صالحؑ اور شعیبؑ وغیرہ وغیرہ مختلف اقوام میں بھیجے اور ان کے ساتھ بھی ان کی قوم نے وہی سلوک کیا جو نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کے ساتھ کیا تھا۔اور پھر خدا نے بھی ان قوموں کے ساتھ وہی کیا جو قوم نوح علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا جس کی کچھ تفصیلات سورہ اعراف کی آیت ۷۳ سے لے کر آیت ۹۳ تک پھیلی ہوئی ہیں اور اس تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکی ہیں۔اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اور باقی ماندہ تفصیلات اس کے بعد سورہ ہود میں آرہی ہیں جو اس سورہ کی مثنی کی حیثیت کی حامل ہے۔اس میں جناب ہودؑ، جناب صالحؑ، جناب لوطؑ اور جناب شعیب علیہم السلام کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں اور جناب نوح علیہ السلام اور جناب موسیٰ علیہ السلام کے حالات پر بھی مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

آیات القرآن

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىٕهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ﴿۷۷﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴿۸۰﴾ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴿۸۲﴾

ترجمۃ الآیات

پھر ہم نے ان (رسولوں) کے بعد موسیٰ وہارون کو اپنی نشانیوں (معجزوں) کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ (عادی) مجرم تھے۔ (۷۵) اور جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آیا (اور حقیقت واضح ہوگئی) تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ (۷۶) موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آیا؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر کبھی فلاح وکامیابی نہیں پاسکتے (۷۷) انہوں نے (جواب میں) کہا کہ کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں اس راہ سے ہٹادو جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ اور اس سرزمین میں تم دونوں

(بھائیوں) کی بڑائی۔ (سرداری) قائم ہو جائے ہم تم دونوں کی بات تسلیم کرنے والے نہیں ہیں (۷۸) اور فرعون نے کہا (میرے ملک کے) تمام ماہر جادوگروں کو میرے پاس لاؤ (۷۹) تو جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ (جادو کے سامان سے) تمہیں جو کچھ پھینکنا ہے پھینکو۔ (۸۰) جب وہ (رسیاں وغیرہ) پھینک چکے تو موسیٰؑ نے کہا کہ جو کچھ تم لائے ہو یہ جادو ہے (نہ وہ جو میں لایا ہوں) یقیناً اللہ اسے ابھی ملیا میٹ کر دے گا کیونکہ قانون قدرت ہے کہ اللہ مفسدین کے کام کو بننے نہیں دیتا (۸۱) اور اللہ حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ سے ضرور حق ثابت کر دکھاتا ہے اگرچہ مجرموں کو ناپسند ہی ہو (۸۲)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ملائه۔ ملاء کے معنی ہیں قوم کے بڑے لوگ یعنی سردار۔ ۲۔لتلفتنا۔لفت کے معنی ہیں کسی چیز کو دائیں بائیں موڑنا۔ ۳۔الکبریاء کے معنی ہیں بزرگی اور بڑائی۔

تفسیر الآیات

۶۲۔قَالَ مُوْسٰی اَتَقُوْلُوْنَ... الآیۃ۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کے اجمالی حالات و واقعات قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں

جناب نوح علیہ السلام کے بعد بعثت انبیاء کا یہ مقدس سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ خدائے علیم و حکیم نے جناب موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور ان کے عظیم الشان بھائی ہارون کو عظیم معجزات و بینات دے کر مبعوث فرمایا۔ دوسرے جزوی کاموں کے علاوہ ان کے ذمہ دو بڑے کاموں کی انجام دہی تھی ایک اپنی قوم بنی اسرائیل کو غلامانہ زندگی سے آزاد کرانا۔ دوسرے فرعون جیسے سرکش اور مطلق العنان حکمران کو جس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ خدا کی وحدانیت کا پیغام پہنچانا جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے کس اولوالعزمی اور ثابت قدمی سے اپنا فریضہ ادا کیا اور فرعون و فرعونیوں نے کس طرح قدم قدم پر ان کے سامنے روڑے اٹکائے کس طرح ان کے معجزات کو جادو کہا۔ اور کس طرح ان پر اور ان کی قوم پر جور و جفا کے کوہائے گراں گرائے اور انجام کار جناب

موسیٰ علیہ السلام کس طرح مظفر و منصور ہوئے اور فرعون و فرعونی کس طرح غرق رود نیل ہوئے اور کس انداز میں نیست و نابود ہوئے اس سے قرآن و حدیث اور تاریخ کے اوراق چھلک رہے ہیں ان واقعات کا ایک شمہ یہاں بیان کیا گیا ہے کچھ اس کے بعد سورہ ہود میں بیان کئے جائیں گے اور ان کی زیادہ تر تفصیلات اس تفسیر کی تیسری جلد میں سورہ اعراف کی آیت ۱۰۳ ثم بعثنا من بعدہم موسیٰ بایاتنا الی فرعون ۔الایہ۔آیت ۱٦۲ کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہیں ۔لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

٦۳ ۔یُحِقُّ اللّٰہُ الْحَق... الآیة۔

الحق حقق سے ماخوذ ہے اور عربی زبان میں اس لفظ کا خاصہ ثبوت و قیام ہے یعنی جو بات ثابت اور اٹل ہو اسے حق کہا جاتا ہے جب کہ اس کی نقیض کا نام باطل ہے جو اس چیز کو کہا جاتا ہے جو مٹ جانے والی ہو اور باقی رہنے والی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ سچائی کا خاصہ ثبوت و قیام ہے اور باطل کا خاصہ مٹ جانا کیونکہ باطل ایک مٹ جانے والی چیز ہے بنابریں خدا حق کو حق اور باطل کو باطل کردے گا مطلب یہ ہوگا کہ حق ثابت و قائم رہ کر اپنی حقانیت واضح کردے گا جبکہ باطل مٹ کر اپنے باطل ہونے کا ثبوت فراہم کردے گا۔

باطل آخر داغ حسرت میری است۔

آیات القرآن

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴿۸٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً

وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾

ترجمۃ الآیات

پس موسیٰ پر ان کی قوم کے چند نوجوانوں کے ایک گروہ کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لایا اور وہ (ایمان لانے والے) بھی فرعون اور اپنی قوم کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے ایمان لائے۔ کہ کہیں وہ انہیں آزمائش اور مصیبت میں نہ ڈال دے اور بے شک فرعون بڑا سرکش (بادشاہ) تھا اور حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا۔ (۸۳) اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم! اگر واقعی تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو پھر اسی پر بھروسہ کرو۔ اگر تم فی الحقیقت مسلمان ہو (۸۴) انہوں نے (جواب میں) کہا ہم اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں (اور دعا کرتے ہیں) اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالم لوگوں کے لئے آزمائش کا موجب نہ بنا (انکے ظلم کا تختہ مشق نہ بنا) (۸۵) اور ہمیں اپنی رحمت سے ظالموں (کے پنجہ ظلم) سے نجات عطا فرما۔ (۸۶) اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی (ہارون) کی طرف وحی کی کہ مصر میں اپنی قوم کیلئے چند گھر مہیا کرو (بناؤ) اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ بناؤ (یا اپنے گھروں کو ہی قبلہ بناؤ) اور نماز قائم کرو۔ اور (اے موسیٰ اہل ایمان کو) کامیابی کی بشارت دیں (۸۷) اور موسیٰ نے (دعا مانگتے ہوئے) کہا اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیاوی زندگی میں زیب و زینت (کی چیزوں) اور بہت سے مال و دولت سے نوازا ہے۔ اے پروردگار! اس کا نتیجہ اور انجام یہ ہے کہ وہ (تیرے بندوں کو) تیرے راستے سے بہکاتے ہیں۔ اے ہمارے مالک۔ ان کے مالوں کو نابود کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے تاکہ جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ایمان نہ لائیں۔ (اور اس وقت ایمان کا لانا سود مند نہ ہوگا (۸۸)

تشریح الالفاظ

۱۔لعال۔علافی الارض کے معنی ہیں تکبر کرنا ۲۔اسراف کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا ۳۔اطمس۔ طمس کے معنی مٹانے اور ہلاک کرنے کے ہیں۔ ۴۔واشدد۔کا مفہوم ہے کہ ان کے دلوں کو سخت کر۔

تفسیر الآیات

۶۴۔فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ...الآیة

ذریۃ کے مفہوم کی وضاحت

''ذریت کے معنی کم سن اولاد کے ہیں لیکن نسل اور اولاد کے معنوں میں مطلقاً بھی بولا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب کبھی مقاصد وعزائم کی راہ میں شدائد ومحن کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو قوم کے بڑے بوڑھوں سے بہت کم امید کی جاسکتی ہے زیادہ تر نئی نسل کے نوجوان ہی آگے بڑھتے ہیں کیونکہ بڑے بوڑھوں کی ساری زندگیاں ظلم وفساد کی آب وہوا میں بسر ہوچکی ہیں اور محکومی کی حالت میں رہتے رہتے عافیت کوشی کے عادی ہوجاتے ہیں البتہ نوجوانوں میں نیا دماغ ہوتا ہے نیا خون ہوتا ہے اور نئی امنگیں ہوتی ہیں۔انہیں شدائد ومحن کا خوف مرعوب نہیں کردیتا وہی پہلے قدم اٹھاتے ہیں۔پھر ساری قوم ان کے پیچھے چلنے لگتی ہے''(ترجمان القران) اور یہی حالت دینی عقائد ونظریات کی ہے کہ بڑے بوڑھے عموماً اسلاف کی اندھی تقلید کے کمند کے اسیر ہوتے ہیں اور بالکل لکیر کے فقیر بخلاف نسل نو کے کہ اس کے دماغ چونکہ اس اندھی تقلید اور جمود سے آزاد ہوتے ہیں اسلئے جب اہل حق کی دلیل ان کے دل ودماغ کو اپیل کرتی ہے تو وہ فوراً آواز حق پر لبیک کہہ کر اٹھتے ہیں اور پھر اس کا ساتھ دیتے ہیں تجربہ بھی گواہ ہے۔اور اپنا مشاہدہ بھی شاہد ہے کہ اس قسم کے مواقع پر قوم کے نوجوان ہی ہراول دستہ میں نظر آتے ہیں

من قومہ میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟

اکثر علماء نے اس کا مرجع جناب موسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے اور قوم سے بنی اسرائیل کو مراد لیا ہے مگر اس پر بظاہر یہ ایراد وارد ہوتا ہے کہ پھر تو جناب موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی اکثریت کو کافر ماننا پڑے گا۔جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ساری قوم ان کو اللہ کا نبی تسلیم کرتی تھی۔نہ کہ صرف نوجوان۔اس لئے بعض نے اس کا مرجع

فرعون کوقرار دیا ہے کیونکہ اس کی قوم سے صرف چند افراد ایمان لائے تھے جیسے آسیہ بنت مزاحم اور مومن ال فرعون وغیرہ۔لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے ارباب ادب ونحو کی تحقیق یہ ہے کہ اگر آمن کا صلہ با ہو تو اس کے معنی ایمان لانے کے اور تصدیق کرنے کے ہوتے ہیں اور اگر اس کا صلہ لام ہو جیسا کہ یہاں ہے تو پھر اس کے معنی اتباع و اطاعت کے ہوتے ہیں بنا بریں مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی ساری قوم آپ پر ایمان تو لے آئی تھی۔مگر اس رزم حق و باطل میں ان کے سچے متبع اور اطاعت گذار صرف چند نوجوان ہی تھے۔باقی صرف گفتار کے غازی تھے۔اور کٹھن وقت آنے پر بہانہ سازی اور عذر تراشی میں اپنی عافیت جانتے تھے بہر حال ان مشکل حالات میں ایمان لانے والوں میں سے جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم سچے مسلمان ہو تو صرف اللہ پر توکل اور بھروسہ کرو۔انہوں نے جواب میں کہا ہمارا بھروسہ اللہ پر ہی ہے چنانچہ اس توکل علی اللہ اور عملی جدو جہد کا نتیجہ تھا جوان کی کامیابی کی صورت میں نمودار ہوا اور کائنات نے دیکھا

۶۵۔وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی...الآیۃ

جناب موسیٰ و ہارونؑ کو حکم دیا گیا کہ وہ قبلہ رخ گھر بنائیں

ایک قول یہ ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کی عبادت گاہیں تھیں جنہیں فرعون نے مسمار کر دیا تھا (مجمع البیان)

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہے فرمایا ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں ان کو عبادت گاہ سمجھ کر عبادت خدا کیا کریں اور گھروں کو قبلہ رخ بنائیں (نور الثقلین)

متعدد اخبار و آثار سے اشکار ہوتا ہے کہ موسوی دین میں صرف مخصوص عبادت گاہوں یا پھر اپنے گھروں میں عبادت کی جا سکتی تھی مگر امت مرحومہ کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ جہاں چاہیں عبادت کر سکتے ہیں۔

قبلہ سے کیا مراد ہے؟

بنی اسرائیل کو قبلہ رو گھر بنانے کا جو حکم دیا گیا ہے قابل غور بات یہ ہے کہ اس قبلہ سے کون سا قبلہ مراد ہے کعبہ یا بیت المقدس؟ مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد کعبہ ہے کیونکہ نہ صرف جناب موسیٰ علیہ السلام بلکہ سب انبیاء ما سلف کا قبلہ بھی کعبہ تھا بعد ازاں کچھ عرصہ کے لئے بیت المقدس قبلہ بنایا گیا۔اور بنی اسرائیل نے بھی مصر چھوڑنے او ر بیت المقدس کی طرف عازم سفر ہونے کے بعد اپنا رخ بدلا تھا بعض نے قبلہ سے مصلّٰی مراد لیا ہے کہ اپنے گھروں کو ہی عبادت گاہیں بنائیں اور انہیں میں نماز پڑھیں اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ صرف اسلامی شریعت ہی میں

استقبال قبلہ کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ سب سابقہ انبیاء کے عہد میں بھی نماز میں استقبال قبلہ ضروری تھا۔ جس طرح کہ نماز میں طہارت اور ستر عورتیں کی ان شرائع میں اسی طرح شرط تھی جس طرح اب ہے مگر بعض مفسرین نے اس قدیم تفسیر سے ہٹ کر واجعلو بیوتکم قبلۃ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم سب ایک ہی محلہ میں رہائش رکھو اور اپنے مکانات ایک دوسرے کے بالمقابل اور آمنے سامنے بناؤ (تاکہ اس طرح دشمن کے شر سے محفوظ ہو جاؤ اور تمہاری مرکزیت بھی قائم ہو جائے) اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ مساجد و معابد اور ہوتے ہیں اور مساکن اور گھر اور چنانچہ وہ عبادت کے لئے ہوتے ہیں اور یہ رہائش کے لئے (تفسیر کاشف)

۶۶۔ وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَبَشِّرِ ...الآیۃ

بنی اسرائیل کو حکم دیا جارہا ہے کہ نماز قائم کریں اور جناب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا جارہا ہے کہ اہل ایمان کو کامیابی کی خوشخبری سنائیں مشکل اور کٹھن حالات میں کسی قوم کے رہبر و راہنما کا یہ بھی فرض منصبی ہوتا ہے کہ اپنی قوم و ملت کے حوصلوں کو بلند رکھے اور ان کو پست نہ ہونے دے تاکہ ان کی قوت مدافعت کمزور نہ ہو جائے جن حالات اور مشکلات میں جناب موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم گھری ہوئی تھی نظر بظاہر حالات بھلا کامیابی کا کوئی امکان تھا؟ مگر جناب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا جارہا ہے کہ قوم کو کامیابی کی خوشخبری دو کہ آخری فتح و فیروزی حق اور اہل حق کو نصیب ہوگی اور تباہی و بربادی فرعون اور فرعونیوں کا مقدر بنے گی اور دنیا نے بچشم خود دیکھ لیا کہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ خدا نے فرمایا تھا۔

۶۷۔ وَقَالَ مُوْسٰی... الآیۃ

جناب موسیٰ علیہ السلام کی چند بددعائیں

انك آتیت فرعون لیضلوا میں جو لام ہے وہ لام عاقبت وانجام ہے جیسے لدوا للموت وا بنوا اللحزاب میں لام عاقبت ہے مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! تو نے فرعون اور اس کی قوم کے بڑے آدمیوں کو دنیوی زندگی میں زیب و زینت اور بہت سا مال و منال دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو تیرے راستے سے بہکاتے ہیں۔ اسلئے یا اللہ ان کے مال نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں پر سختی کر کیونکہ جب تک یہ دردناک عذاب نہیں دیکھ لیں گے اس وقت تک یہ ایمان نہیں لائیں گے اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ یہ خدا کے فیصلہ پر کسی قسم کا ایراد نہیں ہے۔ بلکہ اپنے مخلصانہ جذبات و احساسات کا اپنے پروردگار سے اظہار ہے اور ایک واقعی حقیقت کا اقرار ہے اگرچہ ایک ہادی برحق کا کام پیغام حق پہنچانا ہوتا ہے بددعا کرنا ان کا کام نہیں ہوتا۔ مگر جب وہ دعوت حق دے دے کر تھک جائیں اور ان کی تمام کوشش و کاوش بے سود ثابت ہو تو پھر وہ کبھی کبھی خدا کی مشیت کے

مطابق بد دعا بھی کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا بھی ویسی ہے جیسی جناب نوح علیہ السلام نے کی تھی۔ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیاراً

آیات القرآن

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴿۹۳﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے سو تم ثابت قدم رہو۔ اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو۔ جو (حق وحقیقت کا) علم نہیں رکھتے (۷۹) اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور ظلم وتعدی سے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جب وہ (فرعون) (دریا میں) غرق ہونے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں (مانتا ہوں) کہ اس ہستی کے سوا کوئی الہ نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں (فرمانبرداروں میں سے ہوں (۹۰) (اس سے کہا گیا) اب؟ (ایمان لاتا ہے

؟) حالانکہ اس سے پہلے تو مسلسل نافرمانی کرتا رہا ہے اور تو فسادیوں میں سے ایک (بڑا) مفسد تھا۔ (۹۱) پس آج ہم صرف تیرے بدن (لاش کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد آنے والوں کے لئے (قدرت وعبرت کی) ایک نشانی بن جائے (اگرچہ) لوگوں کی اکثریت ہماری نشانیوں سے غافل ہی رہتی ہے (۹۲) اور ہم نے (حسب الوعدہ) بنی اسرائیل کو (رہنے کیلئے) بہت اچھا ٹھکانا دیا اور پاکیزہ چیزوں سے ان کی روزی کا انتظام کیا پس جب تک ان کے پاس توراہ وغیرہ کی شکل میں علم نہیں آگیا تب تک انہوں نے باہم اختلاف نہیں کیا۔ (پھر جان بوجھ کر اختلاف کیا)۔ یقیناً آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے (۹۳)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ عدوا۔ عدوا کے معنی ظلم وتعدی کے ہیں۔ ۲۔ بوانا۔ بوء کے معنی ہیں رہائش کے لئے جگہ بنانا۔ ۳۔ مبوّصدق کا مطلب ہے اچھا ٹھکانا۔

تفسیر الایات

۶۸۔ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ... الآیة۔

موسیٰؑ وہارون کی بددعا قبول ہوتی ہے۔

ارشاد قدرت ہے کہ تمہاری بددعا قبول کی جاتی ہے اب تمہارا دشمن تو تباہ وبرباد ہوجائے گا مگر اب تم ثابت رہنا اور جم کر کھڑے ہوجانا۔ اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے اور ان کی طرح کفران نعمت کرکے اپنی بربادی کا مستوجب قرار نہ پانا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ارشاد خداوندی قد اجیبت دعوتکما (تمہاری بددعا قبول کی جاتی ہے) اور فرعون کے غرق ہونے میں چالیس سال کا فاصلہ تھا۔ یعنی اس بددعا کی قبولیت کی اطلاع کے چالیس سال بعد اس پر عمل درآمد ہوا تھا (تفسیر نور الثقلین وصافی) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا جناب موسیٰ علیہ السلام کی اس بددعا پر جناب ہارون اور فرشتوں نے آمین کہی تھی (تفسیر قمی)

اس سے یہ درس ملتا ہے کہ اگر ایک عظیم الشان نبی کی دعا یا بد دعا کی قبولیت میں چالیس سال کا عرصہ دراز لگ سکتا ہے تو پھر من وشما کو اجابت دعا میں تاخیر سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ **مرضی مولا از همه اولیٰ۔**

۶۹۔ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ...الآیة۔

قدرت کی بعض نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا

اس بات کی کئی بار وضاحت کی جا چکی ہے کہ بموجب ارشاد قدرت **یوم یاتی بعض آیات ربك لا ینفع نفسا ایمانھا لم تکن امنت من قبل**۔ کہ جب پروردگار کی بعض نشانیاں ظاہر ہو جائیں تو اس وقت ایمان لانا سودمند نہیں ہوتا اور ان آیات میں سے ایک نزول عذاب ہے اور دوسری موت ہے پوری کائنات میں ایک جناب یونسؑ کی قوم کی مثال ملتی ہے کہ جن کی بے مثال توبہ وانابہ کرنے سے آیا ہوا عذاب ٹل گیا تھا۔ اور موت کے وقت ایمان یا توبہ کے قبول ہونے کی تو ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ بالاتفاق غرغرہ موت یعنی نزع روح کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ارشاد قدرت ہے **ولیست التوبة للذین یعملون السئیات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الآن**۔ خدا ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں کرتا جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان کی موت کا وقت آئے تو وہ کہتے ہیں کہ اب میں توبہ کرتا ہوں (نساء۔۱۸)۔

چنانچہ جب فرعون نے غرق ہوتے وقت کہا کہ۔ **آمنت انه لا اله الا الذی امنت به بنو اسرائیل وانا من المسلمین**۔ تو اس سے کہا گیا **آلئن وقد عصیت قبل**۔ اب حالانکہ تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا ہے اور تو فسادیوں میں سے تھا۔

۷۰۔ فالیوم ننجیك...الآیة۔

فرعون کا جسم بچ گیا تا کہ آنے والی قوموں کے لئے قدرت کی نشانی ہو

ارشاد قدرت ہے کہ آج ہم تیرے جسم کو (سمندر کی موجوں سے) بچالیں گے تا کہ بعد میں آنے والی قوموں کے لئے قدرت حق کی نشانی ثابت ہو۔ قدیم مفسرین کو حل مطلب میں مشکلات پیش آئیں لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو مطلب بالکل واضح ہے قدیم مصریوں میں حنوط کا طریقہ رائج تھا۔ یعنی بادشاہوں اور امیروں کی نعشوں کو ایک خاص طرح کا مصالحہ لگا کر ایک عرصہ تک محفوظ کر دیتے تھے چنانچہ اٹھارویں صدی کے اوائل سے لے کر اس وقت تک بے شمار نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں اور دنیا کا کوئی عجائب خانہ ایسا نہیں ہے جس

کے حصے میں دو چار نعشیں نہ آئی ہوں اس طرح کی نعشوں کے لئے ''ممی'' کا لفظ یونانیوں نے استعمال کیا تھا جو غالباً خود مصریوں کی ہی اصطلاح تھی۔ آیت کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرمایا تو اب موت سے تو بچ نہیں سکتا لیکن تیرا جسم سمندر کی موجوں سے بچا لیا جائے گا تا کہ وہ حسب معمول ممی کر کے رکھا جائے اور آنے والی نسلوں کے لئے عبرت و تذکر کا موجب ہو۔ اگر مصریات (اجپٹالوجیا) کے بعض علماء کی یہ تحقیق درست ہے کہ فرعون عمیس ثانی تھا تو اس کا بدن آج تک زائل نہیں ہوا ہے کیونکہ اس کی ممی نکل آئی ہے اور قاہرہ کے دارالاثار میں صحیح و سالم موجود ہے (ترجمان القرآن)۔

اگر آثار قدیمہ کے ماہرین اس میں اختلاف کریں کہ یہ اسی فرعون کی نعش ہے یا کسی اور کی؟ تو ان کے اندازوں سے قرآن کا سینکڑوں سال پہلے کا یہ بیان زیادہ مستند اور قابل اعتماد ہے اس طرح قدرت کاملہ نے اسے اس طرح اپنی قدرت اور عبرت کی نشانی بنایا ہے جو آج کے فرعونوں کے لئے بھی نشان عبرت ہے مگر عبرت حاصل کرنے کے لئے عبرت بین نگاہوں کی ضرورت ہے۔ جو آج کے اس مادی دور میں نایاب نہیں ہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ وان کثیر امن الناس عن آیا تنا لغافلون۔ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں سچ ہے۔ ما اکثر العبر واقل الاعتبار؟

۷۱۔ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا۔ الآیۃ۔

ہم نے بنی اسرائیل کو بڑی اچھی جگہ آباد کیا اس میں اختلاف ہے کہ اس سے کون سی جگہ مراد ہے؟ اس میں مفسرین میں فی الجملہ اختلاف ہے بعض نے اس سے بیت المقدس اور شام مراد لی ہے اور بعض نے مصر (مجمع البیان وغیرہ) میں سمجھتا ہوں کہ ان دونوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ دونوں قول صحیح ہیں۔ یعنی فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد پہلے ان کو مصر کے محلات، مکانات اور باغات کا وارث بنایا گیا جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ كَذٰلِكَ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ''۔ (الشعراء...... ۵۷۔۵۸۔۵۹) ہم نے ان (فرعون اور فرعونیوں) کو باغوں، چشموں، خزانوں اور عزت والی جگہ سے نکال باہر کیا۔ اور انجام کار ہم نے ان چیزوں کا وارث و مالک بنی اسرائیل کو بنایا۔ اس کے بعد جب مصر سے ہجرت کر کے ارض مقدسہ میں گئے تو وہاں بھی خدا نے ان کو بہت اچھی جگہ بسایا (وہو المروی عن الضحاک) اس طرح وہ پورے مصر اور بیت المقدس اور شام کے مالک قرار پائے۔ پھر علم آجانے یعنی توارۃ کے نازل ہونے کے بعد آپس میں اختلاف کیا بعض نے گوسالہ کی پرستش کی اور بعض نے ارنا اللہ جہرۃ کہا وغیرہ وغیرہ اور بعض مفسرین نے اس علم سے مراد قرآن لیا ہے۔ کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل پیغمبر اسلام کی آمد پر ایمان

رکھتے تھے مگر اس کے نزول اور آنحضرت ﷺ کی آمد کے بعد اختلاف کیا بعض ایمان لائے اور اکثر نے انکار کیا علم کے آنے سے پہلے اگر اختلاف کیا جائے تو وہ قابل معافی ہوسکتا ہے۔ لیکن علم کے آجانے اور حجت کے تمام ہوجانے کے بعد اس میں اختلاف کا نہ کوئی جواز ہوتا ہے اور نہ ہی وہ قابل معافی ہوتا ہے اور نہ ہی ایسا کرنے والے آخرت کی باز پرس سے بچ سکتے ہیں اس لئے یقیناً اللہ قیامت کے دن ان کے اختلاف اور کفران نعمت کرنے کا فیصلہ کرے گا۔

آیات القرآن

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيْمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ إِيْمَانُهَآ إِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ إِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾

ترجمۃ الآیات

اگر (بالفرض) آپ کو اس (قرآن میں) کچھ شک ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو پھر ان لوگوں (اہل کتاب) سے پوچھ لو جو آپ سے پہلے کتابیں (توراۃ و انجیل وغیرہ) پڑھتے رہتے ہیں۔ بے شک آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے پاس حق آیا ہے لہٰذا ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا (۹۴) اور نہ ہی ان لوگوں میں سے ہونا جنہوں نے

آیات الہیہ کو جھٹلایا ورنہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے (۹۵) بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی ہے (۹۶) سو اگر چہ دنیا جہاں کی تمام نشانیاں (معجزات) ان کے سامنے آجائیں مگر وہ جب تک دردناک عذاب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں تب تک وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے (۹۷) قوم یونس کے سوا کیوں کوئی ایسی بستی نہیں ہوئی جو (عذاب دیکھ کر) ایمان لائی ہو اور اس کے ایمان نے اسے فائدہ بھی پہنچایا ہو؟ جب وہ (قوم یونس والے) ایمان لائے تو ہم نے اس دنیاوی زندگی میں ان سے رسوائی والا عذاب ٹال دیا اور ان کو ایک مدت تک زندگی کے سر و سامان سے فائدہ اٹھانے کی مہلت دے دی (۹۷) اگر آپ کا پروردگار (جبراً) چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے۔ تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ مومن ہو جائیں (۹۹)

تشریح الالفاظ

۱۔ الممترین۔ امتراء کے معنی شک و شبہ کرنے کے ہیں۔ ۲۔ ایت کے معنی نشانی اور معجزہ کے ہیں۔ ۳۔ عذاب الخزی کے معنی ہیں ذلت و رسوائی والا عذاب

تفسیر الآیات

۱۔ فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ... الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

اس آیت کی شان نزول جناب شیخ ابوالفتوح رازی نے مفسرین کی ایک جماعت کے حوالہ سے یہ لکھی ہے کہ کچھ کفار نے یہ کہا تھا کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ شیطان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر القا کرتا ہے (العیاذ باللہ) جس کی وجہ سے کچھ لوگ شک میں مبتلا ہو گئے۔ تو ان کے شک کو زائل کرنے کے لئے خدا نے پیغمبر اسلام کو خطاب کر کے دراصل ان لوگوں کو تنبیہہ کی ہے (تفسیر ابوالفتوح) اور ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام کو بوجہ عصمت اپنی وحی و نبوت میں نہ کبھی شک تھا اور نہ ہی ہو سکتا ہے اور نہ ہی آپ کے متعلق اس قسم کا کوئی اندیشہ تھا کہ آپ شک کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ البتہ بعض لوگوں کو شک ضرور تھا جیسا کہ اس سورہ کے آخر میں ہے۔ یا ایہا

الناس ان کنتم فی شك من دینی فلا اعبد الذین تعبدون من دون الله۔ یا یہ خطاب اسی طرح پیغمبر کو ہے اور مراد امت ہے جس طرح یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء میں خطاب نبی کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے تو یہاں بھی بموجب ایاك اعنی و اسمعی یا جارۃ (کہتا تجھ سے ہوں۔ مگر سن تو اے پڑوس) بظاہر خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور دراصل خطاب عام انسان کو ہے کہ تجھے اس وحی کی صداقت میں کچھ شک ہے تو پہلے کتاب خدا (توراۃ اور انجیل وغیرہ) پڑھنے والوں سے پوچھ کہ اس وحی کا اسلوب بیان ان الہامی کتابوں جیسا ہے یا نہ؟ اور آیا ان کتابوں میں حضرت خاتم الانبیاء کے آنے کی بشارت موجود ہے یا نہ؟ اور یا قرآن کی دعوت بھی سابقہ انبیاء کی دعوت کی طرح ہے یا نہ؟ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس شخص کو دین کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ ہو تو اسے اہل علم کی طرف رجوع کر کے اس کا ازالہ کرانا چاہئے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے فاسئلو ا اھل الذ کر ان کنتم لا تعلمون۔ مخفی نہ رہے کہ اس سے اگلی آیت ولا تکونن الآیہ میں بھی بظاہر خطاب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور مراد عام انسان ہیں یہ قرآن کا خاص اسلوب بیان ہے کہ بات پیغمبر کو خطاب کر کے کہتا ہے مگر اس سے تنبیہ دوسروں کو کرنی مقصود ہوتی ہے۔

۷۳۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ ... الآیۃ۔

کچھ لوگ کھینچ تان کر اس آیت کے ڈانڈے جبر سے ملانے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں جس کا بطلان عقل وشرع کے ناقابل رد دلائل سے ثابت ہے اللہ یہ نہیں فرما رہا ہے کہ یہ لوگ ایمان لا نہیں سکتے یعنی ان کی قدرت واختیار کی نفی نہیں کر رہا بلکہ ایک صاف وسادہ انداز میں خبر دے رہا ہے کہ جو لوگ اپنے دل ودماغ پر ضد وتعصب کا قفل چڑھا لیتے ہیں اور اپنی آنکھ وکان کے دریچے بند کر لیتے ہیں اور آخرت سے بالکل منہ پھیر لیتے ہیں ان سے چونکہ ایمان لانے کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اس لئے آپ ان کو تمام آیات ومعجزات دکھائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے اور اگر لائیں گے تو اس وقت جب عذاب الٰہی کا مشاہدہ کریں گے اور ظاہر ہے کہ اس وقت کا ایمان لانا کچھ سودمند نہیں ہے ایسا کیوں ہے؟ محض اس لئے کہ ہم بارہا اس حقیقت کی وضاحت کر چکے ہیں کہ اللہ ان لوگوں کو توفیق ہدایت عطا فرماتا ہے جو ہدایت حاصل کرنے کی مخلصانہ جدوجہد اور کدوکاوش کرتے ہیں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین۔

۷۴۔ فَلَوۡ لَا کَانَتۡ قَرۡیَۃٌ ... الآیۃ۔

جناب یونس۔کا مختصر تعارف

جناب یونسؑ کا سورہ نساء، انعام، یونس اور صافات الغرض قرآن کی مختلف سورتوں اور آیتوں میں ذکر خیر آیا ہے یہ جناب یونس بن متیٰ اللہ کے ان پیغمبروں میں سے ہیں جن کی نبوت کے اہل کتاب بھی قائل ہیں عہد عتیق میں آپ کا جونام آیا ہے اور ایک مستقل صحیفہ یوناہ کے نام سے موجود ہے آپ کا زمانہ تخمینی طور پر آٹھویں صدی قبل مسیح کے وسط کا سمجھا جاتا ہے آپ اسرائیلی بادشاہ یربعام کے معاصر تھے اور اس کا عہد ۷۸۱ ق۔م تک رہا آپ موجودہ شہر موصل کے متصل نینوا کے باشندہ تھے جو اسیریا (شوریہ) کی پرقوت سلطنت کا پایہ تخت تھا اس وقت اس کا رقبہ ۱۱۱۸۰۰ ایکڑ تھا اور آبادی حسب روایت عہد عتیق ایک لاکھ بیس ہزار سے اوپر تھی زمانہ حال کے تخمینے اسے ایک لاکھ ۴۷ ہزار تک پہنچاتے ہیں قرآن مجید نے اسے بہ کمال بلاغت ایک لاکھ سے زائد بیان کیا ہے قبل اجازت خداوندی اور عذاب کے ابتدائی آثار دیکھ کر آپ اپنے مستقر سے روانہ ہو گئے اس پر تنبیہ ہوئی سفر دریائی تھا آپ کشتی میں سے دریا میں ڈال دیئے گئے اور کوئی عظیم الجثہ مچھلی شارک کے قسم کی آپ کو نگل گئی خدا خدا کر کے اس سے نجات ہوئی قرآن مجید میں جا بجا قصہ کی تفصیلات مذکور ہیں۔(از اعلام القرآن ص ۲۰۸ دریابادی)

جناب یونسؑ اور ان کی قوم کا قصہ

جناب یونس۔اللہ کے رسولوں میں سے ایک تھے جو صاحب الحوت، ذوالنون وغیرہ القاب سے یاد کئے جاتے ہیں ان کی قوم موصل کے قریب نینوا میں رہائش پذیر تھی جس کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی ارشاد قدرت ہے وارسلناہ الی ماۃ الف او یزیدون۔(صافات ۱۴۸) یہ قوم بت پرست تھی ہر چند کہ جناب یونس۔نے ان کو کفر و شرک سے توبہ کرنے اور توحید کا اقرار کرنے کی تلقین کی تھی مگر وہ اپنے کفر و شرک پر مصر رہے مفسر قمی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب یونس۔کی قوم میں ملیخا نامی ایک عابد تھا اور روبیل نامی ایک عالم رہتا تھا عابد قوم کا تمرد اور گناہ و عصیان دیکھ کر جناب یونس کو بددعا کرنے کی تحریک کرتا تھا اور عالم اس سے منع کرتا تھا۔

الغرض جناب یونسؑ نے کچھ قوم کے حالات سے مایوس ہو کر اور کچھ عابد کی تحریک سے متاثر ہو کر بددعا کر دی اور خدا نے ان سے فرمایا کہ فلاں تاریخ کو میرا عذاب نازل ہوگا اور جناب یونسؑ نے قوم کو آگاہ کر دیا کہ تین دن بعد عذاب آئے گا پھر آپ عابد کے ہمراہ وہاں سے ہجرت کر گئے اور ترک اولیٰ یہی ہوا کہ خدا سے اجازت نہ لی مگر عالم وہیں رہ گیا جب مقررہ وقت آیا تو عذاب الٰہی کے آثار نمودار ہونے لگے اور وہ سیاہ دھویں

اور بادل کی شکل میں ان کے سروں پر منڈلانے لگا اوران کے قریب ہونے لگا یہ المناک منظر دیکھ کر عالم نے قوم کو مشورہ دیا کہ اب بھی (کفر و شرک اور گناہوں سے) توبہ کرلو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے۔

چنانچہ تمام مرد و زن بچے بوڑھے حتی کہ جانوروں کو ساتھ لے کر میدان میں نکل آئے ماؤں اوران کے بچوں کو الگ الگ کر دیا اور یہی سلوک حیوانوں کے ساتھ کیا اور پھر الحاح وزاری اور آہ و بکا کرنے لگے اور توبہ وانابہ میں مشغول ہو گئے حتی کہ میدان ان کی گریہ وزاری سے گونجنے لگا اللہ کو ان پر ترس آیا اوران کی توبہ قبول فرمائی اور اس طرح آیا ہوا عذاب ٹال دیا اور پھر وہ اپنی طبعی عمریں گزار کر فوت ہوئے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے خداوند عالم فرماتا ہے۔ فلو لا کانت قریة آمنت فنفعها ایمانها الا قوم یونس لما آمنوا کشفنا عنهم عذاب الخزی فی الحیوة الدنیا و متعنا هم الی حین۔ دوسری طرف جناب یونس ؑ قوم کی حالت زار کے پیش نظر غم و غصہ سے بھرے ہوئے ساحل سمندر (بحر روم) پر پہنچے دیکھا وہاں ایک کشتی موجود ہے جس پر لوگ سوار ہو رہے ہیں آپ بھی سوار ہو گئے جب وسط دریا میں پہنچے تو ایک بڑی مچھلی نے آکر راستہ روک دیا چنانچہ کشتی رک گئی نہ آگے بڑھتی ہے اور نہ پیچھے ہٹتی ہے ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ کسی شخص کو چاہتی ہے۔ اب کس کو اس کے منہ میں جھونکا جائے؟ اس کے لئے قرعہ اندازی کی گئی اور کئی بار کی گئی اور ہر بار قرعہ فال جناب یونس ؑ کے نام نکلا چنانچہ جناب یونس ؑ کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا گیا اور بروایتے آپ خود کود پڑے مچھلی ان کو نگل گئی اور چلتی بنی چنانچہ سورہ صافات میں ہے و ان یونس لمن المرسلین اذ ابق الی الفلك المشحون فساهم فکان من المدحضین فالتقمه الحوت وهو ملوم۔ اللہ تعالی نے مچھلی کو الہام کیا کہ ان کا بال بھی بیکا نہ کرنا یہ تیری غذا نہیں ہے بلکہ کچھ وقت تیرا پیٹ ان کا مسکن ہے چنانچہ آپ تین یا سات دن اور بروایتے چالیس دن تک اس مچھلی کے پیٹ میں رہے اور وہ ان کو لے کر سمندر میں گھومتی پھرتی رہی اسی حالت میں جناب یونس ؑ نے تاریکیوں میں رات کی تاریکی، سمندر کی تاریکی، اور شکم ماہی کی تاریکی میں یہ تسبیح پڑھی۔ لا اله الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین۔

ارشاد قدرت ہے ”ۚ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ اِنِّیۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ وَ نَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ وَ كَذٰلِكَ نُـجِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ“۔ (انبیاء ...... ۸۷۔۸۸)

پس خدا نے ان کی دعا قبول فرمائی اور غم سے نجات دی مچھلی بحر قلزم سے ہوتی ہوئی ساحل مصر پر پہنچی اور وہاں سے بحر طبرستان میں داخل ہوئی حتی کہ دریائے دجلہ پہنچ کر جناب یونس۔ اس کے شکم سے صحیح و سالم باہر

آئے شکم ماہی کی گرمی کی وجہ سے جناب کے بال گر گئے تھے اور ایک چوزے کی مانند جسم نرم و نازک ہو گیا تھا خدائے مہربان نے وہاں کدو کا درخت اگایا جس کے پتوں کے سایہ میں آپ آرام فرماتے اور ایک بز (بھیڑ) کا انتظام فرمایا جو صبح آپ کے پاس آجاتی اور آپ اس کا دودھ پیتے اور گزر اوقات کرتے اتفاقاً کدو کا وہ درخت خشک ہو گیا جس پر جناب یونسؑ روَے اس پر اللہ نے آپ کو عتاب آمیز وحی فرمائی کہ کدو کے درخت کے خشک ہونے پر تو رو رہے ہو مگر ایک لاکھ سے زائد آدمیوں پر رونا نہ آیا جبکہ ان کی ہلاکت کی بددعا کی؟

بہر حال جناب یونسؑ وہاں سے نکلے اور دیکھا کہ ایک نوجوان بھیڑ بکریاں چرا رہا ہے آپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا جناب یونسؑ کی قوم کا ایک باشندہ ہوں فرمایا اپنی قوم سے کہنا کہ تیری یونس سے ملاقات ہوئی ہے چنانچہ اس نے ان کو اطلاع دی اور وہ آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے چنانچہ وہ لوگ ان کے زندہ ملنے پر اور یہ ان کے ایمان لانے پر بہت خوش ہوئے (تفسیر قمی، مجمع البیان، الکاشف وغیرہ)

اس سارے واقعہ کے پڑھنے سننے سے واضح ہوتا ہے کہ جناب یونسؑ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی فریضہ رسالت کے ادا کرنے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی کی تھی بلکہ صرف آپ سے یہ ترک اولی ہوا تھا کہ قوم کو مشکل وقت میں گھرا ہوا چھوڑ کر خدا سے پیشگی اجازت حاصل کئے بغیر وہاں سے ہجرت کر گئے تھے جس پر آپ کو یہ تنبیہ کی گئی۔ وبس۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ اس قصہ میں عابد و عالم کے جس کردار کی تصویر کشی کی گئی ہے جناب شیخ سعدی نے اپنے مخصوص انداز میں اس واقعہ کو نظم کا جامہ پہنایا ہے پڑھئے اور سر دھنیے۔

صاحب دلے بمدرسہ آمدز خانقاہ
بشکستہ عہد صحبت اہل طریق را
گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود
تا اختیار کر دی ازن ایں طریق را
گفت او گلیم خویش بدر می برد زموج
ویں جہد می کند کہ بگیر د غریق را

(گلستان)

۷۵۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ... الآية

اس آیت کی تفسیر قبل ازیں متعدد مقامات پر کی جا چکی ہے مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۵ ولوشاء اللہ ما اقتل الذین۔ الآیہ۔ سورہ انعام کی آیت ۳۵ ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدی۔ اور اس سورہ کی آیت ۱۰۷ ولو شاء اللہ ما اشرکوا سب تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے نظام حکمت میں جبر جائز نہیں ہے ورنہ اگر خدا اپنی قدرت قاہرہ اور مشیت جابرہ سے چاہتا تو سب لوگ ایمان لاتے اور کائنات میں کوئی ایک کافر بھی نظر نہ آتا مگر خدا ایسا نہیں چاہتا ہے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی مرضی و منشا سے ایمان لائیں تاکہ جزائے خیر کے مستحق قرار پائیں یا اپنی مرضی سے بے ایمانی اختیار کریں تاکہ سزا و عقوبت کے مستوجب ٹھہریں الغرض اس آیت اور اس جیسی دوسری بیسیوں آیات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دین و ایمان کے معاملہ میں جبر و اکراہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام و قرآن کا قانون ہے کہ لا اکراہ فی الدین۔ کہ دین میں جبر و اکراہ نہیں ہے۔

۷۶۔ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ... الآية

یہاں بھی وہی سابقہ انداز بیان ہے کہ خطاب نبی کو ہے اور در اصل وہ بات دوسروں کو سنانی مطلوب ہے جو آپ سے فرمائی گئی ہے نبی کو اپنے منصب نبوت اور فریضہ رسالت اور اس کے حدود و قیود کا کما حقہ علم ہوتا ہے اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کا کام صرف خالق کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہوتا ہے منوانا ان کا کام نہیں ہے کیونکہ وہ نہ ان کے داروغہ ہیں، نہ وکیل اور نہ ناظر و نگراں و ما انت علیھم بجبار۔ (ق ۴۴) لہٰذا دوسرے لوگوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تمہیں لوگوں پر جبر کر کے مسلمان بنانے کا کوئی حق نہیں ہے اگر خدا ایسا کرنا چاہتا تو پھر اسے انبیاء بھیجنے کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی وہ خود اپنی مشیت قاہرہ سے یہ کام کر سکتا تھا۔

آیات القرآن

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا

عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾

ترجمۃ الآیات

کوئی بھی متنفس ایسا نہیں ہے جو اللہ کے اذن کے بغیر ایمان لے آئے اور اللہ ان لوگوں پر (کفر وشرک) کی نجاست ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے (۱۰۰) (اے رسول) کہہ دیجئے (اے لوگو) غور سے دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا (عجائبات قدرت) موجود ہیں (اور کس بات کی گواہی دے رہے ہیں؟) مگر جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو نہ نشانیاں کوئی فائدہ دیتی ہیں اور نہ ڈرانے والوں کی تنبیہیں (۱۰۱) کیا یہ لوگ ان جیسے (عذاب کے) دنوں کا انتظار کر رہے ہیں جو ان لوگوں آئے جو ان سے پہلے تھے۔ (کہ ایسے ہی ان پر بھی آئیں؟) ان سے کہہ دیجئے کہ پھر تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (۱۰۲) پھر (جب ایسے دن آتے ہیں) تو ہم اپنے رسولوں کو اور ایمان لانے والوں کو نجات دے دیتے ہیں اسی طرح ہمارے ذمہ حق ہے کہ ہم اہل ایمان کو نجات دیا کریں (۱۰۳) کہیے اے لوگو اگر تمہیں میرے دین (اسلام) کے بارے میں کچھ شک ہے تو (سن لو) میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روح قبض کرتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل ایمان کے زمرہ میں سے ہوں (۱۰۴) نیز (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) ہر طرف سے اپنا رخ موڑ کر سیدھا دین کی طرف رکھوں اور مشرکوں میں سے نہ ہوں (۱۰۵)

تشریح الالفاظ

۱۔ تغنی۔ اغنا کے معنی ہیں۔ فائدہ دینا۔ ۲۔ نذر۔ نذیر کی جمع ہے جس کے معنی ڈرانے والے کے

ہیں۔ ۳۔ حنیفاً کے معنی ہیں سیدھے دین پر قائم رہنے والا۔

تفسیر الآیات

۷۷۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ ... الآیة

اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی شخص ایمان نہیں لاسکتا

اس عالم ہست و بود میں ہر چیز علل و اسباب کی کڑیوں میں جکڑی ہوئی ہے اور کوئی معجزہ ہی اسے اس پابندی سے آزاد کرا سکتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص ایمان لاتا ہے تو اس کا بھی کوئی سبب ہوتا ہے اور اگر کوئی کفر اختیار کرے تو اس کا بھی کوئی سبب ہوتا ہے مثلاً ایمان لانے کا سبب یہ ہے کہ آدمی کے اندر ہدایت حاصل کرنے کی تڑپ ہو اور وہ اس کے لئے خدا کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور آیات انفسیہ و آفاقیہ میں غور وفکر کرے جب وہ ایسا کرلے گا تو ضرور توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہوگی اور وہ شخص ہدایت پانے اور ایمان لانے میں ضرور کامیاب ہوگا یہی اذن اللہ ہے جو سابقہ کاروائی کا فطری نتیجہ ہے اور جو ایسا نہیں کرے گا یعنی نہ ہدایت کی خواہش کرے گا اور نہ ہی اس کے حصول کے لئے خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لائے گا اور نہ ہی قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کرے گا یعنی عقل سے کام نہیں لے گا تو پھر کفر و شرک کی نجاست اس پر ڈال دی جائے گی۔ اور وہ ہرگز ایمان نہیں لائے گا۔

۷۸۔ قُلِ انْظُرُوْا ...الآیة

کفار کے مطالبہ معجزات کا جواب

کفار بار بار پیغمبر اسلامؐ سے اپنے مطلوبہ معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ زمین ہو یا آسمان بلکہ پوری کائنات قدرت کی نشانیوں اور معجزات سے بھری پڑی ہے اور آیات انفسیہ و آفاقیہ سے چھلک رہی ہے۔ مگر اس کے لئے چشم بصیرت اور گوش حقیقت نیوش کی ضرورت ہے اگر کوئی مورکھ عقل و خرد پر تعصب و عناد کا قفل چڑھا لے اور چشم و گوش کے دریچے بند کر لے تو اسے آیات بینات اور ڈرانے والے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اور انہیں ابدی ہلاکت و تباہی سے نہیں بچا سکتے۔ سچ ہے۔

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا ؟

۷۹۔ فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا ... الآیة

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنے والے مشرکوں اور کافروں کو اس صحیفہ کائنات میں پھیلی ہوئی ہزاروں انفسی وآفاقی آیات اور نشانیوں میں اگر کوئی آیت ودلیل نظر نہیں آتی۔ اور ان کو ان میں کوئی چراغ ہدایت جگمگاتا ہوا نظر نہیں آتا جسے دیکھ کر وہ ایمان لائیں تو کیا پھر وہ کسی ایسے عذاب کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے گذری ہوئی گمراہ قوموں جیسے قوم لوط، عاد وثمود وغیرہ پر نازل ہو چکا ہے تو پھر اس کا انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ کیونکہ ایسا عذاب لانا اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے میرے اختیار میں نہیں ہے

۸۰۔ ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا ... الآیة

سنت الٰہیہ اس طرح جاری ہے

خدائے علیم وحکیم کا ہمیشہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ وہ لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اپنے رسول مبشر ومنذر بنا کر بھیجتا ہے اور اس طرح ان پر حجت تمام کرتا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ ان کی تصدیق کرتے ہیں اور کچھ تکذیب کرتے ہیں پھر قانون قدرت یہ ہے کہ وہ مکافات عمل کے طور پر تکذیب کرنے والوں کو ہلاک وبرباد کرتا ہے اور اپنے رسولوں اور ان کی تصدیق کرنے والے اہل ایمان کو نجات عطا فرماتا ہے

۸۱۔ کَذٰلِكَ حَقًّا عَلَیْنَا ... الآیة

اہل ایمان کو نجات دینا خدا کے ذمہ ہے

خدائے رحیم وکریم نے عنوان بدل بدل کر قرآن مجید میں یہ حقیقت کئی بار بیان کی ہے کہ کہیں فرماتا ہے و حقاً علینا نصر المومنین۔ اہل ایمان کی نصرت کرنا ہمارے ذمہ ہے کہیں فرماتا ہے ان اللہ یدافع عن الذین امنوآ خدا اہل ایمان کی طرف سے دفاع کرتا ہے اور کہیں فرماتا ہے و حقا علینا ننج المومنین کہ اہل ایمان کو عذاب سے نجات دینا ہمارے ذمہ ہے اس سے بڑھ کر اہل ایمان کے لئے اور کیا بشارت ہوسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ اللہ اپنا وعدہ پورا کرکے رہے گا کیونکہ ان اللہ لا یخلف المیعاد۔ اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا جب اللہ کی نصرت وحمایت بندہ مومن کے ساتھ ہے تو پھر اسے کسی سے ڈرنے یا نہ ملائم حالات سے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔؟

۸۲۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاس ... الآیة

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کردیا اور خدا کا جو پیغام اس کے بندوں کے نام تھا وہ بلا کم وکاست بندوں تک پہنچا دیا۔ پھر جو خوش قسمت تھے انہوں نے اس پیغام کو قبول کرکے اور اس پر عمل کرکے فلاح

کونین کا پروانہ حاصل کرلیا اور جو بدقسمت تھے انہوں نے اس کا انکار کر کے اپنے آپ کو اس سعادت سے محروم کر لیا۔ بعض کفار و مشرکین کے حاشیہ خیال میں یہ چیز پائی جاتی تھی کہ شاید پیغمبر اسلام رواداری کے طور پر یا ان کے دباؤ کے تحت ان کے مطلب کی کوئی تھوڑی بات مان لیں۔ تو اس مسئلے میں پیغمبر ﷺ سے یہ اعلان عام کرایا جا رہا ہے کہ یہ خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دو میرا اعلان ہے کہ میں تمہارے خودساختہ معبودوں کو نہیں مانتا اور نہ ان کی عبادت کرتا ہوں میں تو صرف اس پروردگار کی عبادت کرتا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں تمہاری جان ہے۔ جسے جب چاہے قبض کر سکتا ہے لہٰذا میں ان کی عبادت کیوں کروں جن کو اپنی موت و حیات پر بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تو اس کی عبادت کروں گا جو موت و حیات کا مالک ہے یہ پیغمبر کا آخری فیصلہ کن اعلان برات ہے لہٰذا اس حقیقت کے سمجھ لینے کے بعد تمہارے جی میں جو آئے کرو۔ بہرحال میری اور تمہاری راہ الگ الگ ہے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنین کے زمرہ میں شامل رہوں۔ نیز مجھے حکم دیا گیا ہے کہ شرک اور ہر باطل سے منہ موڑ کر پوری دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ دین حق کی طرف رخ کرلوں اور شرک کرنے والوں سے نہ ہوں۔ اور نظام قرآن کو چھوڑ کر کسی بھی دوسرے انسانی نظام اور طرز بود و ماند کو اختیار نہ کروں کیونکہ جب اسلام ایک مکمل دستور حیات ہے اور اس میں دنیا و آخرت کے تمام مسائل و مشکلات کا حل موجود ہے تو اس کی موجودگی میں کوئی اور سیاسی نظام اختیار کرنا عین شرک ہے۔ اور مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ میں اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو نہ پکاروں۔ جو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر ایسا کیا تو میرا شمار ظالموں میں سے ہوگا۔ اگرچہ پیغمبر اکرم ﷺ سے شرک، ظلم اور غیر اللہ کو پکارنے جیسے جرائم کا ارتکاب ممکن نہیں ہے مگر حکمت و موعظہ حسنہ کے رنگ میں دوسرے لوگوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جو ایسا کرے گا وہ مشرک اور ظالم متصور ہوگا۔

آیات القرآن

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠٦ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝١٠٧ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ

عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝١٠٨ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝١٠٩

ترجمۃ الآیات

نیز۔(مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) اللہ کے سوا کسی ایسی ہستی کو نہ پکاریں جو تمہیں نہ فائدہ پہنچا سکے اور نہ نقصان اور اگر ایسا کیا گیا تو پھر ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔(۱۰۶) اور اگر اللہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو اس کے سوا کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تمہارے ساتھ بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل و کرم فرمائے وہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔(۱۰۷) اے رسولؐ کہہ دیجئے اے لوگو تمہارے پروردگار کی طرف سے حق آچکا ہے پس جو ہدایت حاصل کرے گا وہ اپنے فائدہ کے لئے کرے گا اور جو گمراہ ہوگا اس کا نقصان بھی اسی کو ہوگا میں تم پر نگہبان و نگران نہیں ہوں (۱۰۸) اور (اے رسولؐ) آپ اس وحی کی پیروی کریں جو آپ کی طرف کی جاتی ہے اور (مخالفین کی ایذا رسانیوں پر) صبر کریں یہاں تک کہ اللہ (آپ کے اور ان کے درمیان) فیصلہ کر دے۔ جو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔(۱۰۹)

تشریح الالفاظ

ان یمسسك الله بضر۔ اگر اللہ تمہیں ضرر و زیاں پہنچائے۔۔۲۔ اھتدی۔ کے معنی ہیں ہدایت پانا۔

تفسیر الآیات

۸۳۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ... الآیۃ

خدا کی قدرت کاملہ کا اظہار

کسی احسن انداز سے خداوند عالم کی قدرت کاملہ کا اظہار کیا جا رہا ہے اور مشرکین کے اس زعم باطل کو جو وہ اپنے مزعومہ شرکاء و شفعاء کے متعلق رکھتے تھے کس دل نشین انداز میں نفی کی جا رہی ہے۔ اگر انسان کو کوئی دکھ

پہنچے تو اللہ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ کوئی خیر و خوبی اور خوشی بخشنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل کر دے وہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۸۴۔ قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاس...الآية

اس آیت کی تفسیر سورہ انعام کی آیت ۱۰۴ کی تفسیر کے ضمن میں کر دی گئی ہے جو بالکل اس جیسی ہے۔ قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسه و من عمی فعلیها و ما انا علیکم بحفیظ۔ لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے الغرض قرآن مجید میں جا بجا یہ حقیقت پسندانہ اعلان نظر آتا ہے کہ مذہبی حقائق و معارف پر ایمان لانے کا معاملہ انسانی تبصر و تعقل اور آدمی کی سوجھ بوجھ سے تعلق رکھتا ہے اس میں کسی قسم کے جبر اور زبردستی کو کوئی دخل نہیں ہے اگر کوئی مانے گا تو اپنا ہی بھلا کرے گا اور اگر کوئی نہیں مانے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اسی مقصد کو کبھی ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے "من عمل صالحاً فلنفسه و من اساء فعلیها و ما ربك بظلام للعبید۔" (حم السجدہ۔ ۴۶) اور کبھی ان الفاظ کے ساتھ کل امرء بما کسب رهین (الطور۔ ۲۱) ہر شخص اپنے اعمال میں گرو ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ جو داعی حق ہوتا ہے وہ صرف مبلغ اور مذکر ہوتا ہے۔ وہ وکیل اور ناظر و نگہبان نہیں ہوتا کہ زبردستی منوائے۔ و ما انت علیهم بجبار۔

۸۵۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ...الآية

پیغمبر اسلام کو خدائے مہربان کی نصیحت

ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے حبیب! آپ لوگوں کی بھانت بھانت کی باتوں اور ان کے کرتوتوں سے دل گرفتہ نہ ہوں اور نہ ہی ان کی کوئی پروا کریں بس آپ اس وحی ربانی کی پیروی کریں جو آپ کی طرف کی جاتی ہے اور ان لوگوں کی ایذا رسانیوں اور تہمت تراشیوں پر صبر کریں۔ فیصلہ اس رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ جو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں بہترین فیصلہ فرمائے گا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

سُوۡرَۃُ هُوۡدٍ

وجہ تسمیہ

اگرچہ اس سورہ میں دوسرے انبیاء ومرسلین کا تذکرہ بھی موجود ہے مگر جناب ہود علیہ السلام کے خصوصی تذکرہ کی وجہ سے اس کا نام سورہ ہود مقرر ہوا۔

زمانہ نزول

اس سورہ مبارکہ کا نزول مکہ میں ہجرت نبوی سے پہلے اس وقت ہوا۔ جب کہ جہالت وضلالت اور شرک وبت پرستی کا بازار گرم تھا۔اورنور اسلام باوجود سخت مزاحمتوں کے برابر پھیل رہا تھا۔اوررفتہ رفتہ سرزمین مکہ کو بقعہ نور بنا رہا تھا۔

تعدادِ رکوع وآیات

یہ سورہ ایک سوتیئس آیات اوردس رکوع پر مشتمل ہے۔

اس سورہ مبارکہ کے مضامین عالیہ کی مختصر فہرست

۱۔اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور قیامت وغیرہ بڑے موثر اور بڑے دلنشین انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔

۲۔خدا کی توحید افعالی بالخصوص اس کے خالق ورازق ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔خدا اہلیت دیکھ کر کسی کو کوئی منصب عطا فرماتا ہے۔

۴۔قرآن مجید کے معجزہ ہونے کا تذکرہ اورفصحاء عرب سے اس جیسی دس سورتیں لانے کا مطالبہ۔

۵۔زمین وآسمان کی چھ روز میں خلقت کا تذکرہ۔

٦۔طوفانِ نوح علیہ السلام اوران کے بیٹے کی غرقابی کا تذکرہ۔

۷۔جناب نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کی سفارش کرنا اورخدا کا جواب۔

۸۔اس حقیقت کا بیان کہ ایمان وعمل صالح کے بغیر کسی نبی کا پیغمبر ہونا بھی مفید نہیں ہے۔

۹۔قوم ہود کا مفصل قصہ

۱۰۔توبہ واستغفار کرنے کے فوائد۔

۱۱۔جناب لوط۔کے پاس فرشتہائے عذاب کا آنا اور جناب ابراہیم علیہ السلام کوفرزند کی ولادت کی بشارت دینا۔

۱۲۔جناب سارہ کا تعجب کرنا اور فرشتوں کا جواب دینا۔

۱۳۔جناب نوح علیہ السلام ولوط کا تذکرہ۔

۱۴۔ظالم کی اعانت کرنے کی ممانعت۔

۱۵۔اوقات نماز کا اجمالی تذکرہ۔

۱۶۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبادت الٰہی میں مستعد اور ثابت قدم رہنے کا حکم۔

۱۷۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی تائید ونصرت پر توکل وبھروسہ رکھنے کا حکم۔

۱۸۔اس میں یہ حقیقت بھی بیان کی گئی ہے کہ تمہارے اعمال کا ذرہ ذرہ خدا کے سامنے ہے جس کا وہ تم سے حساب وکتاب لے گا۔

۱۹۔سابقہ قوموں کے برے انجام سے اس امت کو ڈرایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اگر انہی جیسے کردار کا مظاہرہ کیا تو تمہارا انجام بھی ان جیسا ہوگا۔

۲۰۔عذاب کے نزول میں تاخیر اللہ کا فضل ہے اور اگر اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا گیا تو پھر ایسا عذاب نازل ہوگا جو ٹالا نہ جا سکے گا۔وغیرہ وغیرہ۔

سورہ ہود کی تلاوت کا ثواب

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جو شخص ہر جمعہ کے دن سورہ ہود کی تلاوت کرے گا بروز قیامت خدا اسے پیغمبروں کے ساتھ محشور فرمائے گا اور اس کا حساب کتاب آسانی سے لے گا اور اگر اس نے کوئی خطا کی ہوگی تو قیامت کے دن اس کے ذمہ نہ رہے گی۔(تفسیر عیاشی)۔

سورۃ ہود مکیۃ غیر ایۃ واقم الصلوۃ طرفی النہار وھی ماۃ وثلاث وعشرون آیۃ وعشر رکوعا

سورہ ہود مکی ہے بجز آیت واقم الصلوۃ طرفی النہار کرکے اس کی ایک سوتیئس (۱۲۳) آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

آیات القرآن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ الٓرٰ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍ ① اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ ② وَّاَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ يُمَتِّعۡكُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤۡتِ كُلَّ ذِىۡ فَضۡلٍ فَضۡلَهٗ ؕ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ كَبِيۡرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ‌ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ④ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ يَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَهُمۡ لِيَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡهُ ؕ اَلَا حِيۡنَ يَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِيَابَهُمۡ ۙ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ‌ ۚ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ⑤

ترجمۃ الآیات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ الف، لام، را، یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم اور مضبوط بنائی گئی ہیں اور پھر تفصیل کے ساتھ کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں یہ اس کی طرف سے ہے جو بڑا حکمت والا، بڑا باخبر ہے (۱) (اس کا خلاصہ یہ ہے کہ) اللہ کے سوا کسی کی عبادت (بندگی) نہ کرو بلا شبہ میں اس کی طرف سے تمہیں ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں (۲) اور یہ کہ اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو پھر اس کی بارگاہ میں توبہ کرو (اس کی طرف رجوع کرو) وہ تمہیں مقررہ مدت (تک زندگی کے) اچھے فوائد سے بہرہ مند کرے گا۔ اور ہر صاحب فضل (زیادہ عمل کرنے والے) کو اس کے درجہ کے مطابق عطا فرمائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی تو میں تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں (۳) تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے (۴) آگاہ ہو جاؤ یہ (منافق) لوگ اپنے سینوں کو دہرا کر رہے

ہیں تاکہ اس (اللہ یا رسول) سے چھپ جائیں مگر یاد رکھو جب یہ لوگ اپنے (سارے) کپڑے اپنے اوپر اوڑھ لیتے ہیں تو (تب بھی) وہ (اللہ) وہ بھی جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور وہ بھی جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں (کیونکہ) بے شک وہ تو ان رازوں سے بھی خوب واقف ہے جو سینوں کے اندر ہیں (۵)۔

تشریح الالفاظ

یمتعکم۔ اس کا مفہوم ہے کہ وہ تمہیں زندگی کے فوائد سے بہرہ مند کرے گا۔ ۲۔ یثنون صدورھم۔ شنیٔ کے معنی دوہرا کرنے اور موڑنے اور تہہ کرنے کے ہیں۔ ۳۔ یستغشون۔ ثیابھم۔ کے معنی ہیں اپنے آپ کو ڈھانکنا۔

تفسیر الآیات

۱۔ الٓرٰ... الآیۃ۔

قبل ازیں کئی بار حروف مقطعات کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے بالخصوص سورہ یونس کے آغاز میں کہ وہاں بھی یہی حروف (الر) مذکور ہیں اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُهٗ... الآیۃ۔

قرآن ایک محکم اور مفصل کتاب ہے

محکم احکام سے ماخوذ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ایک ایسی محکم و متقن کتاب ہے کہ جس کی ہر بات جچی تلی ہے اور صرف خطابت نہیں بلکہ سراسر حقیقت ہے اور ایسی مضبوط کتاب ہے کہ اس میں کوئی لفظی یا معنوی غلطی نہیں ہے اور اوائل میں اس کی بعض باتیں مختصر مگر جامع جملوں میں بیان کی گئیں تھیں تو بعد ازاں تدریجاً ان کی مناسب تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ اور یہی مکی اور مدنی سورتوں میں بنیادی فرق ہے نیز اس تفصیل سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ وہ حالات کے تقاضوں کے تحت فصل فصل کر کے تدریجاً تھوڑی تھوڑی نازل کی گئی ہے۔

۳۔ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا... الآیۃ۔

یہاں اس سورہ کی ابتداء میں وہی اعلان ہو رہا ہے جو پہلے دن سے تمام داعیان حق کی دعوتوں کا مرکزی

اعلان رہا ہے کہ بندگی صرف اللہ کی کرو۔ اور کسی کی بندگی نہ کرو۔ تمام ادیان وشرائع کی اصل بنیاد یہی پیغام و اعلان ہے۔ باقی انبیاء ورسل تو وہ اللہ کی طرف سے بشیر ونذیر بن کر آتے ہیں تا کہ جو خوش قسمت لوگ اس پیغام حق کو قبول کرلیں ان کو اللہ کے فضل وکرم اور اس کے اجر وثواب کی بشارت دیں اور جو بدقسمت اس پیغام حق کو قبول نہ کریں اور انکار کریں ان کو اس انکار کے نتیجہ یعنی اللہ کے دردناک عذاب وعقاب سے ڈرائیں۔ رسلاً مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس حجة علی الله بعد الرسل۔ تا کہ لوگوں پر حجت تمام ہوجائے اور کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔

۴۔ وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ... الآیۃ۔

یہ بھی بشارت کا ایک پہلو ہے کہ عبادت اللہ کی کرو۔ پیغمبر اکرم پر ایمان لاؤ اور اپنے گناہوں پر معافی مانگو اللہ سے مغفرت طلب کرو۔ اور اپنی سرکشی سے باز آجاؤ۔ یعنی جو گناہ اب تک کر چکے ہو ان کی معافی مانگو اور توبہ کرو یعنی گذشتہ گناہوں پر نادم ہو کر معافی مانگو اور آئندہ کے نہ کرنے کا عزم بالجزم کرو در اصل حقیقی توبہ نام ہی اسی چیز کا ہے کہ آدمی سابقہ گناہوں پر پشیمان ہو کر خدا سے ان کی مغفرت طلب کرے اور آئندہ ان کے نہ کرنے کا عزم کرے اور یہی استغفار اور توبہ میں فرق ہے اور اگر بتقاضائے بشریت پھر گناہ ہوجائے تو پھر توبہ کرلے۔ لا تقنطوا من رحمته الله۔ گویا خدائے رحمٰن بزبان حال پکار رہا ہے۔

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آجا

۵۔ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا ... الآیۃ۔

اس توبہ واستغفار کا فائدہ یہ ہوگا کہ خدا تمہیں ایک مقررہ وقت تک زندگی کے فوائد سے اچھی طرح بہرہ مند کرے گا۔ یہ گویا خدا کی عبادت کرنے پیغمبر اسلام پر ایمان لانے اور استغفار وتوبہ کرنے کی جزاء کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ان کو سابقہ کافروں کی طرح ہلاک نہیں کرے گا بلکہ اپنی مقررہ زندگیوں تک زندہ رکھے گا اور اس کے فوائد وعوائد سے متمتع کرے گا اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ آخرت میں ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

۶۔ وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ ... الآیۃ۔

یہ اس عقلی کلیہ کا اعلان ہے جس کی تائید مزید شریعت نے بھی کی ہے کہ خدا ہر شخص کی اہلیت اور لیاقت کو دیکھ کر اسے کسی عہدہ ومنصب پر فائز کرتا ہے کیونکہ ترجیح مرجوح برراجح بلکہ ترجیح بلا مرجح عقلاً وشرعاً قبیح ہے اس

سے مذہب اہلبیت کے اس نظریہ کی تائید مزید ہوتی ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو کوئی عہدہ دینا خواہ وہ خلافت و امامت کا عہدہ ہو یا کوئی اور قبیح ہے اور جب یہ بات نا قابل رد و دلائل سے ثابت ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر لحاظ اور ہر معیار کے مطابق افضل الناس علی علیہ السلام ہیں۔ تو قطع نظر ان کے دوسرے دلائل خلافت کے صرف یہی بات ان کی خلافت حقہ اور امامت مطلقہ کے اثبات کے لئے کافی ہے۔ لہٰذا فاضل معتزلی کا شرح نہج البلاغہ کے خطبہ میں اللہ کی یوں حمد وثنا کرنا کہ **الحمد لله الذی قدم المفضول علی الفاضل**۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے افضل کو چھوڑ کر مفضول کو مقدم کر دیا۔ یہ خدا کی تعریف نہیں ہے بلکہ تنقیص ہے۔ (العیاذ باللہ)

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم۔

۷۔ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا... الآیۃ۔

یہ انذار کا ایک پہلو ہے کہ جو شخص اسلام کی اس دعوت حق سے اعراض کرے گا اور منہ موڑے گا تو اسے ایک ہولناک دن یعنی قیامت کے دن عذاب وعقاب کے لئے آمادہ رہنا پڑے گا۔ جو خدا اور رسول کی تکذیب اور نافرمانی کرنے والوں کے لئے مقرر ہے

۸۔ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ يَثۡنُوۡنَ... الآیۃ۔

اس آیت میں منکرین قریش کی اسی کیفیت کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انذار اور وعظ ونصیحت کرتے وقت اختیار کرتے تھے کہ غرور سے سینہ موڑ کر وہاں سے چلے جاتے اور بزعم خویش سمجھتے تھے کہ انہوں نے اس انداز سے اپنے آپ کو بچا لیا ہے۔ نیز اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ چونکہ ان کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت تھی وہ جھک جاتے، سینوں کو دباتے اور دوہرا کرکے رانوں سے ملاتے تاکہ آپ کی نگاہوں سے چھپ جائیں اور ان کی اندرونی کیفیت طشت از بام نہ ہو جائے۔ مگر خدا نے جو علیم بذات الصدور ہے ان کی حقیقت حال واضح کر دی۔

سچ ہے

نہاں کئے ماند آں رازے کزو سازند محملہا۔

گیارہویں پارہ کا ترجمہ وتفسیر بفضلہٖ تعالیٰ بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوئی

آیات القرآن

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٦ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٨ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝٩

ترجمۃ الآیات

اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا جانور نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا رزق خدا کے ذمے ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کا مستقل ٹھکانہ کہاں ہے اور اس کے سونپے جانے (کم رہنے) کی جگہ کہاں ہے؟ سب کچھ ایک واضح کتاب میں محفوظ ہے (٦) اور وہی وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور (اس سے پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا (یہ سب کچھ کیوں پیدا کیا؟) تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سب سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے اور (اے رسولؐ) اگر آپ ان سے کہیں کہ تم مرنے کے بعد (دوبارہ) اٹھائے جاؤ گے تو کافر لوگ ضرور کہیں گے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے (٧) اور اگر ہم ان پر عذاب نازل کرنے میں ایک مقررہ مدت تک تاخیر بھی کر دیں تو وہ یہ ضرور کہیں گے کون سی چیز نے اسے روک رکھا ہے؟ یاد رکھو جس دن ان پر وہ (عذاب) آئے گا تو پھر اسے پھیرا نہ جا سکے گا۔ اور انہیں وہ (عذاب) گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے (٨) اور اگر ہم

انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھائیں (کسی نعمت سے نوازیں) اور پھر اسے اس سے چھین لیں تو وہ بڑا مایوس اور بڑا ناشکرا ہو جاتا ہے (۹)

تشریح الالفاظ

۱۔مستقر۔کے معنی ہیں قرارگاہ اور ٹھکانہ۔۲۔مستودع۔کے معنی ہیں حفاظت کی جگہ اور رحم مادر۔۳۔وحاق بہم۔حوق کے معنی ہیں احاطہ کرنا اور گھیرنا

تفسیر الآیات

۹۔وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ... الآیة

روئے زمین پر ہر چلنے پھرنے والی چیز کو دابہ کہا جاتا ہے جس میں جن وانس، پرندوچرند اور خشکی وتری کے تمام جانور بھی اس میں داخل ہیں مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کی روزی خدائے تعالیٰ کے ذمہ ہے لٰہذا جب تک کسی شئ کی عمر پوری نہ ہو جائے خدا ضرور کسی نہ کسی طرح اس کی روزی کا بندوبست کرتا ہے ہاں اگر اس کی عمر پوری ہو چکی ہے اور اجل مقرر آ چکی ہے تو پھر وہ شئ بھوک کی شدت سے مر سکتی ہے اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ یہ ذمہ داری کسی اور طاقت نے اس کے ذمہ نہیں لگائی بلکہ خدا نے خود از راہ لطف وکرم یہ ذمہ داری اپنے ذمہ لی ہے واضح ہے کہ رزق سے مراد وہ چیز ہے جس سے کسی جاندار کی روح کی بقا اور اس کے جسم کی نشوونما وابستہ ہوتی ہے نیز واضح ہے کہ خدا نے رزق حلال کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی ہے اور رزق حرام بندہ کا اپنا کسب واکتساب ہے اس کی ذمہ داری خدا پر عائد نہیں ہوتی پھر خدا کا علم اس قدر وسیع اور محیط ہے کہ وہ ہر جاندار کے مستقر ومستودع کو جانتا ہے ان دو لفظوں سے کیا مراد ہے؟ اس کی تحقیق تفسیر کی تیسری جلد میں سورہ انعام کی آیت ۹۸ کی تفسیر میں گذر چکی ہے بہر حال اس میں مختلف قول ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ مستودع سے مراد آباء و اجداد کی صلبیں اور مستقر سے ماؤں کے رحم مراد ہیں مگر چونکہ مستقر سے مستقل قیام کی جگہ اور مستودع سے عارضی قیام کا محل متبادر الی الذھن ہوتا ہے لٰہذا اقرب یہ ہے کہ مستودع سے دنیا کی چندروزہ حیات مستعار مراد ہے اور مستقر سے مرنے کے بعد کی قیام گاہ جنت یا دوزخ جہاں آدمی نے ہمیشہ رہنا ہے واللہ العالم۔اور ہر چیز واضح کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج ہے۔لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (انعام ۵۹)

۱۰۔وھو الذی خلق... الآیة

اس آیت کی تفسیر سورہ اعراف کی آیت ۵۴ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اس آیت اور اس آیت میں فرق صرف اس قدر ہے وہاں ثم ستویٰ علی العرش ہے۔اور یہاں و کان عرشه علی الماء ہے اور اسی مقام پر عرش کے شرعی مفہوم کی بھی وضاحت کی جا چکی ہے۔ یہاں والے تتمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پانی زمین و آسمان کی خلقت سے پہلے موجود تھا یعنی ایک ایسا دور گذر چکا ہے کہ جب زمین کی جگہ پانی ہی پانی تھا اور وہ محض خدا کی قدرت کاملہ سے کسی قرارگاہ کے بغیر قائم تھا''نہج البلاغہ میں جہاں امام المتقین نے زمین وآسمان کی خلقت کا تذکرہ فرمایا ہے'اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے پانی پہلے موجود تھا پھر اسی کی جھاگ سے آسمان بنایا گیا اور اس کی نچلی تہہ سے زمین کی خلقت عمل میں آئی لیبلو کم ایکم احسن عملاً۔ یہ زمین یہ آسمان اور یہ ساری کائنات کیوں پیدا کی گئی؟ کہ تمہارا امتحان لیا جائے کہ تم کس طرح ان چیزوں سے صحیح فائدہ اٹھاتے ہو اور پھر کس طرح اپنے محسن ومنعم کا شکر ادا کرتے ہو؟

۱۱۔ وَلَئِنْ قُلْتَ...الآیة

یہ بات کئی بار واضح کی جا چکی ہے کہ کافروں ومشرکوں کو سب سے زیادہ تعجب اور انکار حیات بعد الموت کا تھا کہ مرمٹ جانے کے بعد لوگ پھر کس طرح زندہ ہوں گے۔ أذا متنا و کنا ء انا لفی خلق جدید جب ہم مرجائیں گے اور اپنے حال پر چھوڑ دیے جائیں گے تو پھر ہمیں از سرنو پیدا کیا جائے گا۔ ذلك رجع بعید یہ رجعت تو بعید از قیاس ہے

انہوں نے مختلف پیراؤں ومتنوع حیلوں بہانوں سے اس کا انکار کیا ہے اور یہاں اسے سحر و ساحری سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح اس میں فریب نظر ہوتا ہے دھوکہ دہی ہوتی ہے اور حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ وہ کہتے تھے کہ جب آخرت کی زندگی بھی (العیاذ باللہ) ایک سحر اور دھوکہ دہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے یہ محض اس لئے ہے کہ کسی بہانے لوگوں کو پیغمبر کی اطاعت پر آمادہ کیا جائے اور ان کی ریاست کے قیام میں اس سے مدد لی جائے۔جس کا خدا نے بار بار یہ جواب دیا ہے یہ ایک حقیقت واقعہ ہے کوئی سحر و ساحری نہیں ہے۔ ولتعلمن نباہ بعد حین

۱۲۔ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا...الآیة

ارشاد قدرت کہ اگر ہم کچھ وقت کے لئے عذاب کو ٹال دیتے ہیں تو یہ بغلیں بجانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر عذاب برحق ہے تو وہ پھر نازل کیوں نہیں ہوتا اسے کیا چیز روکے ہوئے ہے؟ ارشاد ہوتا ہے کہ آگاہ ہوجاؤ کہ جب اس کے نازل ہونے کا وقت آجائے گا تو پھر وہ کسی کے ٹالنے سے ٹل نہیں سکے گا۔اور جس کا وہ

مذاق اڑایا کرتے تھے وہ انہیں آ کر گھیر لے گا اور یہ ان کی استخفاف اور بے خوفی کی سزا ہوگی اور ظاہر ہے کہ سب سے بڑا گناہ وہ ہوتا ہے جسے سبک سمجھا جائے۔

۱۳۔ وَلَئِنْ اَذَقْنَا ... الآیۃ

انسان کی ایک طبعی کمزوری کی نشان دہی

عام انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ جب اسے بدنی صحت، مالی وسعت، اہل وعیال کی کثرت وغیرہ گونا گون نعمتوں سے نوازا جائے اور وہ ان کا شکر ادا نہ کرے اور اس کے نتیجے میں اسے ان نعمتوں سے محروم کر دیا جائے یا کوئی اور مصیبت اسے پیش آئے تو وہ فوراً رحمت الٰہی سے مایوس ہو جاتا ہے اور جزع فزع کرنے لگ جاتا ہے۔ اور جب کبھی رنج کے بعد راحت اور تنگی کے بعد آسائش مل جائے تو یک قلم غافل ہو جاتا ہے اور ڈھینگیں مارنے لگتا ہے کہ اب کیا غم ہے برائیاں دور ہو گئیں ہیں خلاصہ یہ کہ انسان عجلت پسند اور اپنی موجودہ حالت کو سب کچھ جاننے والا واقع ہوا ہے حالانکہ حالات ادلتے بدلتے رہتے ہیں اور کوئی حالت بھی ہمیشہ یکساں نہیں رہتی

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

اسی بناء پر شاعر نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔

ز رنج و راحت گیتی مشورنجاں مشو خنداں
کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

مخفی نہ رہے کہ یہاں جو نعمت و راحت کے عطا کرنے اور اس کے چھیننے اور مصیبت نازل کرنے کی نسبت خدا کی طرف دی گئی ہے حالانکہ یہ سب کچھ عادی علل واسباب کے تحت رونما ہوتا ہے اور ان کا فطری نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مسبب الاسباب یعنی سبب کو سبب بنانے والا خدا ہے نیز یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ یہاں الانسان سے کافر انسان مراد ہے یا وہ انسان مراد ہے جو نظری وفکری طور پر تو اللہ پر ایمان رکھتا ہے مگر مقام عمل میں قدم نہیں رکھتا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جو انسان نظری اور عملی طور پر خدا پر ایمان رکھتا ہے وہ ہر حال میں راضی برضاء خدا اور متوکل علی اللہ نظر آتا ہے یعنی اگر راحت وآرام کی حالت میں ہو تو شکر خدا کرتا ہے اور تواضع کرتا ہے اور رنج وتکلیف کا سامنا ہو تو صبر وضبط کو ڈھال بناتا ہے اور ہر حالت میں بیم ورجاء کے درمیان رہتا ہے۔

آیات القرآن

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱۱ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۱۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۳ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۴ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝۱۵

ترجمۃ الآیات

اور اگر ہم کسی سختی و تکلیف کے پہنچنے کے بعد کسی نعمت و راحت کا مزا چکھا ئیں تو (غافل ہو کر) کہہ اٹھتا ہے۔ کہ میری تمام برائیاں چلی گئیں (دکھ درد دور ہو گئے)۔ بالیقین وہ (انسان) بڑا خوش ہونے والا بڑا اترانے والا ہے (۱۰) مگر ہاں جو لوگ صبر کرتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں (وہ ایسے نہیں ہیں بلکہ) یہی وہ ہیں جن کے لئے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے (۱۱) (اے پیغمبرؐ) آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے تو کیا آپ (کفار کی باتوں سے متاثر ہو کر) اس کا کچھ حصہ چھوڑ دیں گے اور کیا آپ کا سینہ تنگ ہو جائے گا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتارا گیا؟ یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔؟ (آپ ہرگز ایسا

نہیں کر سکتے اور نہ ہی کرنا چاہیے) کیونکہ آپ تو بس (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہی ہر چیز پر نگہبان ہے (۱۲) یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص (آپ) نے یہ (قران) خود گھڑ لیا ہے؟ آپ فرمایئے اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور بے شک اللہ کے سوا جس کسی کو (اپنی مدد کے لئے) بلانا چاہتے ہو بلالو (۱۳) (اے مسلمانو) اب اگر وہ (کفار) تمہاری دعوت پر لبیک نہ کہیں تو پھر سمجھ لو کہ جو کچھ (قران) نازل کیا گیا ہے وہ اللہ کے علم وقدرت سے اتارا گیا ہے اور یہ بھی (سمجھ لو) کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے (اے کفار بتاؤ) کیا اب اسلام لاؤ گے۔ اور یہ حقیقت تسلیم کرو گے؟ (۱۴) اور جو صرف دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت چاہتے ہیں تو ہم انہیں ان کی سعی وعمل کی پوری پوری جزا دے دیتے ہیں اور ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی (۱۵)

تشریح الالفاظ

۱۔ضراء۔ کے معنی ہیں سختی، تنگی اور قحط۔ ۲۔فخور۔فخر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں بڑا فخر کرنے اور اترانے والا۔ ۳۔یبخسون۔ یہ بخس سے مشتق ہے جس کے معنی گھٹانے اور ناقص کرنے کے ہیں

تفسیر الآیات

۱۴۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا ...الآیۃ۔

یہ سابقہ عام حالت سے استثناء ہے۔یعنی عام انسان یا کافر انسان کی فطری کمزوری کا تذکرہ کرنے کہ بعد کے وہ رنج وتکلیف اور ناکامی میں حوصلہ ہار جاتا ہے اور رحمت خدا سے مایوس ہو جاتا ہے اور جب راحت وآسائش کا دور آئے تو غفلت کا شکار ہو جاتا ہے اور کبر ونخوت سے اترانے لگتا ہے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ اس سے وہ لوگ مستثنٰی ہیں جن میں دو صفتیں پائی جائیں ایک صبر اور دوسری نیک عمل کہ وہ صبر کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں یہ نہ مصیبت اور تکلیف کے وقت مایوس ہوتے ہیں اور نہ ہی راحت وآرام کے وقت غافل وناشکرے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے اندر صبر و ثبات کی روح پیدا ہوگئی ہے اور انہوں نے نیک عملی کا راستہ اختیار کر رکھا ہے ایسے خوش بخت لوگوں کی جزا یہ ہے کہ ان کے لئے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر بھی یہ استثناء بھی اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ سابق میں الانسان سے مراد کافر انسان ہے یا وہ ناقص الایمان انسان جو فطری طور پر خدا پر ایمان کا اظہار کرتا ہے مگر عملی طور پر ایمان نہیں رکھتا۔ بقول شاعر

خرد نے کہہ بھی دیا تو لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

۱۵۔ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ...الآیۃ

قران پڑھے جانے کے وقت کفار کی حالت

قران وسنت کے نا قابل رد دلائل سے ثابت ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار ومشرکین کے سامنے اس غرض سے قرآن پڑھتے تھے کہ وہ اس پر ایمان لائیں تو وہ لوگ کبھی اس کا مذاق اڑاتے۔ ۲۔ کبھی مختلف فرمائشیں کرتے یعنی کبھی یہ کہتے کہ چونکہ اس میں ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا گیا ہے اور اس کے بعض احکام ہماری منشاء کے خلاف ہیں لہٰذا کوئی دوسرا قرآن لائیں یا اس میں ردوبدل کریں اور مناسب ترمیم کریں یا پھر آپ پر آسمان سے کوئی خزانہ نازل ہو۔ یا آسمان سے کوئی فرشتہ اتر کر آپ کی تصدیق کرے تب ہم ایمان لائیں گے تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کی اس روش ورفتار سے اور ان کی اس ہرزہ سرائی سے تکلیف ہوتی تھی اور قلبی دکھ ہوتا تھا اس لئے خدائے رؤف رحیم ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمارہا ہے کہ آپ ان لوگوں کی ان باتوں کی کوئی پروانہ کریں اور اپنے مشن کی انجام دہی میں برابر مشغول رہیں۔ وہ اپنی خونہ چھوڑیں گے تم اپنی وضع کیوں بدلیں؟ کیا آپ ان کی خواہش پر اس وحی کا کچھ حصہ (جوان لوگوں کو پسند نہیں ہے) چھوڑ دیں گے؟ اور جب ایسا نہیں کرنا تو پھر یہ حزن وملال کیسا؟ اور یہ سینہ کی تنگی برائے چہ؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ لعل استفہام کے معنوں میں ہے اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اس قسم کا کوئی امکان ہے کہ وہ ایسا کریں گے حاشا وکلا۔ عصمت کبری کا تاجدار ہونے کی وجہ سے ان کے بارے میں ایسا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تیرا کام ڈرانا ہے بس اگرچہ آپ بشیر ونذیر ہیں مگر کفار کے لئے صرف نذیر ہیں اللہ ہر چیز کا نگران ونگہبان ہے لہٰذا ان لوگوں کے سب اقوال واحوال اس کے پاس محفوظ ہیں وکل نفس بما کسبت رہینۃ ہر نفس اپنے عمل میں گروی ہے۔ انما انت نذیر سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ورسول خزانے تقسیم کرنے کے لئے نہیں آتے اور نہ ہی صرف عجائب وغرائب دکھانے کے لئے آتے ہیں بلکہ وہ اس لئے آتے ہیں کہ لوگوں کو راہ راست دکھائیں اور ان کو ان کے برے اعمال کے نتائج وعواقب سے آگاہ فرمائیں۔

۱۶۔ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ... الآیۃ

کفار کے ایراد کا جواب

کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن پیغمبر اسلام نے خود گھڑ لیا ہے خدائے حکیم ان کے جواب میں فرمارہا ہے کہ تم

اقلیم فصاحت و بلاغت کے بلا شرکت غیرے بادشاہ کہلانے پر مصر ہو تو تم خود بھی طبع آزمائی کرو۔ اور اللہ کے سوا باقی جسے چاہو اپنی مدد کے لئے بلا لو اور اس قرآن جیسی دس سورتیں گھڑی ہوئی پیش کر لو۔ اور بعد ازاں اس چیلنج میں لچک پیدا کر کے ایک سورہ کی پیش کش کی گئی اور اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو پھر جان لو کہ یہ قرآن اللہ کا کلام معجز نظام ہے اور علم الٰہی کے مطابق نازل کیا گیا ہے اس موضوع کی پوری تفصیلات پر تفسیر کی پہلی جلد کے دوسرے مقدمہ میں مفصل گفتگو کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے بہر نوع اس دلیل جمیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ بندہ کی تصنیف ہے تو پھر کسی بندہ یا منکروں کو ملکر اس کی نظیر پیش کرنی چاہیے لیکن اگر تمام مخالفین بھی مل کر اس جیسی کتاب نہیں لا سکتے تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ کسی بندہ کی تصنیف نہیں بلکہ کلام اللہ ہے اور اسی کے علم وقدرت سے نازل ہوئی ہے۔ وھو المقصود۔

۱۷۔ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ ... الآیة

قانون قدرت یہ ہے کہ جو شخص جس کام کے لئے صحیح طریقہ پر جدوجہد کرے وہ کامیاب ہوتا ہے

یہ بات عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے کہ ارشاد خداوندی ہے منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرۃ۔ بندے دو قسم کے ہوتے ہیں ا۔ کچھ دنیا کے طلبگار ہوتے ہیں۔ ۲۔ اور کچھ آخرت کے طلبگار۔ اور یہ بات بھی کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ دنیا ہو یا آخرت جو شخص کسی کام کے حاصل کرنے کے لئے صحیح طریقہ پر جدوجہد کرتا ہے وہ ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے کیونکہ قانون قدرت اور آئین فطرت یہ ہے کہ لیس للانسان الا ما سعی۔ ہر شخص کو وہ کچھ ملتا ہے جس کی وہ کدو کاوش کرتا ہے۔ لہٰذا جو تاجر صحیح طریقہ پر کاروبار کرے گا وہ نفع حاصل کرے گا جو زمیندار اچھی طرح ہل چلائے گا اور اچھی طرح تخم ریزی کرے گا تو اس کی فصل اچھی پیدا ہوگی اور جو طالب علم محنت کرے گا وہ امتحان میں کامران ہوگا اسی حقیقت کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اور چونکہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انما الاعمال بالنیات کہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ نیت بخیر ہے تو دعا مستجاب ہے۔ لہٰذا جو لوگ اچھا کام کرتے ہیں مثلاً صدقہ دیتے ہیں خیرات کرتے ہیں اور رفاہ عامہ کے کام کرتے ہیں جیسے فری ہسپتال کھولتے ہیں یتیم خانے بناتے ہیں اور کنویں کھدواتے ہیں اور نلکے لگواتے ہیں مگر چونکہ وہ قیامت اور اس کی جزا و سزا کے قائل نہیں جیسے کفار و مشرکین اور منافقین یا اس کے قائل تو ہیں مگر وہ یہ کام اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے انجام نہیں دیتے بلکہ دنیا میں نام و نمود

حاصل کرنے کی خاطر یا دنیوی فوائد کے حصول کی خاطر یہ کام کرتے ہیں جیسے ریا کار لوگ تو چونکہ یہ لوگ خدا اور رسول اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے ان کا عمل وہ جسم ہے جس میں روح نہ ہو یا وہ پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو اس لئے آخرت میں تو ان کو کچھ اجر وثواب نہیں ملے گا بلکہ ان کے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے اور انہیں جہنم کے عذاب کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ البتہ دنیا میں ان کا جو مقصد تھا وہ عموماً حاصل ہو جاتا ہے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں اور ان کو حاتم دوران اور وقت کا نوشیروان کہتے ہیں ان کو بقاء دوام کی سند دیتے ہیں اور ان کو اولاد جائیداد اور نیک نامی اور تندرستی جیسی نعمتیں ملتی ہیں ان کے اس دنیوی معاوضہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی گویا یہ آیت اس آیت کی طرح ہے جس میں خدا فرماتا ہے۔ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤته منها وما له فی الاخرة من نصیب۔ جو دنیا کی کھیتی چاہتے ہیں ہم ان کو اس سے عطا کر دیتے ہیں مگر آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

آیات القرآن

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٧﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٨﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٩﴾

ترجمۃ الآیات

یہ وہ (بدنصیب) لوگ ہیں جن کے لئے آخرت (کی زندگی) میں دوزخ کی آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اورانہوں نے اس (دنیا) میں جو کچھ کیا تھا وہ سب اکارت ہو جائے گا اور وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ سب باطل ہو جائے گا (١٦) کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے (اپنی صداقت کی) کھلی ہوئی دلیل رکھتا ہے اور جس کے پیچھے ایک گواہ بھی ہے جو اس کا جزء ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (توراۃ) بھی رحمت و راہنمائی کے طور پر آ چکی ہے (اور اس کی تصدیق بھی کر رہی ہے) یہ لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور جو مختلف گروہوں میں سے اس کا انکار کرے گا اس کی وعدہ گاہ آتش دوزخ ہے خبردار تم اس کے بارے میں شک میں نہ پڑنا وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے مگر اکثر لوگ (حق پر) ایمان نہیں لاتے (١٧) اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے ایسے لوگ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کئے جائیں گے اور گواہ گواہی دیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹا بہتان باندھا ہے خبردار ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے (١٨) جو اللہ کی راہ سے (اس کے بندوں کو) روکتے ہیں اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ (١٩)

تشریح الالفاظ

١۔ بینہ کے معنی ہیں دلیل و برہان۔ ٢۔ یتلوہ۔ یہ تلو سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پیچھے چلنا اور پیچھے آنا۔ ٣۔ عوج کے معنی ہیں ٹیڑھا پن اور پیچیدگی۔

تفسیر الآیات

١٨۔ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى...الآیہ

”من کان علی بینة“ سے حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ”یتلوہ

''شاهد منه'' سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں

دنیا کے طلب گاروں اوران کے انجام بد کا تذکرہ کرنے کے بعد خدائے علیم وحکیم حضرت نبی کریم اور ان کے بعض مخلص شاہدین کا ذکر خیر فرمارہا ہے کہ آیا پہلی قسم کے لوگ اس بزرگوار کی برابری کر سکتے جو اللہ کی جانب سے دلیل و برہان یعنی قرآن پر قائم ہو اور اس کے پیچھے اس میں سے ایک سچا گواہ بھی ہو؟ اب رہی اس بات کی تحقیق کہ اس من کان علی بینۃ سے مراد کون ہے؟

مفسرین اسلام کا اجماع و اتفاق ہے کہ اس سے مراد حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ کہ یہاں بینہ و برہان سے مراد قرآن مجید ہے۔ ہاں البتہ جو کچھ اختلاف ہے وہ یتلوہ شاهد منه میں ہے کہ اس شاهد منه سے مراد کون ہے؟ طبری، رازی، اندلسی وغیرہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی رسالت کی گواہی دینے والے (شاہد) میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کون ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جبرائیل ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد خود پیغمبر اکرم کی زبان حق ترجمان ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت علی ابن ابی طالبؑ ہیں (تفسیر طبری، کبیر، بحرمحیط وغیرہ) یہی تیسرا قول ہی صحیح ہے اور یہی پیغمبر اکرم کے ارشادات اور ائمہ معصومین کے روایات سے ثابت ہے کہ وہ گواہ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے آیا اور آپ کا جزء بھی ہے حضرت علیؑ کے سوا اور کون ہوسکتا ہے خود آنحضرتؐ حضرت علیؑ سے فرماتے ہیں۔ انت منی و انا منك۔ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ (بخاری جزء ۵ طبع مصر) اور سورہ برات کی تبلیغ کے واقعہ میں بھی مذکور ہے لا یبلغها الا انت اور رجل منك۔۔ کہ اس کی تبلیغ آپ کے سوا یا اس شخص کے سوا جو آپ کا جزء ہے واور کوئی نہیں کرسکتا اور تمام مفسرین اور مورخین کا اتفاق ہے کہ اس فریضہ کی انجام دہی حضرت علیؑ کے سپرد کی گئی تھی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا من کان علی بینہ سے مراد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یتلوہ شاہد منہ سے مراد حضرت علیؑ ہیں (اصول کافی)۔

۲۔ حضرت امیر علیہ السلام، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا شاہد منہ سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں جو حضرت رسول خدا کا جزء ہیں اور ان کے حق میں گواہی دیتے ہیں (مجمع البیان وصافی وغیرہ)

۳۔ خود حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا انا الشاهد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رسول کا گواہ ہوں جو انہی کا جزء ہے۔ (احتجاج طبرسی)

اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا گواہ اوران کا قائم مقام وہی ہوسکتا ہے جو عصمت

وطہارت میں آپ کی مانند ہو اس لئے کہ لا ینال عہدی الظالمین عہدہ امامت ظالموں تک نہیں پہنچ سکتا اور ظاہر ہے کہ ہر گنہگار ظالم ہے **ومن یتعد و حدود اللہ فقد ظلم نفسہ**۔ لہٰذا معصوم نبی کا قائم مقام بھی معصوم ہی ہوسکتا ہے اسی بنا پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں **ابطلت ھذہ الآیۃ امامۃ کل ظالم الی یوم القیامۃ**۔ اس آیت نے قیامت تک ہر ظالم کی امامت کو باطل قرار دے دیا۔ (اصول کافی)

اور اس شاہد سے پہلے جناب موسیٰ کی کتاب توراۃ بھی آ چکی ہے دینی امور میں مقتدا اور سراپا رحمت ہے اور پیغمبر اسلام کی نبوت حق کی گواہی دیتی ہے کیونکہ اس میں آپ کی تشریف آوری کا تذکرہ موجود ہے۔

۱۹۔ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ... الآیۃ

اولئك کا مشار الیہ اگر چہ لفظی طور پر یہاں مذکور نہیں ہے مگر وہ اپنے اوصاف وخصوصیات کے ساتھ مذکور ہیں کہ جو منصف مزاج لوگ دلائل و براہین اور توراۃ وانجیل کی پیروی کرتے ہیں وہ ضرور پیغمبر اسلام اور ان کے قرآن پر ایمان لائیں گے۔

۲۰۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ... الآیۃ

وہ تمام گروہ جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت اور ان کی نبوت کے انکار پر متفق ہیں ان کی وعدہ گاہ جہنم ہے صاحب تفسیر المنار اور شیخ مراغی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں ''**قال مقاتل ھم بنو امیۃ و بنو المغیرۃ بن عبد اللہ المخز و می و ال طلحۃ ابن عبد اللہ ومن الیھم من الیھودو النصاریٰ**۔ کہ مقاتل کہتے ہیں کہ ان گروہوں سے بنی امیہ، بنو مغیرہ بن عبد اللہ مخزومی اور طلحہ بن عبد اللہ کا خاندان اور یہود ونصاریٰ مراد ہیں۔

۲۱۔ فَلَا تَكُ... الآیۃ

اگر چہ بظاہر اس خطاب کے مخاطب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں مگر اس سے مراد ہر قاری اور ہر سننے والا ہے جیسا کہ اس کی تحقیق سورہ یونس کی آیت ۹۴ **فان کنت فی شك** کی تفسیر میں گزر چکی ہے قرآن اس قابل نہیں ہے کہ اس میں شک کیا جائے لا ریب فیہ مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

۲۲۔ وَمَنْ اَظْلَمُ... الآیۃ

جب عام جھوٹ گناہان کبیرہ سے ہے تو اگر یہ کذب وافتراء خدا پر کیا جائے تو بلا شبہ اس گناہ کی سنگینی میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا چنانچہ ارشاد قدرت ہے **انما یفتری الکذب الذین لا یومنون**۔ خدا پر افترا پردازی صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو بے ایمان ہوتے ہیں۔

خدا پر کس طرح افترا پردازی کی جا سکتی ہے؟

خدا کی طرف من گھڑت باتیں منسوب کرنے کا نام افتراء علی اللہ ہے جو کئی طرح متصور ہوسکتا ہے جیسے خود ساختہ بتوں کو خدا کا شریک اور شفیع قرار دینا، خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کرنا۔ کتاب وسنت کی صریح سند کے بغیر اپنی ذاتی پسند و ناپسند سے چیزوں کو حلال اور حرام بنانا اور کلام اللہ کا انکار کرنا اور جو کلام اللہ نہ ہوا سے کلام اللہ قرار دینا وغیرہ وغیرہ۔

ایسے لوگوں کو مقام حساب میں کھڑا کیا جائے گا اور خدا کے گواہ یعنی فرشتے اور انبیاء اور خود ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ ان بدبختوں نے اپنے پروردگار پر افترا پردازی کی تھی اس وقت اعلان ہوگا خبردار ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔

۲۳۔ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ... الآية

یہاں اس بات کی وضاحت کی جارہی ہے کہ جن لوگوں پر قیامت کے دن لعنت کا اعلان ہوگا یہ وہی لوگ ہوں گے جو دنیا میں تین برے کام کرتے رہے ہوں گے۔ ۱۔ جو خدا کے راستے سے اس کے بندوں کو روکتے رہے ہوں گے۔ ۲۔ اس کے راستہ کو اپنی خواہشات اور اپنے جاہلانہ تخیلات کے سانچہ میں ڈھال کر ٹیڑھا کرنے میں کوشاں رہے اور اس کے سیدھے راستے کو جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ اسے قبول نہیں کیا۔ ۳۔ اور وہ روز قیامت اور اس کی جزاء و سزا کا انکار کرتے رہے مخفی نہ رہے کہ اس قسم کی آیت کی تفسیر قبل ازیں سورہ یونس کی آیت ۱۷، ۱۸ کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

أُولَٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى

رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمۃ الآیات

یہ لوگ اللہ تعالی کو عاجز کرنے والے نہیں تھے اور نہ خدا کے علاوہ ان کا کوئی مددگار اور کارساز تھا۔ان کو دوگنا عذاب ہوگا۔(کیونکہ) یہ نہ (حق بات) سن سکتے ہیں اور نہ (حقیقت) دیکھ سکتے تھے۔(۲۰) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کیا اور وہ (خلاف حق) جو افترا پردازیاں کرتے تھے وہ سب ان سے گم ہو گئیں۔(۲۱) بلا شبہ یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والے ہوں گے (۲۲) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور عجز و نیاز کے ساتھ اپنے پروردگار کے حضور جھک گئے یہی لوگ جنتی ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (۲۳) ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا، بہرا ہو اور دوسرا آنکھ و کان والا۔(بتاؤ) یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے (اور نصیحت حاصل نہیں کرتے)؟ (۲۴)

تشریح الالفاظ

لا جرمَ۔ جُرم کے معنی گناہ اور قصور کے ہیں اور لا جرم کے معنی ہیں ضروری، یقینی اور ناگزیر۔ ۲۔ اخبتوا۔ یہ اخبات سے مشتق ہے جس کے معنی عاجزی اور فروتنی کے ہیں۔ ۳۔ تذکرون کے معنی یاد کرنے، غور و فکر کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۴۔ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ...الآية۔

جن بدنصیب لوگوں کا سابقہ آیت میں تذکرہ کیا گیا ہے ان کے کچھ علامات بیان کئے جا رہے ہیں۔

۱۔اللہ نے دنیا میں ان کو جو مہلت دی ہے اور جلدی ان پر عذاب نازل نہیں کیا۔تو یہ اس لئے نہیں ہے کہ وہ خدا کو عاجز کرنے والے یا اس کی قدرت سے باہر تھے بلکہ خدائے حکیم نے ان کو مہلت دی ہے کہ اگر اپنی اصلاح کرنا چاہیں تو کرلیں۔ ۲۔ان کا یہ گمان محض غلط تھا کہ خدا کے علاوہ ان کے کچھ سرپرست اور یار و مددگار ہیں۔اب تو کھل کر حقیقت سامنے آگئی ہے کہ ان کا کوئی سرپرست اور مددگار نہیں ہے۔ ۳۔ان کو حق و حقیقت سے اس قدر نفرت تھی کہ وہ کلمہ حق سننے اور خدا کی قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے تیار اور آمادہ کارہی نہ تھے۔یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور ان سے وہ سب افترا پردازیاں کھوئی گئیں اور بادر ہوا ہو گئیں جو وہ کیا کرتے تھے کہ ان کے خود ساختہ شرکاء و شفعاء ان کی نجات کی سفارش کریں گے بلکہ ان کو دوگنا عذاب کیا جائے گا یعنی ایک عذاب خود گمراہ ہونے کا اور دوسرا دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے کا اس لئے قیامت کے دن یہی بدقسمت لوگ سب لوگوں سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

۲۵۔اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ... الآیۃ۔

مقارنہ بین الاضداد

خدائے علیم و حکیم نے مقارنہ بین الاضداد سے کام لیتے ہوئے بدنصیب کفار و مشرکین کے نظریات و تصورات اور ان کے عواقب و نتائج کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے بالمقابل ان خوش نصیب لوگوں کے معتقدات اور نیک اعمال اور طرز بود و ماند اور اس کے خوشگوار نتائج کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کئے اور پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے پروردگار سے لو لگائے رہے۔ یہ ہیں جنتی لوگ جو ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

۲۶۔مَثَلُ الۡفَرِیۡقَیۡنِ... الآیۃ۔

فریقین کی مثال

ارشاد قدرت ہے ان دونوں فریقوں (مومن و کافر) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا، بہرا ہو جو اپنے حواس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے اور دوسرا بینا و شنوا ہے جو اپنے حواس سے فائدہ اٹھائے کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے؟ ہرگز نہیں پھر تم اس سے نصیحت کیوں حاصل نہیں کرتے؟؟

آیات القرآن

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ز اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَیٰقَوْمِ لَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (انہوں نے کہا لوگو!) میں تمہیں کھلا ہوا (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا ہوں (۲۵) اور یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو (ورنہ) میں تمہارے بارے میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں (۲۶) اس پر ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ (اے نوح) ہم تو تمہیں اس کے سوا کچھ نہیں دیکھتے کہ تم ہم جیسے ایک انسان ہو۔ اور ہم تو یہی دیکھ رہے ہیں کہ جن لوگوں نے آپ کی پیروی کی ہے وہ ہم میں سے بالکل رذیل لوگ ہیں اور انہوں نے بھی بے سوچے سمجھے سرسری رائے سے کی ہے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی برتری نہیں دیکھتے بلکہ تم لوگوں کو جھوٹا خیال کرتے ہیں (۲۷) نوح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! کیا تم نے (اس بات پر) غور کیا

ہے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل رکھتا ہوں؟ اور اس نے مجھے اپنی رحمت بھی عطا فرمائی ہے۔ جو تمہیں سجھائی نہیں دیتی۔ تو کیا ہم زبردستی اسے تمہارے اوپر مسلط کر سکتے ہیں جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو؟ (۲۸) اے میری قوم! میں اس (تبلیغ حق) پر تم سے کوئی مالی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ میرا معاوضہ اللہ کے ذمے ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں (وہ تمہاری نگاہ میں جس قدر پست ہوں) میں ان کو اپنے پاس سے نکال نہیں سکتا۔ بے شک وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری دینے والے ہیں البتہ میں دیکھتا ہوں کہ تم جہالت سے کام لینے والے لوگ ہو (۲۹)

تشریح الالفاظ

۱۔ اراذل۔ یہ ارذل اسم تفضیل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گھٹیا اور ردی۔ ۲۔ بادئی الرائ کے معنی ہیں بے سوچے سمجھے۔ ۳۔ انلز مکموھا یہ الزام سے مشتق ہے جس کے معنی زبردستی ٹھونسنے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۷۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا ... الآیۃ۔

جناب نوح علیہ السلام اور انکی قوم کے واقعات

یہاں آیت ۲۵ سے لے کر آیت ۹۹ تک اسی تاریخی ترتیب کے مطابق جس کے مطابق خداوند عالم نے سابقہ امتوں کی طرف مختلف رسول بھیجے ان کی اور ان کی قوموں کی سرگذشت بیان کی گئی ہے اس سے بظاہر مقصد یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا جائے کہ آج آپ کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور جس قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے بالکل اسی طرح گذشتہ رسولوں کو بھی انہی جیسے حالات پیش آ چکے ہیں۔ لہٰذا جس طرح انہوں نے عزم واستقامت سے حالات کا مقابلہ کیا تھا تم بھی اسی عزیمت اور ثابت قدمی سے ان حالات کا سامنا کرو۔ نہ موجودہ حالات کوئی نئے ہیں اور نہ آپ کی قوم کی روش کوئی نئی روش ہے سابقہ قومیں بھی اپنے نبیوں سے وہی سلوک کرتی آئی ہیں جو آپ کی قوم آپ سے کر رہی ہے روش وہی ہے رفتار وہی ہے ایراد وہی ہے گفتار وہی اور کردار وہی ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ ان کو ایک خاص مدت تک مہلت دیئے جانے کے بعد ہلاک وبرباد کر

دیا گیا۔مگر آپ کی قوم ہنوز اس ہلاکت سے آپ کی رحمۃً للعالمینی کی وجہ سے محفوظ ہے۔لیکن اگر یہ لوگ اپنی ان ناشائستہ حرکتوں اور کرتوتوں سے باز نہ آئے تو ان کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک کیا جا سکتا ہے جو سابقہ قوموں کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے۔

واضح رہے کہ یہاں سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ جناب نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات وواقعات بیان کئے گئے ہیں۔قبل ازیں دو مقامات پر جناب نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ پہلے سورہ اعراف آیت ۵۹ لقد ارسلنا نوحاً الی قومھتا آیت ۶۴۔ پھر سورہ یونس آیت ۷۱ واتل علیھم نبا نوح۔تا آیت ۷۳۔اور انہی مقامات پر ہم جناب نوح علیہ السلام کے مختصر حالات زندگی اور ان کے حکیمانہ انداز تبلیغ اور قوم کی روش ورفتار پر تبصرہ کر چکے ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں اجمال تھا اور یہاں تفصیل ہے۔لہٰذا ہم بھی قرآنی انداز بیان کے مطابق ذیل میں مختصر تشریح وتوضیح کرتے جائیں گے۔انشاءاللہ۔

جناب نوح علیہ السلام کی دعوت

قرآن وسنت کی تصریحات سے ثابت ہے کہ جناب نوح علیہ السلام بھی اسی دعوت کے داعی تھے جس کے دوسرے تمام داعیان حق داعی رہے ہیں یعنی یہ کہ۔۱۔اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ۲۔لہٰذا اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت وبندگی جائز نہیں ہے چونکہ جناب نوح علیہ السلام کی قوم مشرک اور بت پرست تھی بلکہ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں پہلی مشرک قوم وہی تھی۔اس لئے جناب نوح علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز رب العالمین کی توحید اور اس کی عبادت سے کیا اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ اگر تم اپنی موجودہ روش اور سرکشی سے باز نہ آئے۔تو پھر عذاب کا ایک بڑا دن آنے والا ہے جو تمہیں تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔

۲۸۔فَقَالَ الْمَلَاُ...الآیۃ۔

قوم نوح علیہ السلام کے دو ایراد

قرآن وتاریخ شاہد ہے کہ بموجب خوئے بدرا بہانہ بسیار قوم نوح علیہ السلام کے سرداروں اور بڑے لوگوں کو جناب نوح علیہ السلام پر دو اعتراض تھے۔۱۔پہلا یہ کہ تم ہماری طرح کے ایک آدمی ہو تم میں اچنبے کی کوئی بات نہیں پائی جاتی نہ آپ کے پاس کوئی خزانہ ہے نہ آپ عالم الغیب ہیں اور نہ ہی آسمان سے اترے ہوئے کوئی فرشتہ؟ پھر ہم آپ کی بات کیوں قبول کریں۔ ۲۔دوسرا یہ کہ ہماری قوم کے رذیل لوگوں یعنی فقراء، وغرباء بے

سمجھے سوچے تم پر ایمان لائے ہیں تو ہم شرفاء کس طرح آپ کو نبی مان لیں یہاں تو شریف ورذیل میں کوئی فرق ہی نہیں ہے؟ بہر نوع ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے۔ بلکہ تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں اور اپنے جیسا ایک آدمی جناب نوح علیہ السلام نے فرمایا میں نے کب کہا ہے کہ میں آدمی نہیں ہوں؟ ہاں! البتہ میں یہ کہتا ہوں کہ خدا نے مجھے خلعت نبوت سے نوازا ہے اور میں اس کی تبلیغ کرتا ہوں مگر تم میرے مقابلے میں جو مظاہرہ کر رہے ہو یہ سراسر جہالت ہے اے میری قوم! تم غور کر کے مجھے بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے اپنی صداقت کی دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنی بارگاہ سے رحمت عطا فرمائی ہے مگر وہ تمہیں سجھائی نہیں دیتی تو کیا ہم زبردستی اسے تم پر مسلط کر سکتے ہیں؟ یہ بات قانون قدرت کے خلاف ہے جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو؟ اور اے میری قوم! میں تم سے تبلیغ پر کوئی مالی معاوضہ طلب نہیں کرتا (کیونکہ جو شخص خدا کے لئے کام کرتا ہے وہ اس کے سوا اور کسی سے معاوضہ طلب نہیں کرتا ہے لہٰذا) میرا معاوضہ اللہ کے ذمہ ہے اور میں ان غریب و نادار ایمان لانے والوں کو (تمہارے کہنے پر) نکال نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ لوگ ضرور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ہیں سو اگر میں انہیں نکال دوں اور یہ اس کے حضور فریاد کریں تو اللہ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا؟ کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے؟؟

آیات القرآن

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمۃ الآیات

اے میری قوم! اگر میں ان کو اپنے پاس سے نکال دوں تو اللہ کے مقابلہ میں کون میری مدد کرے گا۔ کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے (اور نصیحت قبول نہیں کرتے؟) (۳۰) اور (دیکھو) میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو تم حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہو کہ اللہ انہیں کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اگر میں ایسا کہوں تو ظالموں میں سے ہو جاؤں گا (۳۱) ان لوگوں نے کہا اے نوح! تم نے ہم سے بحث و تکرار کی ہے اور بہت کر لی (اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے) اگر تم سچے ہو تو وہ (عذاب) ہمارے پاس لاؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو۔ (۳۲) نوح علیہ السلام نے کہا وہ (عذاب) تو اللہ ہی لائے گا جب چاہے گا اور تم اسے عاجز نہیں کر سکتے (۳۳) اگر اللہ تمہیں گمراہی میں چھوڑ دینا چاہے (اور اس طرح تمہیں ہلاک کرنا چاہے تو) میں جس قدر تمہیں نصیحت کرنا چاہوں۔ میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ وہی تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے (۳۴) کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ (آپ) نے (یہ قرآن) خود گھڑ لیا ہے تو کہیئے! اگر میں نے یہ گھڑا ہے تو اس جرم کا وبال مجھ پر ہے اور جو جرم تم کر رہے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں (۳۵)

تشریح الالفاظ

۱۔طردتھم۔ طرد کے معنی دور کرنے اور دھتکارنے کے ہیں۔ ۲۔تزدری۔از دراء کے معنی ہیں حقیر سمجھنا۔ ۳۔اجرام۔ کے معنی ہیں وزر و وبال۔ ۴۔تجرمون۔ یہ جرم سے مشتق ہے جس کے معنی جرم و گناہ کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۹۔ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ...الآیة

قوم نوح علیہ السلام کے ایرادات کے جوابات

۱۔ جناب نوح علیہ السلام نے کہا بے شک میں انسان ہوں اور کوئی فوق الفطرت مخلوق نہیں ہوں اور نہ ہی انسان سے بالاتر کوئی مخلوق ہے انسان کی ہدایت انسان سے ہی ہو سکتی ہے فرشتے سے حجت تمام نہیں ہو سکتی پس خدا نے مجھے خلعت نبوت سے نوازا ہے اور میرا کام بشارت ونذارت کرنا ہے اچھا کام کرنے والوں کو ان کے اچھے انجام سے آگاہ کرنا اور برا کام کرنے والوں کے ان کے ان برے کاموں کے برے عواقب ونتائج سے ڈرانا۔ اور ظاہر ہے کہ کسی بھی بشیر ونذیر کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ خزانوں کا مالک ہو لوگوں میں مال تقسیم کرے اور نہ اس کے لئے عالم الغیب ہونا لازم ہے کہ لوگوں کو غیب کی خبریں دے اور نہ ہی اس کے لئے آسمانی فرشتہ ہونے کی کوئی شرط ہے البتہ اسے ایک کامل اور مکمل انسان ہونا چاہیے اور بس۔

فرشتوں سے افضل ہے انسان ہونا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

۲۔ باقی رہا تمہارا فقراء کو رذیل کہنا اور شرافت اور رذالت کا معیار مال و دولت کو قرار دینا تو یہ رذیل لوگوں کا مقرر کردہ معیار ہے اللہ کے نزدیک معیار شرافت اور میزان فضیلت ایمان اور نیک کام ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ اور اگر غرباء ومساکین اس معیار پر پورے اترتے ہیں تو وہ شریف سمجھے جائیں گے اور جب بڑے بڑے سردار اور سرمایہ دار اس معیار پر پورے نہیں اتریں گے تو وہ رذیل متصور ہوں گے۔ للہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون۔ عزت تو بس اللہ کے لئے ہے، اس کے رسول کے لئے ہے اور اہل ایمان کے لئے ہے مگر منافق اس حقیقت کو نہیں سمجھتے لہٰذا تم جن لوگوں (غریب اہل ایمان) کو ذلیل سمجھتے ہو میں کبھی ان کو ذلیل نہیں کہوں گا ورنہ اللہ مجھ سے مؤاخذہ کرے گا۔

۳۰۔ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا ...الآیة

قوم نوح علیہ السلام کی روش

جناب نوح علیہ السلام کی قوم کے منکروں کی سرکشی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ جناب نوح علیہ السلام

کے دلائل قاطعہ اور مواعظ شافیہ کو جدال کہنے لگے اور ان میں غور وفکر کرنے کی بجائے عذاب الٰہی کے نزول وظہور کا مطالبہ کرنے لگے۔ کہ اگر تم سچے ہو تو پھر جس بات (عذاب) کا وعدہ کرتے ہو وہ لا کر دکھاؤ اس پر جناب نوح علیہ السلام نے کہا کہ اگر اللہ کو منظور ہوا تو وہ بے شک اسے لائے گا اور تم اسے عاجز نہیں کر سکتے۔

۳۱۔اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ...الآیة

اس قسم کے الفاظ کی جو موہم جبر ہیں کی کئی بار وضاحت کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے اجل وارفع ہے کہ وہ کسی کو گمراہ کرے البتہ وہ کسی شخص یا گروہ کی ہٹ دھرمی، حق کشی اور باطل کوشی کی وجہ سے جب اپنی توفیق سلب کر لیتا ہے اور اسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے تو اس مفہوم کو مجازاً **یغوی** اور **یضل** کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر چہ میں تمہاری خیر خواہی کے لئے تمہیں نصیحت کرنا چاہتا ہوں لیکن اگر اللہ تمہیں تمہاری شر پسندی اور ہدایت سے بے رغبتی کی وجہ سے تمہیں تمہاری گمراہی وسرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑنا چاہے تو پھر میری نصیحت تمہیں کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ توفیق الٰہی انہی خوش نصیب لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو ہدایت کے صدق نیت سے طلب گار ہوتے ہیں اور جادہ رشد وہدایت پر چلنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

۳۲۔قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُه...الآیة

یہ قل کا خطاب حسب ظاہر جناب نوح علیہ السلام کو ہے۔ (تفسیر کاشف وغیرہ) اور بطور جملہ معترضہ و التفات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہو سکتا ہے (تبیان ومجمع البیان) اگر جناب نوح علیہ السلام سے خطاب ہو تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ جناب نوح علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا جا رہا ہے کہ تم مجھے مفتری کہتے ہو۔ اچھا تو اگر میں مفتری ہوں تو اس کا گناہ مجھ پر اور اگر میں سچا ہوں اور تم سچائی کو جھٹلا رہے ہو تو پھر اس کی سزا تمہیں بھگتنا پڑے گی۔ کیسا روادارانہ انداز گفتگو ہے جس سے مخاطب کی دل شکنی بھی نہیں ہوتی اور اسے اصل معاملہ پر غور وفکر کرنے کی دعوت بھی دے دی جاتی ہے الغرض بنابریں یہ جناب نوح علیہ السلام کی دعوت وموعظمت کا آخری مرحلہ ہے اور اس کے بعد اعلان برات ہے اور اگر یہ خطاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو تو پھر اس کا مقصد مخالفین کے ایراد کا جواب دینا ہے۔ جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا کرتے تھے کہ آپ اس قسم کے قصے کہانیاں خود گھڑ کر پیش کرتے ہیں تا کہ انہیں ہم پر چسپاں کریں کہ تمہارا انجام بھی انہیں اقوام جیسا ہوگا۔ تو ان کج اندیشوں کے جواب میں کہا جا رہا ہے کہ اگر بالفرض یہ قصہ میں نے گڑھا ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں لیکن اگر یہ داستان سچی ہوئی جسے تم جھٹلا رہے ہو تو اس جرم کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہیں اس کا وزر و وبال بھگتنا پڑے گا

آیات القرآن

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ ان لوگوں کے سوا جو ایمان لا چکے ہیں تمہاری قوم میں سے اور کوئی ایمان نہ لائے گا پس تم اس پر غمگین نہ ہو جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں (۳۶) اور ہماری نگرانی اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بناؤ اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات (سفارش) نہ کرنا (کیونکہ) یقینا یہ سب لوگ غرق ہو جانے والے ہیں (۳۷) چنانچہ نوح علیہ السلام کشتی بنانے لگے اور جب بھی ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے تو وہ ان کا مذاق اڑاتے تو (نوح) کہتے اگر (آج) تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو (کل کلاں) ہم بھی تمہارا اسی طرح مذاق اڑائیں گے جس طرح تم اڑا رہے ہو۔(۳۸) عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے (۳۹) یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور نے جوش مارا (ابل پڑا) تو ہم نے (نوح سے) کہا کہ ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو

(نر و مادہ) کو اس (کشتی) میں سوار کر لو۔ اور اپنے گھر والوں کو بھی بجز ان کے جن کی (ہلاکت کی) بات پہلے طے ہو چکی ہے نیز ان کو بھی (سوار کر لو) جو ایمان لا چکے ہیں اور بہت ہی تھوڑے لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے (۴۰)

تشریح الالفاظ

۱۔فلا تبتئس۔اس کے معنی غمگین ہونے کے ہیں۔
۲۔فارا التنور۔فور وفور ان کے معنی پانی کے زمین سے نکلنے اور بہنے کے ہیں۔
۳۔زوجین۔کے معنی دو زوج یعنی نر و مادہ

تفسیر الآیات

۳۳۔وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ...الآیۃ

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت حق اور اس کا اثر

خداوند عالم نے جناب نوح علیہ السلام کو طویل عمر عطا فرمائی تھی قرآنی بیان کے مطابق ساڑھے نو سو سال تو قوم میں رہ کر اسے دعوت حق دی اور اسے وعظ و نصیحت فرمائی (لبث فی قومه الف سنة الا خمیس عاماً مگر اعلان نبوت کے وقت عمر کیا تھی؟ اور قوم کی ہلاکت کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہے روایات سے مجموعی عمر اڑھائی ہزار سال ثابت ہوتی ہے اور تبلیغ بھی اس طرح کی جس کا اندازا انہی کی زبانی قران میں یوں مذکور ہے۔ رب انی دعوت قومی لیلاً ونھاراً۔اے میرے پروردگار۔میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت حق دی ہے اعلانیہ طور پر بھی اور پوشیدہ طور پر بھی۔

مگر نتیجہ کیا نکلا

فلم یزدھم دعائی الا فراراً۔مگر میری دعوت اور تبلیغ نے ان کے راہ فرار اختیار کرنے میں اضافہ ہی کیا۔ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے نتیجے میں کل آٹھ آدمی ایمان لائے تھے (تفسیر مجمع البیان) اور قمی کی روایت کے مطابق ان کی کل تعداد ۸۰ تھی (تفسیر قمی) یہ ہے ساڑھے نو سو سال کی پیغمبرانہ اور حکیمانہ تبلیغ کا اثر سچ ہے۔

نہ وہ طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے

ہوا نہ سرسبز دریا میں رہ کے عکس سرو کنار جو کا

اس طویل مدت میں وہ کون سا ستم تھا جو قوم نے ان پر نہیں کیا اور وہ کون سی اذیت تھی جو ان کو نہیں پہنچائی مگر یہ مردحق پھر بھی برابر دعوت حق دینے اور تبلیغ دین کرنے کا فریضہ ادا کرتا رہا یہاں تک خدا نے بذریعہ وحی ان کو اطلاع دی کہ تمہاری قوم میں جن لوگوں کے اندر قبول حق کی صلاحیت تھی وہ حق قبول کر چکے اور ایمان لا چکے اب اور کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا گویا دودھ سے مکھن نکالا جا چکا باقی صرف چھاچھ ہے۔ لہٰذا آپ کو تسلی دی کہ آپ غمگین نہ ہوں اور ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے پریشان خاطر نہ ہوں بس اب دستورالٰہی کے مطابق عدل الٰہی کے ظہور کا وقت آ گیا ہے اسی اطلاع کی بنا پر جناب نوح علیہ السلام نے بددعا کی تھی کہ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیاراً یااللہ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو نہ چھوڑ (سب کو ہلاک کردے)

ولا یلدوا الا فاجراً کفاراً۔ کیونکہ اب ان کی ہٹ دھرمی اور سرکشی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ وہ فاجر و کافر کے سوا کچھ اور نہیں جنیں گے ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کی ہلاکت سے چالیس سال پہلے اس کی عورتیں بانجھ ہو گئی تھیں۔ اور اس اثناء میں کسی نے بچہ کو جنم نہیں دیا تھا۔ (تفسیر مجمع البیان وصافی)

۳۴۔ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ... الآیۃ

جناب نوح علیہ السلام کو کشتی سازی کا حکم

جب قوم نوح علیہ السلام کا تمرد اور سرکشی حد سے بڑھ گئی اور اب اس کی تباہی و بربادی کا وقت قریب آ گیا تو خدائے علیم و حکیم نے جناب نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ ہماری نگرانی اور ہماری وحی و ہدایت کے مطابق ایک بڑی کشتی بناؤ جس میں اپنے اور اپنے اہل و عیال اور اہل ایمان اور ان کی ضرورت کے مطابق آٹھ قسم کے نر و مادہ حیوان اور زیست کا دوسرا ساز و سامان رکھنے کا انتظام کرو چنانچہ خدا نے ان کو وحی کے ذریعہ کشتی سازی کا طریقہ بتایا اور بروایتے اسی سال کی مدت مدید میں انہوں نے ایک کشتی نجات بنائی (صافی) تاریخی روایات کے مطابق اس کی لمبائی بارہ سو ہاتھ، چوڑائی آٹھ سو ہاتھ اور اونچائی اسی ہاتھ تھی (اصول کافی و تفسیر کافی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ضروری صنعتوں کی ابتداء وحی الٰہی کے ذریعے ہوئی ہے'' (معارف القرآن)

نیز جناب نوح علیہ السلام کو ہدایت کی گئی کہ جن ظالموں کا غرقابی کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے از راہ شفقت تم

ان کی سفارش نہ کرنا کیونکہ اب وہ غرق ہو کر رہیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی قوم تک کسی نبی کا ہاتھ پہنچ جائے اور اس پر حجت تمام ہو جائے تو اسے صرف اس وقت تک نجات مل سکتی ہے جب تک اس میں سے کچھ لوگوں کے ایمان لانے کا امکان باقی ہو لیکن جب باصلاحیت افراد ایمان لا چکیں اور باقی صرف عناصر خبیثہ رہ جائیں جن کے ایمان لانے کی کوئی توقع نہ ہو تو پھر خدا ان کو مہلت نہیں دیتا اور ان کا قلع قمع کر دیتا ہے تاکہ ان کے مضر اور سمّی اثرات دوسرے لوگوں تک سرایت نہ کر جائیں۔

۳۵۔ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ... الآية

جناب نوح علیہ السلام کی کشتی سازی اور قوم کا مذاق

جناب نوح علیہ السلام چونکہ ایک لق و دق صحرا میں کشتی بنا رہے تھے جہاں پانی کا کوئی نام و نشان نہ تھا تو جب قوم کے مغرور اور اپنے انجام بد سے بے خبر لوگ وہاں سے گزرتے اور جناب نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے میں مصروف پاتے تو پوچھتے کیا بنا رہے ہو۔ اور وہ بتاتے کہ طوفان آب کی شکل میں عذاب آنے والا ہے اس سے بچاؤ کے لئے کشتی بنا رہا ہوں تو مذاق اڑاتے، پھبتیاں کستے اور تمسخر کرتے کہ آب ندیدم موزہ کشیدم۔ یہاں پینے کو تو پانی ملتا نہیں ہے اور یہ طوفان آب آنے اور اس میں کشتیاں چلانے کی باتیں کر رہے ہیں اس مذاق اور تمسخر کا جناب نوح علیہ السلام۔ کے دل پر کیا اثر پڑتا ہوگا؟ اور ان کے قلب و جگر پر کیا کیفیت گزرتی ہوگی؟ وہ اہل دل سے پوشیدہ نہیں ہے مگر قرآن خبر دیتا ہے کہ انہوں نے ان پھبتیوں کے جواب میں صرف یہ کہا کہ آج تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو کل ہم تمہارا تمسخر اڑائیں گے اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر نازل ہوتا ہے؟ مخفی نہ رہے کہ یہاں تمسخر کی جو نسبت ایک نبی اور اس کے سچے پیروکاروں کی طرف دی گئی ہے وہ مشاکلہ کی قسم سے ہے مگر ان کا مفہوم الگ الگ ہے یعنی عام حالات میں کسی کی مصیبت پر خوش ہونا پسندیدہ بات نہیں ہے مگر کسی متکبر اور سرکش آدمی پر عذاب کے نازل ہونے پر جس پر حجت تمام ہو چکی خوش ہونا تقاضائے ایمان کے عین مطابق ہے۔

۳۶۔ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ... الآية

حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب نوح علیہ السلام سے خدا کا وعدہ تھا کہ جب تنور سے پانی ابل پڑے گا تو اس سے ان کی قوم کی ہلاکت کا آغاز ہوگا۔ چنانچہ جب کشتی تیار ہو چکی تو آپ کی بیوی نے اطلاع دی کہ تنور سے پانی کا فوارہ پھوٹ نکلا ہے آپ اٹھے اور اس پر مٹی ڈالی اور اس پر اپنی مہر لگائی چنانچہ وقتی طور پر پانی تھم گیا اور آپ نے جن جن لوگوں اور چیزوں کو کشتی میں سوار کرنا تھا ان کو سوار کر چکے تو اپنی مہر اٹھالی پھر

کیا تھا؟ تنور سے پانی ابل رہا ہے۔ آسمان سے موسلا دھار بارش برس رہی ہے زمین سے پانی کے چشمے بہہ رہے ہیں (وفجرنا الارض عیوناً) ففتحنا ابواب السماء ۔ آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے لئے کھل چکے ہیں جس کی وجہ سے جل تھل ایک ہو گئے ہیں مخفی نہ رہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کی اس روایت سے اور اس جیسی دوسری روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ''یہاں تنور'' سے روٹیاں پکانے والا تنور ہی مراد ہے اور وہ بھی جناب نوح علیہ السلام کا اپنا تنور جو کوفہ میں تھا۔ نہ کہ ''وجه الارض'' اور نہ ہی ''اعلی الارض و اشرفھا'' اور نہ ہی اس سے مراد کوئی چشمہ ہے اور نہ ہی طلوع آفتاب اور نہ طلوع صبح جیسا کہ صاحب ضیاء القرآن نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے۔

۳۷۔قلنا احمل۔۔۔الآیة

ان حالات میں اس قدر ارشاد ہوا کہ اس میں ہر جوڑے والے جانوروں کا ایک ایک جوڑا اور وہ بھی ان کا جن کی تمہیں گوشت کھانے یا دودھ پینے کی ضرورت ہے سوار کرو جو کہ پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے نہ کہ دنیا جہاں کے تمام حیوانات اور حشرات الارض اور کیڑے مکوڑے ورنہ اس کے لئے تو کئی میل لمبی کشتی بھی کافی نہیں ہے لہٰذا اس سے دریائی جانور اور خشکی کے وہ حشرات الارض خارج ہو گئے جو نر و مادہ کے ملاپ کے بغیر پیدا ہوتے ہیں چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے (معہود ذہنی کے طور پر) جانوروں کی وہ آٹھ قسمیں مراد ہیں جن کا خداوند عالم نے اس آیت میں تذکرہ کیا ہے و انزل لکم من الانعام ثمانية ازواج من لضئان اثين بھیڑ بکری اور گائے بھینس وغیرہ پالتو جانور (الکافی والعیاشی)

یہ کل کا لفظ اگرچہ عموم پر دلالت کرتا ہے مگر موارد کے اختلاف کی وجہ سے اس کی وسعت اور تنگی بدلتی رہتی ہے اور اپنے اہل وعیال یعنی تین بیٹے سام، حام اور یافث اور ان کی زوجائیں اور اپنی تین بیٹیاں سوائے ان کے جن کے بارے میں پہلے خدائی فیصلہ صادر ہو چکا ہے یعنی آپ کی بیوی اور بیٹا کنعان جو کافر تھے اور جو تھوڑے لوگ ایمان لائے ہیں اور بروایت ابن عباسؓ اس کشتی کی (جو گویا بحری جہاز تھا) تین منزلیں تھیں پہلی منزل حشرات الارض کے لئے دوسری چوپایوں کے لئے اور تیسری انسانوں کے لئے (مجمع البیان)

کیا جناب نوح علیہ السلام کا طوفان عالمگیر تھا؟

اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ آیا یہ طوفان عالمگیر تھا اور عام روئے زمین کے انسانوں اور حیوانوں کو بہا کر لیا گیا تھا اور سوا ان کے جو کشتی پر سوار ہوئے باقی کوئی نہیں بچا تھا اور آگے انہی سے نسل آدم چلی تھی اس لئے جناب نوح علیہ السلام علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے یا یہ طوفان صرف اس علاقہ میں آیا تھا جہاں جناب

نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی؟ مشہور و منصور پہلا قول ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیاراً۔ اس سے بھی ظاہر ہے اور روایات سے بھی اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔

اہل بیت نبوت کا سفینہ نوح کے مانند ہونے کا اجمالی تذکرہ

صحیح اور متفق علیہ حدیث سے میں وارد ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا ضل و غرق و ھوی۔ میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح علیہ السلام کی سی ہے جو اس پر سوار ہوگا وہ نجات پا جائے گا اور جو اس سے روگردانی کرے گا وہ گمراہ اور ہلاک و برباد ہو جائے گا۔ جس طرح نوح علیہ السلام کے دور میں ایک طوفان آب آیا تھا اور سوائے ان کے جو اس کشتی پر سوار ہوئے تھے باقی سب کو بہا کر لے گیا تھا۔ آپ فرما رہے ہیں کہ میرے بعد بھی گمراہی کا ایک طوفان آئے گا اور ان کے سوا جو اہل بیت کی کشتی نجات پر سوار ہوں گے باقی سب کو بہا لے جائے گا اس سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے لئے نجات کا واحد ذریعہ خاندان نبوت کے دامن ولایت کے ساتھ تمسک کرنا ہے اور بس ولنعم ما قیل۔

اذا شئت البرائۃ من سعیر
و اجراً من الله بالصلوۃ
فلا تبطل صلوتك بالضلائۃ
فھا ارکب یا اخی فلك النجاۃ

اس موضوع کے دوسرے تفصیلات و جزئیات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب اثبات الامامت کی طرف رجوع کریں۔ الغرض۔

ادھر آ بحر عشق آل میں ڈال دے کشتی
جو اس میں ڈوب جائے س کا بیڑا پار ہوتا ہے

آیات القرآن

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟ وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ

وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴿۴۴﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ﴿۴۵﴾

ترجمۃ الآیات

نوح نے کہا (کشتی میں) سوار ہو جاؤ اللہ کے نام کے سہارے ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا ٹھہرنا بھی بے شک میرا پروردگار بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے (۴۱) اور وہ (کشتی) انہیں ایسی موجوں (لہروں) میں سے لئے جارہی تھی جو پہاڑوں جیسی تھیں اور نوحؑ نے اپنے بیٹے کو آواز دی جو کہ الگ ایک گوشہ میں (کھڑا تھا)۔ اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ (کشتی میں) سوار ہو جاؤ۔ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو (۴۲) اس نے کہا میں ابھی کسی پہاڑ پر پناہ لوں گا جو مجھے پانی سے بچائے گا نوحؑ نے کہا (بیٹا) آج اللہ کے امر (عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں ہے سوائے اس کے جس پر وہ (اللہ) رحم فرمائے اور پھر (اچانک) ان کے درمیان موج حائل ہو گئی پس وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔ (۴۳) اور ارشاد ہوا اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا۔ اور پانی اتر گیا اور معاملہ طے کر دیا گیا اور کشتی کوہ جودی پر ٹھہر گئی اور کہا گیا ہلاکت ہو ظلم کرنے والوں کے لئے (۴۴) اور نوحؑ نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا اے میرے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور یقینا تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (۴۵)

تشریح الالفاظ

۱۔ مجریھا و مرسھا دونوں مصدر میمی ہیں جن کے معنی چلنا اور ٹھہرنا ہیں۔
۲۔ معزل کے معنی ہیں الگ تھلگ اور دور۔
۳۔ساوی۔ اوی کے معنی ہیں پناہ لینے کے۔ ۴۔ ابلعی۔ بلع کے معنی نگلنے کے ہیں۔
۵۔ اقلعی کے معنی ہیں اے آسمان رک جا

تفسیر الآیات

۳۸۔ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا ... الآية

سوار ہونے کا ایک ادب اللہ کا نام لینا ہے

اس آیت میں کشتی وغیرہ پر سوار ہونے کے آداب کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جناب نوح علیہ السلام نے کشتی پر سوار ہونے والوں سے کہا کہ اللہ کے نام کی برکت سے سوار ہو جاؤ لفظ "مجریھا" "ر" اور "یا" کو سویرے کی طرح پڑھا جاتا ہے اور مرسیٰ بروزن موسیٰ دونوں مصدر میمی میں جن کے معنی بالترتیب چلنا اور ٹھہرنا ہیں پس کشتی کا چلنا اور رکنا اللہ کے نام کی برکت سے تھا اور سواروں کا اعتماد اللہ پر تھا نہ کہ کشتی پر اور یہی ایک بندہ مومن کی شان ہے چنانچہ بعض اخبار و آثار میں وارد ہے کہ سواری پر سوار ہوتے وقت اس آیت کی تلاوت کرنا چاہئے تا کہ آدمی سفر کی مشکلات سے محفوظ رہے۔

۳۹۔ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ ... الآية

اس آیت میں اس طوفان کی شدت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ یہ طوفان باد و باراں اس قدر شدید تھا کہ مکانوں کی چھتوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی پانی کئی کئی گز بلند ہو گیا تھا اور پہاڑوں کی طرح تند و تیز موجیں بلند ہو رہی تھیں اور کشتی ان مشکلات میں گھرنے کے باوجود بڑے آرام و سکون سے رواں دواں تھی بعض اخبار سے اشکار ہوتا ہے کہ جناب نوحؑ یکم رجب المرجب کو کشتی پر سوار ہوئے تھے اور اس دن روزہ رکھا تھا اور اپنے ہمراہیوں کو بھی اس کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جو شخص اس دن روزہ رکھے گا اس سے آتش دوزخ ایک سال کی مسافت تک دور ہو جائے گی الغرض ان کی کشتی چھ ماہ تک دنیا کا چکر لگاتی ہوئی بالاخر محرم الحرام میں جودی پہاڑ پر

جو کہ سرزمین عراق میں واقع ہے آ کر ٹھہری (مجمع البیان)

کتاب الخصال میں حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام سے اور عیون الاخبار میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا خدا نے جب نوح علیہ السلام کو وحی کی تھی کہ اگر کبھی غرق ہونے کا اندیشہ محسوس ہو تو ہزار بار ''لا الہ الا اللہ'' کا ورد کر کے مجھ سے نجات کا سوال کرنا میں تمہیں نجات دوں گا اور کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا کہ جب جناب نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے اور غرق ہونے کا خطرہ محسوس کیا تو بارگاہ ایزدی میں یوں دعا کی اللھم انی اسئلك بحق محمد لما انجیتنی من الغرق۔ سو اللہ نے ان کو نجات عطا فرمائی اور یہ جو بعض غالی لوگ نام نہاد خطبہ بیانیہ کے حوالہ سے بیان کیا کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے جب نوحؑ کی کشتی کو کنارے لگایا، میں نے آتش نمرود کو گل وگلزار بنایا وغیرہ وغیرہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ یہ خطبہ بے بنیاد ہے (سابع بحار الانوار)

وَنَادٰی نُوْحُ ... الآیۃ

پسر نوح علیہ السلام کی غرقابی

موسلا دھار بارش ہو رہی ہے طوفانی ہوائیں چل رہی ہیں اور پہاڑوں کی طرح موجیں اٹھ رہی ہیں اور جناب نوحؑ کی کشتی ان موجوں کے تھپیڑوں سے ٹکراتی ہوئی رواں دواں ہے کہ جناب نوحؑ کی نظر اپنے جواں سال بیٹے پر پڑتی ہے جو ایک طرف پریشان حال کھڑا ہے شفقت پدری جوش میں آتی ہے اور پکارتے ہیں اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو مگر ناہنجار بیٹا کہتا ہے کہ میں کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا جناب نوحؑ فرماتے ہیں بیٹا آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر وہ جس پر خود اللہ رحم کرے اس میں شفقت بھی ہے اور دعوت بھی کہ اب بھی وقت ہے کہ کافروں کا ساتھ چھوڑ کر ہمارے ساتھ شامل ہو جا مگر بموجب۔ تربیت نااہل را چوں گردگاں بر گنبد است

نابکار بیٹا سوار ہونے سے انکار کر دیتا ہے۔ یہی سلسلہ گفتگو جاری تھا کہ ایک بڑی سی موج اٹھتی ہے اور باپ بیٹے کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ غرق ہو جاتا ہے۔

۴۰۔ وَقِیْلَ یٰاَرْضُ ... الآیۃ۔

اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا۔ چنانچہ پانی تہہ نشین ہو گیا۔ حکمِ الٰہی نافذ ہو گیا اور ناجی نجات پا گئے اور ہالک ہلاک ہو گئے کشتی کوہِ جودی پر ٹھہر گئی۔ اور کہا گیا لعنت ہو ظالموں پر۔ اس آیت میں جو

فصاحت و بلاغت موجود ہے اس کی تفصیل کتاب مطول میں مذکور ہے اور یہ ان آیتوں میں سے ایک ہے جنہوں نے قرآن کا معارضہ ومقابلہ کرنے والوں کے ارادوں کو پست کر دیا ہے اور ان کے ہاتھوں سے قلم گرا دیا ہے اور ان کو یہ اقرار کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ھذا الکلام لا یشبہ کلام المخلوقین۔ یہ کلام مخلوق کے کلام سے مشابہت نہیں رکھتا (تفسیر روح المعانی)۔

۴۱۔ وَنَادٰى نُوْحٌ... الآیۃ۔

خدا نے فرمایا تھا کہ کشتی میں جانوروں کا جوڑا جوڑا اور اپنے اہل وعیال اور دوسرے اہل ایمان کو سوار کرو۔ جناب نوحؑ نے اہل وعیال کے ساتھ جو شرط تھی ''الا من سبق علیہ القول۔''۔ سوا ان کے جن کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے پر توجہ نہ دی اور اپنے بیٹے کو ہلاک ہوتے دیکھ کر کہہ اٹھے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے (کہ تو میرے اہل کو نجات دے گا) ارشاد قدرت ہوا کہ تمہارا بیٹا چونکہ ناہنجار اور بد کردار ہے لہٰذا یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے لہٰذا مجھ سے وہ چیز طلب نہ کر جس کا تمہیں علم نہیں ہے کیونکہ تمہارا بیٹا غرق ہونے والا ہے ورنہ ناواقفوں میں سے ہو جاؤ گے پس خدا کی یہ تنبیہ سن کر جناب نوحؑ بیٹے کو بھول گئے اور اس مطالبہ سے خدا کی پناہ مانگنے لگے اور استغفار کرنے لگے جو کہ جناب نوحؑ کے انتہائی خشوع وخضوع کی علامت ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے معاذ اللہ کوئی گناہ کیا تھا جس سے توبہ کی ہے۔

اس واقعہ سے حاصل شدہ نتائج

اس واقعہ سے چند نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۱۔ اتباع۔ اور عمل صالح ہی وہ گوہر گرانمایہ ہے کہ جس کی برکت سے غیر اہل اھل بن جاتے ہیں جیسے **سلمان منا اهل البیت ومن تبعنی فانه منی** اور بدعملی و بدکرداری وہ بری بلا ہے جس سے اہل بھی نا اہل بن جاتے ہیں انہ عمل غیر صالح۔

۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے رشتہ داری پر نہیں ہے ''مولانا آزاد لکھتے ہیں یہ آیت اس باب میں قطعی دلیل ہے کہ جسمانی رشتہ نجات کے لئے کچھ سودمند نہیں ہے جو کچھ ہے (ایمان وعمل ہے)''۔ (ترجمان القرآن)

لہٰذا مومن وکافر کا نسبی رشتہ دینی اور اخروی معاملات میں مؤثر نہیں ہے خدا نے جناب نوحؑ اور ان کے بیٹے کی غرقابی کا قصہ بیان کرکے یہ بتایا ہے۔ کہ جب ایک جلیل القدر نبی اپنے بدکردار اور ناہنجار بیٹے کو خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکے تو کسی شخص یا بدعمل کا کسی نبی یا ولی کا اولاد ہونا یا رشتہ دار ہونا اسے کس طرح عدلِ الٰہی

سے بچا سکتا ہے؟ یا ان کی سفارش کس طرح اس کے لئے موثر ہو سکتی ہے؟۔

۳۔ خدا قادر مطلق اور خود مختار ہے وہ کسی کا پابند نہیں ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین کی سفارش ماننے پر بھی مجبور نہیں ہے سو اگر وہ ان کی شفاعت قبول کر لے تو یہ اس کا فضل ہے اور اگر قبول نہ کرے تو اس سے اس کی عدالت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

۴۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ناجائز کام کے لئے دعا کرنا اور کافر کے لئے سفارش کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا کسی کام کے لئے دعا کرنے کرانے سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ وہ کام جائز اور حلال ہے ورنہ ناجائز کام کے لئے دعا کرنا جائز نہیں ہے **واللہ الموفق**۔

آیات القرآن

قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ۚ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ٭۫ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۴۷﴾ قِیۡلَ یٰنُوۡحُ اہۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَکٰتٍ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَکَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُہُمۡ ثُمَّ یَمَسُّہُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴۸﴾ تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ ۚ مَا کُنۡتَ تَعۡلَمُہَاۤ اَنۡتَ وَ لَا قَوۡمُکَ مِنۡ قَبۡلِ ہٰذَا ۚۛ فَاصۡبِرۡ ۚۛ اِنَّ الۡعَاقِبَۃَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۹﴾ وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاہُمۡ ہُوۡدًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا مُفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

ترجمۃ الآیات

ارشاد ہوا۔ اے نوح وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے وہ تو مجسم عمل بد ہے پس جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اسکے بارے میں مجھ سے سوال نہ کر میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں

سے نہ ہونا۔ (۴۶) عرض کیا اے میرے پروردگار! میں اس بات سے تیری بارگاہ میں پناہ مانگتا ہوں کہ میں تجھ سے ایسی چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا (۴۷) ارشاد ہوا۔ اے نوح اترو۔ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہوں تم پر اور ان گروہوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں (یا بالفاظ مناسب تمہارے ساتھ والوں سے پیدا ہونے والی نسلوں پر) اور تمہارے بعد کچھ ایسے گروہ بھی ہوں گے جنہیں ہم کچھ مدت کے لئے (دنیاوی) فائدہ اٹھانے کا موقع دیں گے پھر (انجام کار) انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا (۴۸) (اے رسول) یہ (قصہ) ان غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم وحی کے ذریعے سے آپ تک پہنچا رہے ہیں اس سے پہلے نہ آپ کو ان کا (تفصیلی) علم تھا اور نہ آپ کی قوم کو۔ آپ صبر کریں۔ بے شک (اچھا) انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے (۴۹) اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے تم محض افترا پردازی کر رہے ہو (۵۰)

تشریح الالفاظ

۱۔ اهبط۔ ھبوط کے معنی ہیں نیچے اترنا۔ ۲۔ انباء۔ نباء کی جمع ہے جس کے معنی خبر کے ہیں۔
۳۔ مفترون۔ یعنی افترا پردازی کرنیوالے۔

تفسیر الآیات

۴۲۔ قیل یانوح... الآیة

جب طوفان تھم گیا، مشرک و کافر ہلاک ہو گئے۔ پانی تہہ نشین ہو گیا اور کشتی نوحؑ کوہِ جودی پر ٹھہر چکی تو خدا نے جناب نوحؑ کو سلامتی اور برکات کے ساتھ زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ یہ سلامتی اور خیر و برکات جناب نوحؑ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں کے بھی شامل حال ہوں گی جو آپ کے ہمراہ ہیں کہ سب کے مال و جائداد اور اولاد میں برکت ہوگی اور اضافہ و ازدیاد بھی اور آئندہ زمانہ میں انہی لوگوں سے مختلف قومیں

اور امتیں ہوں گی لہٰذا علی امم ممن معك میں وہ تمام لوگ داخل ہیں جو قیامت تک ان لوگوں کی نسل سے پیدا ہوں گے۔ ہاں! البتہ ان کی نسل سے جو مشرک و کافر ہوں گے وہ مبارک نہیں ہوں گے۔ بے شک ہم ان کو ایک خاص وقت تک مہلت دیں گے اور وہ اس پر خوش بھی ہوں گے مگر وہ بالآخر دوزخ کے ابدی عذاب میں مبتلا ہوں گے اسی مطلب کو و امم سنمتعهم ثم يمسهم مناعذاب اليم۔ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اخروی فوز و فلاح کو صرف اہل ایمان کے ساتھ مختص قرار دیا گیا۔

۴۳۔ تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ... الآية۔

قبل ازیں یہ حقیقت کئی بار واضح کی جا چکی ہے کہ حقیقی عالم الغیب صرف خداوند عالم ہی ہے باقی رہے انبیاء و مرسلین یا ان کے اوصیاء و منتجبین تو وہ صرف اتنا جانتے ہیں جس قدر خدا ان کو بتاتا ہے اس لئے خدائے مہربان ارشاد فرما رہا ہے کہ جناب نوح علیہ السلام اور ان کے طوفان کی یہ تفصیلی خبریں وہ غیبی خبریں ہیں جن کو نہ آپ تفصیلاً پہلے جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔ ہم نے ہی بذریعہ وحی آپ کو یہ واقعات بتائے ہیں اور یہ بات آپ کی صداقت و حقانیت کی بین دلیل ہے کہ قوم ان پڑھ ہے اور آپ یہ خبریں معلوم کرنے کے لئے کہیں باہر گئے نہیں ہیں۔ اور یہاں کوئی ایسا لٹریچر بھی موجود نہیں ہے جس میں یہ واقعات مذکور ہوں تو ان حالات میں ان واقعات کے معلوم کرنے کا وحی کے سوا اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے؟ جبکہ تورات اور انجیل وغیرہ میں بھی یہ سرگزشت اس تفصیل کے ساتھ مذکور نہیں ہے۔

۴۴۔ فَاصْبِرْ... اِنَّ الْعَاقِبَةَ... الآية۔

اس آیت کے آخر میں حضرت رسول خداؐ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کی نبوت کالشمس فی نصف النہار سے بھی زیادہ واضح و آشکار ہونے کے باوجود کچھ سیاہ بخت آپ کو نبی نہیں مانتے تو آپ کو اس سے ملول خاطر نہیں ہونا چاہئے اور جناب نوحؑ کی طرح صبر و ثبات اور استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہئے جنہوں نے ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ نبوت کا فریضہ ادا کیا حالات کا مقابلہ کیا مصائب و آلام پر صبر کیا اور اس کے باوجود چند آدمیوں کے سوا کوئی مومن نہیں ہوا۔ مگر انجام کار فتح و فیروزی انہی کو نصیب ہوئی اور ان کے مخالفین تباہ و برباد ہو گئے۔ آپ بھی انہی کی طرح صبر و ثبات سے کام لیں اور یاد رکھیں کہ ابتداء میں دشمنان دین بظاہر جس قدر کامیاب ہوں انجام کار کامیابی و کامرانی متقیوں اور پرہیزگاروں کو ہی حاصل ہوتی ہے لہٰذا ایک وقت آئے گا کہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

۴۵۔ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ... الآية۔

جناب ہود علیہ السلام اور دوسرے تمام داعیان حق کی طرح ان کی دعوت اور پیغام نیز ان کے مختصر

سوانح حیات کا تذکرہ قبل ازیں تفسیر کی تیسری جلد میں سورۂ اعراف کی آیت ۶۵ سے لے کر آیت ۷۲ تک تفصیل کے ساتھ کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا قارئین کرام اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اگرچہ اس سورہ میں سات پیغمبروں کے حالات وواقعات مذکور ہیں مگر سورہ کا نام ہود ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان کے قصہ اور واقعہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

آیات القرآن

یٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى الَّذِىْ فَطَرَنِىْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِىْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِىْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾

ترجمۃ الآیات

اے میری قوم! میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی مالی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے (۵۱) اور اے میری قوم! اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو۔ اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو (اس کی طرف رجوع کرو) وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا۔ اور تمہاری (موجودہ) قوت میں مزید

اضافہ کردیگا۔اور (میری دعوت سے) جرم کرتے ہوئے منہ نہ موڑو۔(۵۲)انہوں نے کہا اے ہودتم ہمارے پاس کوئی کھلی ہوئی دلیل لے کرنہیں آئے۔اور ہم تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں ہے۔اور نہ ہی ہم آپ کی بات تسلیم کرنے والے ہیں (۵۳) ہم تو بس یہی کہتے ہیں کہ ہمارے خداؤں میں سے کسی خدا نے آپ کو کچھ (دماغی) نقصان پہنچا دیا ہے۔انہوں (ہود) نے ان لوگوں کو کہا کہ میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔اورتم بھی گواہ رہو کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم نے (حقیقی خدا کو چھوڑ کر) اس کا شریک بنا رکھا ہے (۵۴)۔تم سب مل کر میرے خلاف اپنی تدبیریں کرلو۔اور مجھے (ذرا بھی) مہلت نہ دو۔ (۵۵)میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اورتمہارا بھی۔کوئی بھی چلنے پھرنے والا ایسا جاندارنہیں جس کی چوٹی اس کے قبضہء قدرت میں نہ ہو یقینا میرا پروردگار (عدل و انصاف) کی سیدھی راہ پر ہے(۵۶)۔

تشریح الالفاظ

ا۔مدراراً۔ کے معنی ہیں موسلا دھار۔ ۲۔اعتراک اعتریٰ یعتری۔ کے معنی ہیں مسلط ہونے اور مّس کرنے کے ہیں۔ ۳۔سوء۔سوء کے معنی برائی اور بیماری کے ہیں یہاں دماغی نقصان مراد ہے۔

تفسیر الآیات

۴۶۔یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ ...الآیۃ

یہ وہی بات ہے جو ہر دور میں داعیان حق اپنی قوم سے کہتے رہے ہیں کہ ہم جواس طرح تندہی وجان کاہی سے تمہیں تبلیغ کررہے ہیں اس میں ہمارا کوئی ذاتی مفادنہیں ہے۔ہم تم سے کچھ لینا نہیں چاہتے بلکہ کچھ دینا چاہتے ہیں۔اور ہم تمہارے سچے خیرخواہ ہیں تمہاری اصلاح وفلاح کے خواہشمند ہیں۔باقی رہی ہماری اجرت تو وہ ہمارے پروردگار کے ذمہ ہے۔جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور ہمیں بھیجا ہے۔کام اس کے لئے کریں اور اجرت تم سے مانگیں بھلا اس کا کوئی جواز ہے؟ کیا اتنی واضح بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت جس کی بجا آوری میں قصد قربت شرط ہے۔اس کا معاوضہ خدا کے سوا کسی اور سے طلب کرنا جائز نہیں ہے۔لہٰذا جو لوگ مجلس پڑھنے اور نماز پڑھانے کو عبادت بھی مانتے ہیں اور پھر پڑھنے پڑھانے پر لوگوں

سے مک مکا اور چک چکا بھی کرتے ہیں تو ان کے عمل سے ان کے قول کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوٹ جاتا ہے کہ ان یقولون الا کذبا۔اسی لئے ان لوگوں کی تبلیغ کا سامعین پر کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ ع

یہ بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

۴۷۔وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ... الآية

استغفار وتوبہ کا باہمی فرق

گذشتہ گناہوں کی بخشش طلب کرنے کو استغفار اور سابقہ گناہوں پر نادم ہونے اور آئندہ ان کا اعادہ نہ کرنے کے عزم بالجزم کرنے اور اپنی عبادت وتوجہ کا مرکز خدا کو قرار دینے کو توبہ کہا جاتا ہے۔

توبہ واستغفار کے بعض فوائد کا بیان

۱۔اس سے سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔التائب من الذنب کمن لاذنب له

۲۔اس سے آخرت کی دائمی فوز وفلاح حاصل ہوتی ہے

۳۔اس سے موسلا دھار بارش برستی ہے جس کی وجہ سے بنجر زمین آباد ہوجاتی ہے۔قحط سالی اور معاشی بدحالی ختم ہوجاتی ہے اور فارغ البالی وخوشحالی کا دور شروع ہوجاتا ہے

۴۔اس سے قوت وطاقت میں اضافہ ہوتا ہے جس میں بدنی صحت اور جائیداد و اولاد کی کثرت و فراوانی بھی داخل ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ سوچ کہ توبہ وانابہ اور دین دار رہنے سے غربت وافلاس کا دور شروع ہوجاتا ہے غیر اسلامی ہے بلکہ توبہ واستغفار کی برکت سے دنیا وآخرت ہر دو میں بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں اس سے مال واولاد میں وسعت وبرکت بھی ہوتی ہے اور اجر وثواب میں اضافہ بھی ہوتا ہے و ذلك هو الفوز العظيم

ایک غلط سوچ کا سد باب

لہٰذا یہ خیال نہ کرو کہ بارش تمہارے دیوتا برساتے ہیں اور فتح وکامرانی بھی وہی لاتے ہیں۔لہٰذا اگر تم نے ان کا دامن چھوڑ دیا تو تم روزی اور فتح ونصرت سے محروم ہوجاؤ گے ایسا نہیں بلکہ زمین وآسمان کا حاکم اعلیٰ خدا ہے۔لہٰذا جو لوگ خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے دین کا دامن مضبوطی سے تھامتے ہیں تو خدائے رحیم وکریم ان پر زمین وآسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے بہرکیف اس آیت مبارکہ میں وہی بات کی گئی ہے جو اسی سورہ کے آغاز یعنی آیت ۳ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے کہلوائی گئی ہے کہ و ان

استعفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعاً حسناً الایہ اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرواوراس کی طرف رجوع کرو۔کہ وہ ایک مقررہ وقت تک تمہیں زندگی کے فوائد سے بہرہ مند کرے گا

۴۸۔ قَالُوْا يٰهُوْدُ... الآیۃ

کفار کی دائمی غلط روش کا تذکرہ

اگر چہ ہمیشہ انبیاء بینات کے ساتھ آتے رہے ہیں معجزات لاتے رہے ہیں اور قوم کو دکھاتے رہے ہیں مگر کفار ومشرکین نے ہمیشہ یہی جاہلانہ اور متعصّبانہ جواب دیا ہے کہ آپ نے کوئی معجزہ اور روشن دلیل تو پیش کی نہیں ہے کہ جس سے متاثر ہوکر ہم اپنے قدیمی معبودوں کو چھوڑ کر آپ پر ایمان لائیں ہمارا خیال ہے کہ چونکہ آپ ہمارے معبودوں کا شکوہ شکایت کرتے رہتے ہیں لہٰذا ان میں سے بعض نے ناراض ہوکر آپ کو دماغی خلل میں مبتلا کر دیا ہے اس لئے آپ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔

۴۹۔ قَالَ اِنِّيْۤ اُشْهِدُ... الآیۃ

انبیاء کے توکل علی اللہ کا ایک منظر

قوم کی یہ بات سن کر جناب ھودؑ کی غیرت توحید بھڑک اٹھی اور پورے جلال کے ساتھ فرمایا کہ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تمہارے خود ساختہ شریکوں سے بری اور بیزار ہوں پھر ان کے معبودوں سے برات کے اس اعلان کے بعد فرمایا کہ تمہارا یہ جو خیال ہے کہ تمہارے ان معبودوں نے مجھے کچھ دماغی ضرر وزیاں پہنچایا ہے تو میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ تم اور تمہارے یہ معبود سب مل کر میرے خلاف جو سازش اور داؤ ہاتھ کرنا چاہتے ہو سب کرلو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو اچھی طرح سن لو کہ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ میرا تکیہ اور بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی اور یہی توکل ایک بندہ مومن کی وہ ڈھال ہے جس کے بل پر وہ کسی مادی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتا۔روئے زمین پر تمام چلنے والے جانداروں کی پیشانی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اس کے اذن واجازت کے بغیر کوئی چیز کسی کو کوئی نقصان وزیاں نہیں پہنچا سکتی بے شک میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے یعنی عدالت کے راستے پر ہے کہ جو کرتا ہے ٹھیک ہی کرتا ہے کیونکہ وہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی کہ اس کا کوئی قول وفعل حکمت ومصلحت سے خالی نہیں ہوتا وہ بھلائی کے بدلے بھلائی عطا کرتا ہے اور برائی کے عوض کبھی سزا دیتا ہے اور کبھی معاف کر دیتا ہے۔(تفسیر صافی)

صاحب معارف القران لکھتے ہیں ''پوری قوم کے مقابلہ میں ایسا بلند و بانگ دعوی اور ان کو غیرت دلانا

اور پھر پوری بہادر قوم میں سے کسی کو مجال نہ ہونا کہ ان کے مقابلے میں کوئی حرکت کرے یہ سب ایک مستقل معجزہ تھا ہود ؑ کا جس سے ان کی اس بات کا بھی جواب ہوگیا کہ آپ نے ہمیں کوئی معجزہ نہیں دکھلایا اور اس کا بھی جواب ہوگیا کہ ہمارے بتوں نے آپ کو دماغی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے کیونکہ اگر بتوں میں یہ طاقت ہوتی تو اس وقت ان کو زندہ نہ چھوڑتے۔(معارف القرآن ج ۴)

آیات القرآن

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّآ أُرْسِلْتُ بِهٖٓ إِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا ؕ إِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَأُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ أَلَآ إِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ وَإِلٰى ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا إِلَيْهِ ؕ إِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾

ترجمۃ الآیات

اس پر بھی اگر تم روگردانی کرو تو جو (پیغام) دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے (اور حجت تمام کر دی ہے) اب اگر تم نے یہ پیغام قبول نہ کیا تو میرا پروردگار تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لائے گا اور تم اس کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے بے شک میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ونگران ہے (۵۷) اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ گیا تو ہم نے

اپنی خاص رحمت سے ہود کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے نجات دے دی اور انہیں ایک سخت عذاب سے بچا لیا (۵۸) اور یہ ہے قوم عاد جس نے جان بوجھ کر اپنے پروردگار کی آیتوں (نشانیوں) کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش اور دشمن (حق) کی اطاعت کی (۵۹) (اس کی پاداش میں) اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور آخرت میں بھی آگاہ ہو جاؤ کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کا انکار کیا سو ہلاکت و بربادی ہے ھود کی قوم عاد کے لئے (۶۰) اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الہٰ نہیں ہے اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی نے تمہیں اس میں آباد کیا لہٰذا اس سے مغفرت طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو بے شک میرا پروردگار قریب بھی ہے اور مجیب بھی (دعاؤں کا قبول کرنے والا) بھی (۶۱)

تشریح الالفاظ

۱۔عذاب غلیظ۔کے معنی ہیں سخت عذاب۔

۲۔جحدوا۔جحد کے معنی انکار کے ہیں۔

۳۔عنید۔کے معنی ہیں جبار سخت سرکش دشمن (حق)۔

۴۔بعد۔کے معنی ہیں ہلاکت و بربادی

تفسیر الآیات

۵۰۔فَإِنۡ تَوَلَّوۡا ... الآیة

جناب ہودؑ کی اپنی قوم کو آخری تنبیہ

جناب ہودؑ نے اپنی قوم کو آخری تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا میرا فرض تبلیغ کرنا تھا جو میں ادا کر چکا اب اگر تم اسی طرح صداقت و سچائی سے روگردانی کی روش پر اڑے رہے تو پھر اپنی اس روش کے نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ قانون الٰہی یہ ہے کہ وہ ایسی سرکش قوموں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسری قوموں کو دے

دیتا ہے۔لہٰذا اب تم ہلاک ہو جاؤ گے اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو مل جائے گی اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے یقینا میرا پروردگار ہر چیز پر ناظر و نگران ہے۔کئی برخود غلط قومیں یہ سمجھتی ہیں کہ دنیا کی سب چمک دمک اور اس کی رونق انہی کے دم خم سے ہے اور اگر وہ نہ رہیں تو دنیا کی تمام رونقیں ختم ہو جائیں گی اور دنیا پر گھپ اندھیرا چھا جائے گا مگر جب ان کا مقررہ وقت پورا ہو جاتا ہے اور وہ قومیں حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں تو خدا دوسری قوموں کو ان کی جگہ لاتا ہے اور بدستور دنیا کی چہل پہل باقی رہتی ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ یونہی جاری وساری رہے گا

ہزاروں اٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے محفل کی

۵۱۔ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا...الآیة

چنانچہ ایسا ہی ہوا جب اللہ کا عذاب نازل ہوا تو تمام جبار و سرکش لوگ ہلاک و برباد ہو گئے اور اہل ایمان نجات پا گئے اور جیسا کہ ہم سورہ اعراف میں وضاحت سے بیان کر چکے ہیں کہ یہ عذاب بادصرصر یعنی ایسی تند و تیز ہوا کے طوفان کی شکل میں نمودار ہوا تھا جس نے ہر چیز کو تہ و بالا کر دیا تھا آدمی ہوا میں اوپر اڑتے اور پھر اوندھے گرتے اور برباد ہو جاتے اسی طرح پوری قوم عاد برباد ہوگئی اور خدا نے اپنے دستور کے مطابق جناب ہود علیہ السلام اور ان کے ان ساتھیوں کو جو ان پر ایمان لائے تھے اپنے فضل و کرم سے اس سخت عذاب سے بچا لیا یہ ہے نجینا ہوداً کا مفہوم اور نجیناهم من عذاب غلیظ۔میں جس شدید عذاب سے نجات کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے وہی دنیاوی طوفان باد بھی مراد ہو سکتا ہے اور آخرت کا سخت عذاب بھی اور اسی کو عام مفسرین نے مراد لیا ہے۔

۵۲۔ وَتِلْكَ عَادٌ...الآیة

قوم عاد کے جو سردار اور حاکم تھے وہ تو بہرحال ظالم اور سرکش تھے جو اپنی متکبرانہ روش کی وجہ سے قبول حق سے انکاری تھے اور جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو انہوں نے بھی عقل و فکر کا دامن چھوڑ دیا تھا لہٰذا۔۱۔ان سب نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار کیا۔۲۔اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔یہاں ''رسلہ'' وارد ہے جو کہ رسول کی جمع ہے جبکہ انہوں نے صرف ایک رسول کی نافرمانی کی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ سب رسولوں کی تعلیم اور دعوت ایک ہی قسم کی تھی تو گویا ایک کا انکار اور اس کی تکذیب سب کے انکار کے مترادف ہے نیز مخفی نہ رہے کہ یہاں ان لوگوں کے انکار کو جحود سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے ان کے انکار کی نوعیت کا سراغ ملتا ہے جس کے معنی ہیں کسی غلط فہمی کی بناء پر نہیں بلکہ جان بوجھ کر محض ہٹ دھرمی اور شرارت سے کسی چیز کا انکار کرنا۔۳۔اور

ہر جبار و سرکش حاکم کے احکام کی پیروی کرنا۔

۵۳۔ وَ اُتْبِعُوْا ... الآية

قوم عاد کا انجام بد

قوم عاد کی اس نا ہنجاری اور بد کرداری کا انجام یہ ہوا کہ ہلاکت و بربادی کے علاوہ دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی آخرت میں بھی سن رکھو کہ جناب ہود علیہ السلام کی قوم عاد کے لئے ہلاکت و بربادی ہو اس آیت میں ان لوگوں کے لئے کحل البصیرت ہے جو کہا کرتے ہیں کہ اوروں کا کیا ذکر ہم تو شیطان پر بھی لعنت نہیں کرتے وہ غور کریں کہ خدا کی رضا اور اس کی منشا کیا ہے؟ تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ ''اتبعوا فی هذه الدنیا لعنة من الناس ویوم القیامة لعنة علی رؤس الخلائق'' یعنی اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگانے کا مطلب ہے کہ لوگ برابر ان پر لعنت کرتے رہیں گے اور آخرت میں تمام مخلوق کے مجمع عام میں ان پر لعنت کی جائے گی۔

۵۴۔ وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ... الآية

جناب صالح علیہ السلام کا اجمالی تذکرہ

جناب صالح علیہ السلام کے حالات زندگی ان کی دعوت، ناقہ صالح اور قوم کی نافرمانی اور اس کے انجام کا تذکرہ تفسیر کی تیسری جلد میں سورہ اعراف کی آیت ۷۳ تا ۷۹ میں ضروری تفصیل و تشریح کے ساتھ گزر چکا ہے لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے ہاں البتہ یہاں بعض امور پر مختصر تبصرہ کیا جائے گا جو وہاں مذکور نہیں ہیں۔

آیات القرآن

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ﴿۶۳﴾ وَ یٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ

اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾

ترجمۃ الآیات

انہوں نے کہا اے صالح اس سے پہلے تو ہمارے اندر ایک ایسا شخص تھا جس سے (بڑی) امیدیں وابستہ تھیں کیا تم ہمیں اس سے روکتے ہو کہ ہم ان معبودوں کی پرستش نہ کریں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کیا کرتے تھے؟ اور ہمیں تو اس بات میں بڑا ہی شک ہے جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو (۶۲) صالح نے کہا اے میری قوم کیا تم نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی خاص رحمت بھی عطا فرمائی ہے تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اس کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا؟ تم تو میرے لئے خسارے میں اضافہ کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے (۶۳) اور اے میری قوم یہ اللہ کی خاص اونٹنی ہے جو تمہارے لئے ایک خاص نشانی (معجزہ) ہے پس اسے آزاد چھوڑ دو تا کہ اللہ کی زمین سے کھائے اور خبردار اسے کسی قسم کی اذیت نہ پہنچانا ورنہ بہت جلد عذاب تمہیں آ پکڑے گا (۶۴) پس ان لوگوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اسے مار ڈالا تب صالح نے کہا کہ اب تین دن تک اپنے گھروں میں فائدہ اٹھالو (کھا پی لو) یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہے (۶۵) پس جب ہمارا حکم (عذاب) آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے بچالیا بیشک پروردگار بڑا طاقتور، بڑا زبردست ہے۔ (۶۶)

تشریح الالفاظ

۱۔مرجواً۔یہ رجایر جو رجاء۔سے مشتق ہےجس کے معنی ہیں جس سے امید وابستہ تھی۔
۲۔ تخسیر ۔کے معنی خسارہ اور نقصان کے ہیں۔
۳۔فعقر و ھاعقر کے معنی کونچیں کاٹنے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۵۵۔ قَالُوْا یٰصٰلِحُ ... الآیۃ

قوم صالح کا پہلے ان سے امیدیں وابستہ کرنا اور پھر مایوس ہونا

جناب صالح علیہ السلام کی دعوت حق یعنی پروردگار عالم کی وحدانیت کے اقرار اور اس کی عبادت کرکے اس اقرار کی پختگی کا اظہار کرنے کے جواب میں قوم نے کہا اے صالح آپ سے تو ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں کہ تم ہماری سرداری اور پیشوائی کروگے کیا تم ہمیں ان (بتوں) کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہو جنکی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے؟ ہم تو آپ کی دعوت کے متعلق شک میں مبتلا ہوگئے ہیں۔

عام لوگوں کی عادت

''ہمیشہ یہ بات دیکھی گئی ہے اور اب بھی دیکھی جاسکتی ہے کہ جب کبھی ایک غیر معمولی قابلیت کا آدمی قوم میں پیدا ہوتا ہے تو لوگ اس کی قابلیت کو سراہتے ہیں اور اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرتے ہیں کہ یہ ہمارا پیشوا ہوگا باپ کا نام روشن کرے گا لیکن جب وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جو ان کے طور طریقہ کے خلاف ہوتی ہے تو گردن موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو نکما نکلا ہماری ساری امیدیں خاک میں ملادیں گویا بزرگی و پیشوائی کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جو حق بات معلوم ہو اس کی لوگوں کو دعوت دی جائے قرآن نے یہاں قوم ثمود کا جو جواب نقل کیا ہے اس کا مطلب یہی ہے'' (ترجمان القرآن ج ۲)۔

ہر دور کے اعاظم و اکابر کو اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا ہے اور یہی صورت حال پیغمبر اسلام کو بھی پیش آئی تھی۔جن کو پہلے پورا عالم عرب صادق و امین جانتا تھا اور ان سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں مگر جب انہوں نے اعلان نبوت کیا اور ان لوگوں کی خواہشات کے خلاف دینی حقائق بیان کئے اور ان لوگوں کو بت

پرستی سے روکا تو ان سب کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور سب ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔

الغرض جناب صالح علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا اے میری قوم والو جب میں اپنے پروردگار کی طرف سے اپنی حقانیت وصداقت کی روشن دلیل و برہان کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور اس نے مجھے اپنی خاص رحمت بھی عطا کی ہے تو اگر میں (تمہاری بات مان کر) اس کی نافرمانی کروں تو اللہ کے مقابلہ میں کون میری مدد کرے گا؟ اور اس کی گرفت سے کون مجھے چھڑائے گا؟ اگر میں تمہاری بات مان کر اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو جاؤں تو تمہارا اعتماد بحال رہے گا اور تم خوش ہو جاؤ گے مگر اس طرح مجھے خدا کی ناراضگی مول لینا پڑے گی اور اس میں میرا سراسر نقصان وزیاں ہے اس پر قوم نے معجزہ کا مطالبہ کیا اور کہا فات بایۃٍ ان کنت من الصادقین۔ (الشعراء) اگر آپ سچے ہیں تو کوئی معجزہ لائیں جس کے جواب میں خدا نے بطور اعجاز نبوت چٹان سے ایک اونٹنی برآمد کر کے ان کی قوم کے سامنے پیش کی جو ناقہ صالح کے نام سے مشہور ہے جسے سورہ والشّمس میں ''ناقۃ اللہ'' اللہ کی خاص اونٹنی کہا گیا ہے اور فرمایا یہ اونٹنی تمہارے لئے معجزہ ہے اسے زمین خدا میں کھانے پینے کے لئے چھوڑ دو اور برائی سے اسے ہاتھ بھی نہ لگاؤ ورنہ تمہیں بہت جلد عذاب پکڑ لے گا۔

بہرکیف ان بدبختوں نے اس ناقہ کی کونچیں کاٹ ڈالیں جس پر جناب صالح علیہ السلام نے ان سے کہا اب تمہیں صرف تین دن کی مہلت دی جاتی ہے لہٰذا اپنے گھروں میں مزے کر لو چنانچہ چوتھے دن عذاب خداوندی کے نزول کا وقت آ گیا تو ارشاد قدرت ہوتا ہے کہ ہم نے صالح اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت واسعہ سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچا لیا اور ظالموں کو ایک زبردست کڑک نے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گر گئے اور اس طرح نیست و نابود ہو گئے کہ گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی نہ تھے یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس بات کا کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا۔ آگاہ ہو کہ ہلاکت و بربادی ہے قوم ثمود کے لئے مخفی نہ رہے کہ سورہ اعراف میں قوم ثمود کی ہلاکت کے بارے میں رجفہ یعنی زلزلہ کا لفظ وارد ہے **فاخذ تھم الرجفۃ** اور یہاں صیحہ یعنی کڑک اور سخت آواز کا لفظ مذکور ہے **واخذ الذین ظلموا الصیحۃ**۔ اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے ممکن ہے کہ وہ ان دونوں عذابوں سے ہلاک ہوئے ہوں یا ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کہ اس کڑک نے ان کے دلوں میں خوف خدا اور رعشہ پیدا کر دیا ہو۔ واللہ العالم

آیات القرآن

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنْ

لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَآ إِنَّ ثَمُودَاْ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرَٰهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَٰمًا ۖ قَالَ سَلَٰمٌ فَمَا لَبِثَ أَن جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَءَآ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّآ أُرْسِلْنَآ إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَأَتُهُ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَٰهَا بِإِسْحَٰقَ وَمِن وَرَآءِ إِسْحَٰقَ يَعْقُوبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ يَٰوَيْلَتَىٰٓ ءَأَلِدُ وَأَنَا۠ عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِى شَيْخًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوٓا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۖ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَٰتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ﴿٧٣﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک زوردار کڑک نے آ پکڑا وہ اس طرح اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (٦٧) کہ گویا وہ کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے آگاہ ہو جاؤ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کا انکار کیا آگاہ ہو کہ ہلاکت و بربادی ہے قوم ثمود کے لئے (٦٨) بے شک ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے اور کہا تم پر سلام انہوں نے (جواب میں) کہا تم پر بھی سلام پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے (٦٩) مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (کھانے) کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انہیں اجنبی خیال کیا اور دل ہی دل میں ان سے خوف محسوس کیا انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں۔ ہم تو (اللہ کی طرف سے) قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں (٧٠) اور ان کی بیوی (سارہ) پاس کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑیں بس ہم نے انہیں اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی (اس پر) وہ کہنے لگیں ہائے میری مصیبت کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی جبکہ میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہو چکے ہیں یہ تو بڑی عجیب بات ہے انہوں (فرشتوں) نے کہا کیا تم اللہ کے کام پر تعجب کرتی ہو؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم

پراے (ابراہیم کے) گھروالو بے شک وہ بڑا ستائش کیا ہوا ہے، بڑی شان والا ہے (۷۳)

تشریح الالفاظ

۱۔الصیحة۔کے معنی ہیں زبردست چیخ اورعذاب۔

۲۔لم یغنوا غنٰی۔یعننی کے معنی ہیں کسی جگہ ٹھہرنا۔

۳۔عجل کے معنی ہیں بچھڑا۔

۴۔حنیذ۔یہ حنذ۔حنذ اسے صفت مفعولی ہے جس کے معنی ہیں بھنا ہوا گوشت۔

۵۔یلو یلتی۔ ویل کے معنی شروبرائی کے نزول اور ہلاکت کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۵۶۔وَلَقَدۡ جَآئَتۡ رُسُلُنَآ ...الآیة

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں فرشتوں کا آنا

قبل ازیں سورہ بقرہ آیت ۳۰ و اذ قال ربك الآیه کی تفسیر میں فرشتوں کی حقیقت بیان کی جا چکی ہے کہ وہ اجسام لطیفہ،نورانیہ رکھتے ہیں چنانچہ جب جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس خدا کے یہ فرستادہ فرشتے جو کہ بروایت امام جعفرصادق علیہ السلام چار تھے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، کروبیل (مجمع البیان)

آئے تو وہ انسانی شکل میں تھے اور آنے کے مقصد دو تھے ایک مقصد جناب ابراہیم علیہ السلام اوران کی زوجہ سارہ کو اولاد کی بشارت دینا تھا کیونکہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں ایک ہاجرہ جن کے بطن سے جناب اسمٰعیلؑ پیدا ہو چکے تھے اور دوسری ان کی خالہ زاد یا چچازاد سارہ جن کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی اور دوسرا مقصد قوم لوط کو ہلاک کرنا تھا اس پورے واقعہ کا جامع خلاصہ جو کہ قرآن اور معصومینؑ کے کلام سے واضح ہوتا ہے یہ ہے کہ جب فرشتے جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے اسلامی طریقہ کے مطابق سلام کیا (یعنی سلام علیکم کہا) اور جناب خلیلؑ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور یہ خیال کر کے کہ مہمان ہیں اور جناب ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے لہٰذا کچھ دیر نہ گزری کہ وہ بھنا ہوا بچھڑا لے آئے مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انہیں ان پر شک ہوا اور دل میں ان سے خوف محسوس ہوا کیونکہ عربوں کا دستور

تھا کہ جب کوئی آنے والا ضیافت قبول نہ کرتا تھا تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ وہ مہمان بن کر نہیں آیا بلکہ کسی برے ارادہ سے آیا ہے الغرض انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم تو فرشتے ہیں جو قوم لوط کی ہلاکت کے لئے بھیجے گئے ہیں گو یا اصلی مقصد تو وہی تھا مگر سر راہ اولاد کی بشارت دینے کی خاطر جناب ابراہیم علیہ السلام کے ہاں ٹھہرے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف شکل کے بدلنے سے اصل کے خواص و آثار تبدیل نہیں ہوتے۔ اسی لئے باوجود شکل انسانی کے اختیار کرنے کے فرشتوں نے کچھ کھایا پیا نہیں ہے کیونکہ فرشتوں کی خاصیت ہے کہ وہ کھاتے پیتے نہیں ہیں یہ جناب سارہ جو پس پردہ کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھیں اور گفتگو سن رہی ہیں۔ خواہ جناب خلیلؑ کی مہمان نوازی اور مہمانوں کے نہ کھانے پینے یا قوم لوط کی ہلاکت کی خبر سن کر یا اپنے ہاں خلاف عادت اس عمر میں فرزند کے تولد کی تعجب خیز بشارت سن کر ہنسنے لگیں اور پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا ارے غضب میرے ہاں اولاد ہوگی؟ جبکہ میں بڑھیا ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں بائبل میں مذکور ہے کہ اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال اور جناب سارہ کی عمر نوے برس تھی اور بروایت "علل الشرائع" اس وقت جناب ابراہیمؑ کی عمر ایک سو بیس سال اور جناب سارہ کی عمر نوے برس تھی۔ واللہ العالم۔ بعض آثار سے ضحك سے حیض آنا مراد لیا گیا ہے یعنی یہ بشارت سن کر ان کا بڑھاپا جوانی سے بدل گیا۔ (مجمع البیان)

بلکہ فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ آپ کے ہاں جو بچہ اسحاق متولد ہوگا وہ زندہ بھی رہے گا اور صاحب اولاد بھی ہوگا اور اس کے ہاں یعقوب نامی بیٹا پیدا ہوگا بہر حال فرشتوں نے جناب سارہ کے تعجب کو دور کرنے کے لئے کہا کیا تم خدا کے کاموں سے تعجب کرتی ہو؟ جو قادر مطلق ہے۔ اور مسبب الاسباب ہے وہ کسی مادی سبب یا نیچر کا پابند نہیں اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں آپ پر اے اہل بیت چونکہ

اہل بیت کی تین قسمیں ہیں

ا۔ سکنی۔ جو اس گھر میں سکونت پذیر ہوں۔ ۲۔ نسبی۔ جو صاحب خانہ سے نسبی رشتہ داری رکھتے ہوں۔ ۳۔ شرفی جو مجد و شرف میں گھر کے مالک سے اشتراک رکھتے ہوں لہٰذا یہاں اہل البیت سے اس کی پہلی قسم مراد ہے اور دوسری بھی مراد ہو سکتی تھی کیونکہ جناب سارہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صرف زوجیت کا ہی سببی رشتہ نہ رکھتی تھیں بلکہ وہ آپ کی خالہ زاد، یا چچا زاد بہن بھی تھیں تو اس طرح وہ خاندان نبوت کی ایک فرد تھیں اس لئے وہ اہل البیت میں داخل ہوئیں۔

افادہ

مولانا دریابادی نے اس قرآنی واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک بڑے پتے کی بات لکھی ہے ”اس قرآنی حکایت سے یہ بھی نکل آیا کہ پیغمبر برحق کے لئے (معاذ اللہ) عالم الغیب تو الگ رہا صاحب کشف ہونا بھی ضروری نہیں حضرت ابراہیم پیغمبر بلکہ بہت سے پیغمبروں کے سردار ہوئے ہیں لیکن اتنا بھی شناخت نہ کر سکے کہ نو وارد انسان ہیں یا فرشتے؟“۔ (تفسیر ماجدی)

آیات القرآن

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿٧٥﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿٧٦﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿٧٨﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿٨٠﴾

ترجمۃ الآیات

جب ابراہیمؑ کا خوف دور ہو گیا اور انہیں خوش خبری مل گئی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑنے لگے (۷۴) بے شک ابراہیم بڑے بردبار، بڑے نرم دل اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے (۷۵) (ہم نے کہا) اے ابراہیم اس بات کو چھوڑ دیں

تمہارے پروردگار کا حکم (عذاب) آچکا ہے یقیناً ان لوگوں پر وہ عذاب آکے رہے گا جو پلٹایا نہیں جا سکتا (۷۶) اور جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے مغموم ہو گئے اور تنگ دل ہو گئے اور کہا بڑا سخت دن ہے (۷۷) ان کی قوم کے لوگ (نوخیز مہمانوں کی آمد کی خبر سنکر) دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے وہ پہلے سے ہی ایسی بدکاریوں کے عادی ہو رہے تھے لوط نے کہا اے میری قوم یہ میری بیٹیاں موجود ہیں یہ تمہارے لئے مناسب اور پاکیزہ ہیں سو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی بھلا مانس نہیں ہے (۷۸) ان لوگوں نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں (۷۹) لوط نے کہا کاش مجھے تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا یہ کہ کسی مضبوط پایہ کا سہارا لے سکتا (۸۰)

تشریح الالفاظ

۱۔ الروع۔ کے معنی خوف اور ڈر کے ہیں۔ ۲۔ اواہ۔ کے معنی ہیں بہت آہیں بھرنے والا، نرم دل۔ ۳۔ یوم عصیب۔ کے معنی ہیں سخت گرم دن۔ ۴۔ یہرعون۔ یہ ھرع سے مشتق ہے جس کے معنی عجلت سے کسی طرف جانے کے ہیں۔ ۵۔ رکن شدید۔ کے معنی ہیں مضبوط پایہ

تفسیر الآیات

۷۵۔ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ... الآية

جناب خلیلؑ کا قوم کے بارے میں خدا سے جھگڑا

ارشاد قدرت ہوتا ہے کہ جب جناب ابراہیم علیہ السلام کا خوف دور ہو گیا تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے اس جھگڑے کی کچھ تفصیل تفسیر عیاشی و صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی یوں منقول ہے آپ نے فرشتوں سے کہا اگر قوم لوط میں سو آدمی مومن ہوں تو تم پھر بھی ان کو ہلاک کرو گے؟ فرشتوں نے کہا نہیں، فرمایا اور اگر پچاس ہوں تو؟ کہا نہیں فرمایا اگر تیس ہوں تو؟ کہا نہیں فرمایا اگر بیس ہوں تو؟ کہا نہیں۔ فرمایا اگر دس ہوں تو؟ کہا نہیں فرمایا اگر پانچ ہوں تو؟ کہا نہیں فرمایا اگر ایک اہل ایمان ہو تو؟ کہا نہیں

اس پر جناب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تو کم از کم اس قوم میں لوط تو موجود ہیں؟ جو جناب خلیل خدا کے خالہ زاد بھائی تھے۔ (تفسیر صافی)

اس پر فرشتوں نے کہا نحن اعلم بمن فیہا ۔ الآیہ۔ ہم بہتر جانتے ہیں کہ اس بستی میں کون ہیں ہم ان کو اور ان کے اہل وعیال کو بچالیں گے سوا ان کی بیوی کے جو ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔

جدال کا لفظ جس کے معنی لڑنے جھگڑنے کے ہیں سے جناب خلیل خدا کے اس ناز وادا پر بڑی تیز روشنی پڑتی ہے جو وہ خدا سے رکھتے تھے اس لئے بڑی دیر تک اپنے مہربان خدا سے ردوکد کرتے رہے کہ کسی طرح قوم لوط سے عذاب ٹل جائے تبھی تو خدا ان کی تعریف کر رہا ہے۔

۵۸۔ وَلَمَّا جَآئَتْ رُسُلُنَا ... الآیۃ

فرشتوں کا جناب لوطؑ کے پاس ان کی قوم کی ہلاکت کیلئے آنا

یہ واقعات تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف آیت ۸۰ تا ۸۴ میں بیان کئے جا چکے ہیں یہاں ان کا اجمالاً تذکرہ کیا جاتا ہے کہ جب یہ فرشتے نوخیز اور خوبصورت لڑکوں کی شکل میں جناب لوطؑ کے پاس پہنچے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ (یا خالہ زاد بھائی) تو صورت حال کی نزاکت کو محسوس کر کے رنجیدہ ہو گئے اور فرمایا آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔ بہر حال جب قوم کو چند خوبصورت لڑکوں کے لوطؑ کے ہاں آمد کا پتہ چلا تو وہ بدمعاش و بے حیاء دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے جو شیطان کی انگیخت سے اس سیاہ کاری کے عادی تھے۔ اور اپنا برا ارادہ ظاہر کیا۔ اس وقت جناب لوطؑ نے حالات کی ستم ظریفی سے مجبور ہو کر فرمایا کاش! مجھے تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی۔ یا میرے پاس کوئی مضبوط سہارا ہوتا جس کی پناہ لیتا پھر فرمایا میری بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لئے زیادہ مناسب ہیں اللہ سے ڈرو۔ اور مجھے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی ایک بھی شائستہ آدمی موجود نہیں ہے؟ بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور کی طرح اس دور میں بھی کافر اور مومنہ عورت کی شادی ممنوع نہ تھی لہٰذا جناب لوطؑ کا مطلب یہ تھا کہ تم میری لڑکیوں سے شادی کر لو۔ مگر میرے مہمانوں کو کچھ نہ کہو (مجمع البیان)

لیکن ہمارے قدیم مفسر قمی نے جو عموماً ارشادات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں تفسیر لکھتے ہیں یہاں لکھا ہے کہ جناب لوطؑ کے اس قول کہ "میری بیٹیاں موجود ہیں" اس سے قوم کی بیٹیاں مراد ہیں کیونکہ کسی قوم کا نبی بمنزلہ اس کے باپ کے ہوتا ہے اور قوم کی بیٹیاں اس کی نظر میں اپنی بیٹیوں کی مانند ہوتی ہیں (تفسیر قمی)

صاحب ضیاء القرآن نے بھی اسی توجیہہ کو صحیح قرار دیا ہے (ضیاء القرآن ج ۲)

اور صاحب معارف القرآن نے اسے بعض مفسرین کا قول قرار دیا ہے (معارف القرآن ج ۴)

اور صاحب تفہیم القرآن نے بھی ''ہوسکتا'' ہے کہہ کر اس تاویل کے امکان کو تسلیم کیا ہے (تفہیم القرآن ج ۲۔)

لمحہ فکریہ

بنابر مشہور جناب لوطؑ کی دو صلبی بیٹیاں تھیں جن کا نام عوراء اور ریتاء تھا۔ تو کیا یہ عقلاً ممکن ہے کہ آپ نے ساری امت کو ان سے شادی کرنے کی پیشکش کی ہو؟ مالکم کیف تحکمون۔

الغرض جب فرشتوں نے جناب نوحؑ کا قلق و اضطراب دیکھا تو بولے اے لوط! ا۔ ہم آپ کے پروردگار کے فرستادہ فرشتے ہیں۔ ۲۔ یہ لوگ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے اور آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ۳۔ اللہ ان لوگوں پر عذاب نازل کرنے والا ہے۔ ۴۔ آپ اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لے کر رات کے کسی حصے میں یہاں سے نکل جائیں سوائے اپنی بیوی کے کیونکہ اس پر وہی عذاب نازل ہونے والا ہے جو ان لوگوں پر ہوگا اور آپ لوگوں میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے ایک روایت میں وارد ہے کہ جناب لوطؑ نے پوچھا وہ عذاب کب نازل ہوگا۔ فرشتوں نے بتایا کہ؟ صبح کے وقت! جناب لوطؑ نے کہا کیا ابھی نازل نہیں ہوسکتا؟ انہوں نے کہا کیا صبح قریب نہیں ہے (تفسیر صافی)۔

بہرکیف جناب جبرئیلؑ نے اس بستی اور اس کے رہنے والوں کو ایک پر پر اٹھایا اور اتنا بلند کیا۔ کہ پہلے آسمان والے ان کے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنتے تھے۔ اور جب عذاب کے نزول کا مقررہ وقت آیا تو ان کو الٹ دیا اور ان پر سنگ گل یعنی پکی ہوئی مٹی کے پتھر مسلسل برسائے جن میں سے ہر کنکر تمہارے پروردگار کے یہاں سے نشان زدہ تھا اور ظالموں سے وہ کفار مکہ ہوں یا عرب و عجم کے دوسرے ظالم و ستم کیش یہ سزا کچھ دور نہیں ہے۔ لہٰذا یہی سزا ان کو بھی اپنی گرفت میں لے سکتی ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ توبہ و استغفار کرنے یا رحمۃ للعالمین کے وجود کی برکت سے وہ اس عذاب سے بچ جائیں۔

آیات القرآن

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا

جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

تب انہوں (مہمانوں) نے کہا اے لوط ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں یہ لوگ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے تم رات کے کسی حصہ میں اپنے اہل وعیال کو لے کر نکل جاؤ۔ سوائے اپنی بیوی کے اور خبردار تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ کیونکہ اس (بیوی) پر وہی عذاب نازل ہونے والا ہے جو ان لوگوں پر نازل ہونے والا ہے اور ان (کے عذاب) کا مقررہ وقت صبح ہے کیا صبح (بالکل) قریب نہیں ہے؟ (۸۱) پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے اس سرزمین کو تہہ وبالا کر دیا اور اس پر سنگ گل یعنی پکی ہوئی مٹی کے پتھر مسلسل برسائے۔ (۸۲) جن میں سے ہر کنکر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان زدہ تھا اور یہ (پتھر) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہیں (۸۳) اور ہم نے اہل مدین کی طرف انکے بھائی شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ میں تمہیں اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ (کفران نعمت اور غلط کاری سے) عذاب کا ایسا دن نہ آجائے جو سب کو گھیر لے (۸۴) اور اے میری قوم! عدل وانصاف کے ساتھ ناپ تول پورا کیا کرو۔ اور لوگوں کو

ان کی چیزیں کم نہ دو۔ اور زمین میں شر و فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ (۸۵) اللہ کا بقیہ حصہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایماندار ہو؟ اور میں تم پر نگران و نگہبان نہیں ہوں (۸۶)

تشریح الالفاظ

۱۔ فاسر۔ اسراء کے معنی رات کے وقت چلنے کے ہیں۔ ۲۔ سجیل کے معنی ہیں کنکر اور سنگ گل۔ ۳۔ منضود۔ نضد کے معنی ہیں سامان کا ایک دوسرے پر چننا یا ڈھیر لگانا صفت مفعولی منضود ہے۔ ۴۔ ولا تعثوا۔ عثی یعثو اور عثی یعثی عثیاً سے مشتق ہے جس کے معنی تکبر و غرور میں مبالغہ کرنے کے ہیں صفت عاث ہے۔

تفسیر الآیات

۵۹۔ وَاِلٰی مَدْیَنَ... الآیۃ۔

جناب شعیب علیہ السلام کا اجمالی تذکرہ

جناب شعیب علیہ السلام کے مختصر حالات و واقعات یا ان کی دعوت اور پیغام اور قوم کی بدسلوکی اور ان کا برا انجام وغیرہ وغیرہ ان تمام امور پر تفسیر کی تیسری جلد میں سورہ اعراف کی آیت ۸۵ سے لے کر ۹۳ تک تفصیل کے گفتگو کی جا چکی ہے۔ لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ ہر قوم میں اپنے مخصوص حالات و کوائف اور اپنے مخصوص معاشرہ و ماحول کے مطابق مختلف اخلاقی کمزوریاں اور بیماریاں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے جناب شعیب علیہ السلام کی قوم کفر و شرک کے علاوہ ناپ تول میں کمی بیشی کرنے کی مخصوص کمزوری میں مبتلا تھی کیونکہ وہ قوم مدین میں قیام پذیر تھی جو ایک بڑی تجارتی منڈی تھی۔ اس لئے وہ عام دنیاداروں کی طرح ناپ تول میں خیانت مجرمانہ کرنے کے عادی تھے یعنی لیتے وقت زیادہ ناپتے اور زیادہ تولتے تھے اور دیتے وقت کم ناپتے اور کم تولتے تھے لہٰذا جناب شعیب علیہ السلام جہاں ان کو کفر و شرک سے روکتے اور واحد و یکتا معبود و برحق کی عبادت کی تلقین فرماتے تھے وہاں اس خیانت مجرمانہ سے بھی منع کرتے تھے۔ اور عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے مگر وہ بدبخت قوم اپنے کفر و شرک اور اپنی خیانت کاری پر ڈٹی رہی۔ یہاں تک کہ سخت عذاب کے ذریعہ سے تباہ و برباد کر دی گئی۔

۶۰۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ... الآية۔

بقیۃ اللہ سے کیا مراد ہے؟

خدا کا بقیہ حصہ تمہارے لئے بہتر ہے اس بقیۃ اللہ سے کیا مراد ہے؟ اس کا ایک صاف اور سادہ سا مطلب تو یہ ہے کہ پورے ناپ تول کے بعد جتنا جائز نفع باقی بچ جائے وہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ طیب و طاہر اور حلال ہے اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے ہاں باقی رہ جانے والی نعمتیں جو ایمان و اطاعت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہیں وہ اس فانی اور عارضی مال و دولت سے بہتر ہیں جو ناجائز ذرائع سے حاصل کی جائے۔ اس کا تیسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف مراد ہیں چنانچہ کتاب اکمال الدین شیخ صدوقؒ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جب امام زمانہ ظہور فرمائیں گے تو سب سے پہلے اسی آیت کی تلاوت فرمائیں گے بقية الله خير لكم ان كنتم مومنين۔ پھر فرمائیں گے۔ انا بقية الله وحجةالله و خليفة الله عليكم۔ چنانچہ ہر سلام کرنے والا یہ کہہ کر ان کو سلام کرے گا۔ السلام عليك يا بقية الله فی ارضه اس روایت کو تھوڑے سے لفظی تغیر و تبدل کے ساتھ ابن صباغ مالکی نے اپنی کتاب فصول مہمہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ فراجع۔

آیات القرآن

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ

مِّنۡكُمۡ بِبَعِيۡدٍ۝۸۹ وَاسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ‌ؕ اِنَّ رَبِّىۡ رَحِيۡمٌ وَّدُوۡدٌ۝۹۰ قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ مَا نَفۡقَهُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَقُوۡلُ وَاِنَّا لَنَرٰٮكَ فِيۡنَا ضَعِيۡفًا‌ ۚ وَلَوۡلَا رَهۡطُكَ لَرَجَمۡنٰكَ‌ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيۡزٍ۝۹۱

ترجمۃ الآیات

ان لوگوں نے کہا کہ اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جنکی ہمارے باپ دادا پرستش کیا کرتے تھے یا اپنے اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں؟ بس تم ہی عاقل و بردبار اور نیکوکار آدمی ہو؟ (۸۷) آپ نے کہا میری قوم! مجھے غور کرکے بتاؤ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے (اپنی صداقت کی) روشن دلیل رکھتا ہوں اور پھر اس نے اپنی بارگاہ سے اچھی روزی بھی دی ہو (تو پھر کس طرح تبلیغ حق نہ کروں؟) اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ جن چیزوں سے تمہیں روکتا ہوں۔ خود ان کے خلاف چلوں۔ میں تو صرف اصلاح (احوال) چاہتا ہوں جہاں تک میرے بس میں ہے۔ اور میری توفیق تو صرف اللہ کی طرف سے ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف (اپنے تمام معاملات میں) رجوع کرتا ہوں (۸۸) اور اے میری قوم! میری مخالفت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ایسے کام کرو کہ جن کی پاداش میں تم پر بھی وہی آفت آپڑے جو نوحؑ یا ہودؑ یا صالحؑ کی قوم پر آئی تھی۔ اور قوم لوطؑ تو تم سے کچھ دور نہیں ہے (۸۹) اور اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو اور پھر اس کی جناب میں توبہ کرو (اس کی طرف رجوع کرو) بیشک میرا پروردگار بڑا رحم کرنے والا ہے، بڑا محبت کرنے والا ہے (۹۰) ان لوگوں نے کہا اے شعیب! تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تمہیں اپنے درمیان ایک کمزور آدمی دیکھتے ہیں اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر غالب نہیں ہو (۹۱)

تشریح الالفاظ

۱۔لا یجر منکم شقاقی۔ شقاق کے معنی مخالفت کے ہیں یعنی میری مخالفت تمہیں آمادہ نہ کرے۔ ۲۔ولا نفقه۔ فقه یفقه کے معنی سمجھنے کے ہیں۔ ۳۔لولا رهطک رهط کے معنی قوم وقبیلہ کے ہیں۔ ۴۔رجمناک رجم کے معنی سنگ سار کرنے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۶۱۔ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ... الآیة۔

جناب شعیب علیہ السلام کے اس پیغمبرانہ وعظ ونصیحت اور مصلحانہ تعلیم وتلقین کے جواب میں قوم نے وہی روش اختیار کی جو ہمیشہ سے جاہل اور سرکش قومیں اپنے ہادیان برحق کے خلاف اختیار کیا کرتی ہیں۔ تمسخر کیا اور مذاق اڑایا۔ کیا آپ کی نماز آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان (بتوں) کو چھوڑ دیں۔ جنکی ہمارے باپ دادا عبادت کیا کرتے تھے اور اپنے اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں؟ چونکہ جناب شعیب علیہ السلام بڑے نمازی تھے اور نماز فریضہ کے علاوہ بکثرت نوافل پڑھتے تھے اس گستاخ قوم نے بطور مذاق ان احکام کو نماز کی طرف نسبت دی کہ کیا آپ کی نماز آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم یہ نہ کریں اور وہ نہ کریں۔

۶۲۔ اِنَّکَ لَاَنْتَ... الآیة

تو ہی تو ایک عاقل و بردبار اور نیکوکار آدمی ہے اس کلام سے تمسخر کا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ تم ہی ایک ایسے رہ گئے ہو اور باقی سب حیلہ باز، نادان اور بدکار ہیں؟ اور حقیقی تعریف کا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ آپ تو بڑے بردبار اور نیکوکار آدمی تھے پہلے بھی ہمارے یہ افعال دیکھتے تھے مگر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ تو اب کیوں؟ مگر ان کو یہ حقیقت معلوم نہ تھی کہ بعثت سے پہلے انبیاء ہرچند کہ قوم کی گمراہی اور بدعملی سے بیزار تو ہوتے ہیں اور اس سے آزردہ خاطر بھی مگر وہ تبلیغ اور تلقین بعثت کے بعد کرتے ہیں۔

۶۳۔ قَالَ یٰقَوْمِ... الآیة

قوم کی اس جاہلانہ اور گستاخانہ روش ورفتار کے باوجود جناب شعیب علیہ السلام نے بڑی دلسوزی کے ساتھ فرمایا۔ اے میری قوم! مجھے غور کر کے بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے اپنی صداقت پر دلیل و برہان بھی رکھتا ہوں۔ اور اس میں مجھے مادی ومعنوی رزق بھی عطا فرمایا ہے۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ جن

برے کاموں سے تمہیں روکتا ہوں خود ان کا ارتکاب کروں کیونکہ یہ بات یعنی قول و فعل کا باہمی تضاد ایک داعی حق کے شایان شان نہیں ہے اور اس سے اس کی ساری تعلیم و تلقین بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے اس کے باوجود کیا تم یہ جانتے ہو کہ میں گمراہی اختیار کروں اور حکم حق کی تعمیل نہ کروں؟ میں صرف حسب استطاعت تمہارے عقیدہ و عمل کی اصلاح چاہتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ۔ اور یہ میری اصلاح کے لئے کدو کاش اور سعی کو کوشش بھی اللہ کی عطا کردہ توفیق کے بل بوتے پر ہے۔

۶۴۔ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ ... الآية

اے میری قوم کہیں میری مخالفت و عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ایسے کام و اقدام کرو کہ جن کی پاداش میں تمہیں وہ عذاب پہنچے جو تم سے پہلے قوم نوحؑ، قوم ہودؑ اور قوم صالحؑ کو پہنچ چکا ہے اور لوطؑ کی قوم تو تم سے کچھ دور نہیں ہے۔

لہٰذا اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو اور توبہ کرو یعنی دل و جان سے اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا پروردگار بڑا رحم کرنے والا، بڑا محبت کرنے والا ہے۔

۶۵۔ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ ... الآية

جناب شعیب علیہ السلام کا یہ ناصحانہ کلام حق ترجمان سن کر کہا قوم نے کہ آپ کی بہت سے باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور یہ اسلئے نہیں کہ ان کی زبان اور ہے یا ان کی باتیں بہت پیچیدہ ہیں۔ بلکہ محض اس لئے کہ ان کے ذہنوں کی ساخت اس قدر ٹیڑھی ہو چکی ہے کہ ایک سیدھی سادھی بات ان میں نہیں سما سکتی۔ سچ ہے کہ بقول متنبی

و کم من عائب قولاً صحیحاً
و آفتۂ من الفهم السقیم

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صحیح بات میں عیب جوئی کرتے ہیں حالانکہ وہ بات غلط نہیں ہوتی بلکہ اپنا دماغ خراب ہوتا ہے پھر کہا کہ آپ ہم میں ایک کمزور آدمی ہیں اگر آپ کا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے تم ہم پر غالب نہیں ہو۔

آیات القرآن

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّاؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَۙ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَاؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍۙ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ىٕهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴿۹۸﴾

ترجمۃ الآیات

آپ نے کہا! اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ معزز ہے؟ (اللہ سے زیادہ طاقتور ہے) جسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے (یادرکھو) تم جو کچھ کررہے ہو میرا پروردگار اس کا (علمی) احاطہ کئے ہوئے ہے (۹۲) اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ (اور اپنے طریقہ) پر عمل کئے جاؤ میں اپنی جگہ (اور اپنے طریقہ) پر عمل کررہا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کردے گا؟ اور کون جھوٹا ہے؟ اور تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں (۹۳) اور جب ہمارا حکم (عذاب) آیا تو ہم نے اپنی خاص رحمت سے شعیب کو اور ان کو جو آپ کے ساتھ ایمان

لائے تھے نجات دے دی۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک خوفناک کڑک نے آ پکڑا۔ پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے گویا وہ ان میں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے۔ آگاہ ہو جاؤ۔ ہلاکت و بربادی ہے مدین کے لئے جس طرح ہلاکت تھی قوم ثمود کے لئے (۹۵) اور یقینا ہم نے موسیٰ کو واضح نشانیوں (معجزات) اور واضح سند (عصا) کے ساتھ بھیجا (۹۶) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مگر انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم درست نہ تھا (بلکہ بالکل غلط تھا) (۹۷) قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا۔ اور اس طرح انہیں آتش دوزخ میں پہنچا دے گا کیا ہی اترنے کی بری ہے وہ جگہ جہاں وہ اتارے جائیں گے (۹۸)

تشریح الالفاظ

۱۔مکانتکم۔ مکانته کے معنی ہیں مرتبہ، بلندی، شان۔ ۲۔الورد۔المورود۔الورد کے معنی ہیں گھاٹ اور پانی کی طرف کا راستہ المورود جہاں وہ اتاریں جائیں گے۔

تفسیر الآیات

۹۶۔ قَالَ يٰقَوْمِ ...الآیة

اے میری قوم! کیا میری قوم تمہاری نگاہ میں خدا سے زیادہ معزز یا اللہ سے زیادہ زبردست ہے کہ تم اس کا پاس تو کرتے ہو مگر اللہ کا پاس نہیں کرتے بلکہ اسے بالکل پس پشت ڈال دیا ہے؟ تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور یہ کہ جھوٹا کون ہے؟ جناب شعیب علیہ السلام کی یہ بات ہمارے پیغمبر اعظم ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہے--------لی عملی ولکم عملکم انتم برئیون مما اعمل و انا بری مما تعلمون (یونس) میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے جو کچھ میں کرتا ہوں تم اس سے بری ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔

۹۷۔ولما جاء امرنا...الآیة

جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے جناب شعیب علیہ السلام کو اوران کو جو آپ پر ایمان

لائے تھے نجات دے دی اور ظالموں کو خوفناک کڑک نے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گر گئے اور اس طرح نیست و نابود ہو گئے کہ گویا وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے آگاہ ہو ہلاکت ہو مدین کے لئے جسطرح ثمود ہلاک و برباد ہوئے تھے۔

۶۸۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی...الآیۃ

جناب موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت

قبل ازیں تفسیر کی تیسری جلد اور سورہ اعراف کی آیت ۱۰۳ ثم بعثنا من بعدھم موسی...... الآیۃ تا آیت ۱۵۶ اور پھر چوتھی جلد میں سورہ یونس کی آیت ۷۵ ثم بعثنا من بعد ھم موسیٰ و ھارون۔ الآیہ سے لے کر تا آیت ۹۳ تفصیل کے ساتھ جناب موسیٰ و ہارون کی کامرانیوں اور فرعون وفرعونیوں کی ہلاکت و بربادی کے قصص و واقعات بیان کئے جا چکے ہیں لہٰذا اعادہ تکرار کی ضرورت نہیں ہے یہاں تو صرف اجمالاً موسیٰ وفرعون کی سرگذشت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہم نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں یعنی نو عدد معجزات اور بالخصوص واضح سند و دلیل یعنی عصا کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا مگر ان شامت کے ماروں نے ان پر ایمان لانے کے بجائے فرعون کے حکم کی پیروی کی اس غلط روش و رفتار کا انجام یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے دنیا میں اس کی پیروی کی ہوگی وہ اس کے پیچھے ہوں گے اور وہ بدبخت ان کے آگے آگے ہوگا اور اس طرح وہ انہیں دوزخ کے گھاٹ اتارے گا ان لوگوں کے اس ظلم و سرکشی کی پاداش میں اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی ہے کہ برابر ان پر لعنت کی جاتی رہے گی اور قیامت کے دن بھی یہ لعنت ان کے پیچھے لگی رہے گی کیا برا عطیہ ہے جو انہیں عطا کیا گیا۔ ع

سزائے ایں چنیں دوناں بجز دوزخ کجا باشد ؟

آیات القرآن

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿٩٩﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ؕ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

ترجمۃ الآیات

اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگادی گئی اور قیامت کے دن (دوزخ) کیا ہی برا عطیہ ہے جوانہیں عطا کیا جائے گا (۹۹) اے رسول یہ ان بستیوں کی چند خبریں ہیں جو ہم آپ کے سامنے بیان کر رہے ہیں۔ ان (بستیوں) میں سے کچھ تو اب تک قائم ہیں اور بعض کی فصل کٹ چکی ہے (بالکل اجڑ گئی ہیں) (۱۰۰) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور جب آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آگیا تو انہیں ان کے خداؤں نے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے اور انہوں نے ان کی ہلاکت میں اضافہ کے سوا کچھ نہ کیا (۱۰۱) اور آپ کا پروردگار جب ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے (یعنی ان کے باشندوں کو ان کے ظلم وتعدی کی وجہ سے پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ ایسی ہوتی ہے بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے (۱۰۲) بے شک اس بات میں (عبرت) کی نشانی ہے۔ اس شخص کیلئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے وہ ایسا دن ہے جس میں سب لوگ اکھٹے کئے جائیں گے اور وہ (سب کے) پیش ہونے کا دن ہے (۱۰۳) اور ہم اسے صرف ایک مدت (کے پورا ہونے) تک مؤخر کر رہے ہیں (۱۰۴) تو

اس (خدا) کی اجازت کے بغیر کوئی متنفس بات نہیں کر سکے گا (اس دن) کچھ لوگ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت (۱۰۵) جب وہ دن آئے گا تو جو بد بخت ہیں وہ آتش دوزخ میں ہوں گے ان کے لئے وہاں چیخنا چلانا ہوگا (۱۰۶) اور اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں۔ الا یہ کہ آپ کا پروردگار (کچھ اور) چاہے بے شک آپ کا پروردگار (قادر مختار) ہے جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے (۱۰۷)

تشریح الالفاظ

۱۔ الرفد المرفود۔ وہ عطیہ جو انہیں عطا کیا جائے گا۔ ۲۔ حصید۔ کے معنی ہیں کٹی ہوئی فصل۔ ۳۔ تتبیب۔ کے معنی ہیں ہلاکت۔ ۴۔ زفیر وشہیق کے معنی ہیں چیخنا اور چلانا ویسے گدھے کی آواز کے آغاز کو بھی زفیر کہا جاتا ہے۔ ۴۔ غیر مجذوذ۔ کے معنی ہیں غیر منقطع

تفسیر الآیات

۶۹۔ ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡقُرٰى... الآیۃ

ہلاک شدہ بستیوں کا تذکرہ

چونکہ اس سورہ ہود میں جناب نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک مختلف انبیاء اور ان کی امتوں کے حالات وواقعات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اسلئے اب اس کے خاتمہ پر ان حقائق کو اور ان عبر ومواعظ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو ان سرگذشتوں میں پوشیدہ ہیں اور امت مرحومہ کو ان مواعظ ونصائح سے نصیحت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور درس عبرت حاصل کرنے کی خاطر یہاں بتایا جا رہا ہے کہ وہ بستیاں جو عذاب الٰہی کی زد میں آکر تباہ وبرباد ہوئیں وہ دو قسم کی ہیں ایک وہ ہیں جو اگرچہ تباہ تو ہو گئیں مگر ان کے کھنڈرات موجود ہیں جو ہر راہ رو کو زبان حال سے اپنی بربادی کی داستان سنا رہے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کا بالکل قلع قمع ہو گیا۔ اور صفحہ ہستی سے ان کا نام ونشان ہی مٹ گیا۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور ظاہر ہے کہ خود کردہ را علاجے نیست۔

۷۰۔ فَمَآ اَغۡنَتۡ... الآیۃ

جب خدا کا عذاب نازل ہوا تو ان کے دیوی دیوتا اور خودساختہ معبودوں نے جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا بلکہ الٹا ان کی تباہی و بربادی میں اضافہ کیا اور اس طرح کہ یہ نہ اس کی پوجا پاٹ کرتے اور نہ سزائے ہلاکت میں مبتلا ہوتے۔ بیشک اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ مگر وہ پکڑتا حجت تمام ہونے کے بعد ہے تاکہ ان لوگوں کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

۷۱۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ ... الآیة

ان واقعات میں ان لوگوں کے لئے نشانی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں کہ وہ ذرا سوچیں کہ جب دنیا کا عذاب اس قدر سخت ہے تو آخرت کے عذاب کی کیا کیفیت ہوگی؟ تاکہ وہ اس سے درس عبرت لیں اور اپنی اصلاح کر لیں اور عذاب الٰہی کے اسباب و موجبات سے اپنے دامن کو آلودہ ہونے سے بچائیں یہ آخرت کا دن وہ ہے جس میں تمام اولین و آخرین اکھٹے کئے جائیں گے اور پھر جزا و سزا کے لئے ان کے تمام اقوال و اعمال کا حساب و کتاب ہوگا۔

۷۲۔ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ ... الآیة

قیامت کے دن لوگوں کے بولنے یا نہ بولنے کا کیا حال ہوگا؟

اس آیت سے اور اس جیسی ایک اور آیت سے جو یہ لا یتکلمون الا من اذن له الرحمن ورضی له قولاً معلوم ہوتا ہے کہ اس دن اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نہ بول سکے گا۔ جب کہ سورہ مرسلات کی آیت ۳۵ هذا یوم لا ینطقون ولا یوذن لهم فیعتذرون۔ کہ وہ دن ایسا ہوگا کہ کوئی بات نہیں کر سکے گا اور نہ ہی ان کو کوئی عذر و معذرت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ کوئی بھی بات نہیں کر سکے گا اس ظاہری منافات کا ازالہ انہی دو آیتوں کے الفاظ میں غور کرنے سے ہو جاتا ہے کہ جسے خدا بولنے کی اجازت دے گا وہی لب کشائی کرے گا اور وہ خاص مقربان الٰہی ہوں گے اور جسے وہ اجازت نہیں دے گا وہ نہیں بول سکے گا۔ اور دوسرا جواب وہ ہے جو حضرت امیرؑ نے ایک سائل کے ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں دیا تھا کہ قیامت کے دن بہت سے مواقف ہوں گے چنانچہ بعض مقامات پر بندے بول سکیں گے اور بعض مقامات نہیں بول سکیں گے (کتاب التوحید شیخ صدوقؒ)

۷۳۔ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ... الآیة

عقیدہ وعمل کے لحاظ سے لوگوں کے اقسام اور ان کا انجام؟

اگرچہ ملک وملت، رنگ وروپ، حسب ونسب زبان وکلام اور صنعت وحرفت وغیرہ کے اعتبار سے بنی نوع انسان کو کئی اقسام پر تقسیم کیا جا سکتا ہے مگر یہ سب امتیازات عارضی ہیں جو قیامت کے دن ختم ہو جائیں گے بلکہ آدمی کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ہاں البتہ عقیدہ وعمل کے لحاظ سے دیکھا جائے گا تو تمام بنی نوع انسان کو دو قسموں پر منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ا۔ جن کا عقیدہ وعمل غلط اور اور باطل ہے وہ شقی کہلاتے ہیں۔ ۲۔ اور جن کا عقیدہ وعمل صحیح ودرست ہے وہ سعید کہلاتے ہیں۔ تمام مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ بدعقیدہ ہیں یعنی کافر، مشرک، اور منافق ہیں وہ مخلد فی النار ہوں گے اور جو صحیح العقیدہ ہیں یعنی سچے مسلمان واہل ایمان وہ مخلد فی الجنتہ ہوں گے۔ ہاں البتہ جو عقیدۃً مومن اور عملاً فاسق ہیں اگر وہ توبہ کے بغیر مر گئے اور شفاعت سے بھی محروم رہے تو وہ اپنے کئے کی سزا بھگت کر انجام کار خدا کے فضل وکرم سے جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں

ا۔ ایک یہ کہ ان آیات میں شقی وسعید کے بارے میں وارد ہے کہ جب تک زمین وآسمان برقرار رہیں گے تب تک شقی جہنم میں اور سعید جنت میں رہیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ زمین وآسمان تو صرف قیامت تک برقرار رہیں گے اس کے بعد نہ زمین رہے گی اور نہ آسمان۔ تو پھر خلود فی النار اور خلود فی الجنۃ کا عقیدہ کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔؟

اس اشکال کا ایک جواب یہ ہے کہ مادامت السموات و الارض ایک محاورہ ہے جس سے دوام اور ابدیت مراد ہوتی ہے عربوں کی عادت ہے کہ جب کسی چیز کا دوام بیان کرنا ہو تو اس موقع پر یہ جملہ استعمال کرتے ہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آسمان وزمین سے آخرت کے آسمان وزمین مراد ہیں۔ جو دنیاوی آسمان وزمین کے فنا ہو جانے کے بعد پیدا ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات و برزو الله الواحد القهار۔ جس دن زمین وآسمان بدل کر دوسرے بنائے جائیں گے۔ اور پھر یہ تبدیل شدہ زمین وآسمان ہمیشہ برقرار رہیں گے

۲۔ دوسرا یہ کہ یہاں دونوں جگہ یعنی شقی کے مخلد فی النار ہونے اور سعید کے مخلد فی الجنۃ ہونے کے مقام پر ایک استثناء موجود ہے الا ما شاء ربک یعنی شقی ہمیشہ جہنم میں پڑیں رہیں گے سوائے اس کے کہ تمہارا

پروردگار چاہے اور سعید ہمیشہ جنت میں رہیں گے سوائے اس کے کہ تمہارا پروردگار چاہے اس سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ کبھی مشیت ایزدی کے تحت شقی جہنم سے اور مشیت الٰہی کے تحت سعید جنت سے نکل سکتا ہے اور یہ بات مسلمہ اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے۔اس ایراد کے کئی جوابات دیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ ہماری قدیم تفسیر میں وارد ہے کہ اس ثواب وعذاب اور جنت و دوزخ سے مراد عالم برزخ کا ثواب وعذاب اور برزخی جنت وجہنم مراد ہے (تفسیر قمی)

۲۔ یہ استثناء محض خدا کی قدرت کاملہ کے اظہار کے لئے ہے کہ اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو وہ اس پر قادر ہے مگر چونکہ وہ حکیم بھی ہے لہٰذا وہ اپنا یہ اختیار استعمال نہیں کرے گا (تفسیر کاشف وغیرہ)

۳۔ یہاں شقی سے مراد وہ گناہ گار اہل اسلام ہیں جنکا عقیدہ درست اور عمل خراب ہوگا۔ وہ سزا بھگت کر انجام کار جنت میں داخل کئے جائیں گے اس طرح یہاں استثناء اپنے اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے مگر بسعید کے ثواب کے سلسلے میں صرف اظہار قدرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ دوسرے جواب میں واضح کیا گیا ہے ہمارے اس بیان سے بفضلہٖ تعالیٰ ان آیات میں کوئی اجمال واشکال باقی نہیں رہتا۔ جب کہ اکثر مفسرین نے ان دو آیتوں کو ''من المواضع المشکلة فی القرآن'' قرار دیا ہے (مجمع البیان۔) والحمد للہ۔

آیات القرآن

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو نیک بخت ہیں وہ بہشت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں۔ الا یہ۔ کہ آپ کا پروردگار (کچھ اور) چاہے (یہ وہ) عطیہ ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا (۱۰۸) (اے رسول) جن کی یہ (مشرک لوگ) عبادت کرتے ہیں آپ ان کے (باطل پرست ہونے) میں کسی شک میں نہ رہیں یہ اسی طرح (کورکورانہ) عبادت کر رہے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے اور ہم ان کو (ان کے نتائج اعمال) کا پورا پورا حصہ دیں گے جس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی (۱۰۹) اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ کر دی گئی ہوتی (کہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرنی) تو کبھی کا ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور وہ اس (عذاب) کے بارے میں تردد انگیز شک میں مبتلا ہیں (۱۱۰) اور یقینا آپ کا پروردگار ان سب کو ان کے اعمال کا (بدلہ) پورا پورا دے گا۔ بے شک جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں خدا اس سے پوری طرح باخبر ہے (۱۱۱) پس (اے رسولؐ) جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ خود اور وہ لوگ بھی جنہوں نے (کفر و عصیان سے) توبہ کر لی ہے اور آپ کے ساتھ ہیں (راہ راست پر) ثابت قدم رہیں اور حد سے نہ بڑھیں (یقین کرو کہ) تم جو کچھ کرتے ہو وہ (اللہ) اسے دیکھ رہا ہے (۱۱۲) اور خبردار! ظالموں کی طرف مائل نہ ہونا ورنہ (ان کی طرح) تمہیں بھی آتش دوزخ چھوئے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی سرپرست نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی تمہاری مدد کی جائے گی (۱۱۳) (اے نبی) دن کے دونوں کناروں (صبح و شام) اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کریں بے شک نیکیاں برائیوں کر دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے ان لوگوں کیلئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (۱۱۴)

تشریح الآیات

۱۔مریہ کے معنی ہیں شک اور جھگڑا۔ ۲۔لموفوھم۔یہ توفیہ سے مشتق ہے جس کے معنی پورا پورا دینے کے ہیں۔ ۳۔شک مریب۔کا مطلب ہے تردد انگیز شک۔ ۴۔ولاترکنوا رکون۔کے معنی ہیں۔ مائل ہونا اور جھکاؤ کرنا۔ ۵۔زلفا یہ زلفت کی جمع ہے جس کے معنی رات کے ایک حصہ کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۴۷۔وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا ...الآیۃ

لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہے ہیں

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر لوگ قرآن میں اختلاف کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے ہم نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) دی تھی انہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا کچھ لوگوں نے اسے تسلیم کیا اور کچھ لوگوں نے جھٹلایا ہمیشہ سے ایسا ہوتا رہا ہے تمام پیغمبروں کو اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا آج تک کوئی قوم اپنے ہادی اور راہنما پر متفق نہیں ہوئی بقول شاعر

قیل ان لاالہ ذوولد
قیل ان الرسول قد کھنا
اذا ما نجی اللہ و الرسول معا
من لسان الوریٰ فکیف انا

لوگوں نے کہا خدا کی اولاد ہے اور لوگوں نے کہا رسول جادوگر ہے۔تو جب لوگوں کی زبان سے خدا اور رسول نہیں بچ سکے تو پھر میں کون ہوں؟ (کہ بچ سکوں)۔ ع

ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے؟

چونکہ دنیا دارالامتحان ہے یہاں آدمی کو مکمل آزادی ہے اور عوض پانے کی جگہ اگلی دنیا ہے اس لئے خدا اس دنیا میں جلد جزا یا سزا نہیں دیتا۔ورنہ فیصلہ ہو گیا ہوتا بنا بریں یہ تاخیر اسی مہلت امتحان کی وجہ سے ہے۔وہاں خدائے عادل ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دے گا۔

۷۵۔ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ... الآية

استقامت کا حکم جو کہ اسلامی عقیدہ و عمل کی روح رواں ہے

جب بھی کوئی داعی دعوت حق دیتا ہے تو اس کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔اور پھر رفتہ رفتہ اپنے آخری نقطہ عروج پر پہنچ جاتی ہے یہ وقت اس داعی کیلئے بڑا نازک ہوتا ہے کہ آیا وہ اپنی بات پر ڈٹا رہے اور مخالفین کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کرے یا پھر اپنی دعوت میں کچھ لچک پیدا کر کے مخالفین سے سمجھوتہ کر لے۔ظاہر ہے کہ پہلا طریقہ کار صحیح ہے اور دوسرا غلط۔مگر مشکلات کے باوجود جادہ حق پر اس طرح ثابت قدم رہنا کہ کسی طرف بھی تھوڑا سا جھکاؤ نہ ہو کوئی آسان کام نہیں بلکہ بڑا کٹھن مرحلہ ہے اسی استقامت کا پیغمبر اسلامؐ کو حکم دیا جا رہا ہے۔اور اسی کا حکم ان لوگوں کو دیا جا رہا ہے جو کفر و شرک سے توبہ کر کے آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں اور خدا سے لو لگائے ہوئے ہیں دنیا کی تمام گمراہیاں اور کجرویاں اسی استقامت کو ترک کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔اگر آدمی عبادات، معاملات اور دوسرے تمام شعبہ ہائے حیات اور دینی و دنیوی تعلقات میں جادہ استقامت پر قائم رہے تو کبھی گمراہی اور بے راہ روی پیدا ہو ہی نہیں سکتی اسی بناء پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ شیبتنی سورت ہود والواقعۃ۔کہ سورہ ہود اور واقعہ نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے (مجمع البیان)

اس سے سورہ ہود کے یہی آیت اور سورہ واقعہ کے شدائد قیامت مراد ہیں الغرض استقامت کی لفظ دین و دنیا کے تمام ارکان پر مشتمل ہے اور ان میں میانہ روی اختیار کرنے اور حدود شرع کے اندر رہ کر ان پر عمل درآمد کرنے اور ہر قسم کی بدعت و گمراہی سے دامن بچانے کا نام استقامت ہے

۷۶۔ وَلَا تَرْكَنُوْٓا... الآية

ظالموں کی طرف میلان کرنے کی ممانعت

رکون کے معنی ہیں کسی کی طرف قلبی میلان و رجحان کرنا ارشاد قدرت ہے کہ ظالموں کی طرف میلان بھی نہ کرو اسی سے ظلم کی قباحت واضح و عیاں ہو جاتی ہے اب رہی اس بات کی تحقیق کہ یہ میلان کس طرح ہوتا ہے؟ اس کی کئی صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔ا۔ ان کے ظلم میں شریک ہونا۔۲۔ ان کے ظلم میں ان کی اطاعت کرنا۔۳۔ان کے ظلم پر راضی رہنا اور ان کے ظلم پر ان کو نہ ٹوکنا کیونکہ **من رضی بفعل قوم فهو منهم**۔ جب کہ مومن کی نصرت کرنا فرض ہے۔۴۔ان سے محبت کرنا۔۵۔ان کی بقا و سلامتی کی تمنا کرنا۔چنانچہ اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا اگر کوئی شخص کسی ظالم کے پاس جا کر سوال کرے

اور پھر وہ اس کے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالنے اور اسے کچھ دینے تک اس کے زندہ رہنے کی تمنا کرے تو وہ بھی اس میں داخل ہے لہذا ظالموں سے کلی طور پر احتراز و اجتناب کرنا واجب و لازم ہے۔ ورنہ ان کی طرف میلان کرنے والوں کو بھی ظالموں کی طرح جہنم کی آگ چھوئے گی اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مدد گار نہ ہوگا۔

۷۷۔ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ... الآیة

دن کے دونوں سروں اور رات کے کچھ حصہ میں نماز قائم کرنے کا حکم

ارشاد قدرت ہے کہ دن کے دونوں سروں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کریں۔ سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ دن کے دونوں سروں سے نماز صبح اور نماز ظہر و عصر مراد ہے اور رات کے حصوں سے نماز مغرب و عشاء مراد ہے یہ اوقات ایسے ہی ہیں جیسے کہ سورہ اسرا کی آیت ۷۸ میں بیان کئے گئے ہیں۔ اقم الصلوة لدلوك الشمس الى غسق الليل و قرآن الفجر ان قرآن الفجر كان مشهوداً۔ نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور نماز صبح بھی جس میں (لوگ اور رات دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں) یہاں بھی دلوک شمس (سورج ڈھلنے) میں ظہر و عصر اور غسق اللیل (رات کے اندھیرے) میں مغرب و عشاء داخل ہیں اور نماز صبح کے لئے علیحدہ لفظ قرآن الفجر مذکور ہے۔ اسی بناء پر فاضل رازی نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پانچ نمازوں کے اوقات تین ہیں (تفسیر کبیر)

اور اسی سے جمع بین الصلوتین کا جواز ثابت ہو جاتا ہے اور اس کی تائید مزید پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ہوتی ہے جنہوں نے بعض اوقات بلا عذر شرعی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھا ہے (صحاح ستہ) ہاں یہ اور بات ہے کہ ہر نماز کو وقت فضیلت پر علیحدہ علیحدہ پڑھنا افضل ہے اوقات کی باقی تفصیلات کہ اوقات مختصہ کیا ہیں؟ اوقات مشترکہ کیا اور اوقات فضلیت کیا؟ اس سلسلے میں کتب حدیث وفقہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور شائقین تفصیل ہماری کتاب قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفر یہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

۷۸۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ... الآیة

نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں

مشہور یہ ہے کہ دو نمازوں کے درمیان جو گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ دوسری نماز ان کا کفارہ بن جاتی ہے۔ جب تک گناہان کبیرہ سے اجتناب کیا جائے (مجمع البیان)۔

حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا! ان الله يكفر بكل حسنة سئيةً۔ خدا ہر نیکی کو

ایک بدی کا کفارہ قرار دیتا ہے (تفسیر صافی) مگر حقوق الناس کا معاملہ سخت ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا مومن کی رات والی نماز اس کے دن والے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے (کافی وعیاشی)

اسی طرح توبہ بھی ایک نیکی ہے جو اگر مقررہ شرائط کے ساتھ کی جائے تو اس سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ رحمت حق بہانہ می جوئد بہانمی جوید۔ خدا کی رحمت بہانے تلاش کرتی ہے۔ کسی قیمت کا مطالبہ نہیں کرتی۔

آیات القرآن

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمة الآيات

اورآپ صبر کیجئے! بے شک اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا (۱۱۵) ان قوموں اورنسلوں میں جوتم سے پہلے گزر چکی ہیں معدودے چند افراد کے سوا جن کو ہم نے نجات دی تھی ایسے سمجھدار اور نیکوکار لوگ کیوں نہ ہوئے جو لوگوں کو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے اور ظالم لوگ تو اسی عیش وعشرت کے پیچھے پڑے رہے جو ان کو دی گئی تھی اور یہ سب لوگ مجرم تھے (۱۱٦) اور آپ کا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ وہ ظلم کرکے (ناحق) بستیوں کو ہلاک کردے جب کہ ان کے باشندے نیکوکار اور اصلاح کرنے والے ہوں (۱۱۷) اگر آپ کا پروردگار (زبردستی) چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت (گروہ) بنا دیتا مگر اپنی حکمت کاملہ سے اس نے ایسا نہیں کیا لہٰذا یہ لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے (۱۱۸) سوائے اس کے جس پر آپ کا پروردگار رحم فرمائے اور اسی (رحمت) کے لئے تو ان کو پیدا کیا ہے اور آپ کے پروردگار کی بات پوری ہوگئی کہ میں جہنم کو تمام جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ (۱۱۹) اور (اے رسول) پیغمبروں کے قصوں میں سے یہ سب قصے جو ہم آپ کو سناتے ہیں (یہ اس لئے ہے کہ) ہم آپ کے دل کو مضبوط کردیں اور پھر ان (قصوں) کے اندر تمہارے پاس حق آگیا۔ اور اہل ایمان کے لئے پند وموعظہ اور نصیحت و یاددہانی ہے (۱۲۰) اور (اے پیغمبرؐ) جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے کہہ دیجئے! تم اپنی جگہ اور اپنے طور پر کام کرو (اور ہم) اپنی جگہ اور اپنے طور پر کام کر رہے ہیں (۱۲۱) تم بھی (نتیجہ کا) انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں (۱۲۲) اور آسمانوں اور زمین کا علم غیب اللہ ہی سے مخصوص ہے اور اسی کی طرف تمام معاملات کی بازگزشت ہے تو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ کریں اور آپ کا پروردگار اس سے غافل نہیں ہے جو کچھ تم کرتے ہو (۱۲۳)

تشریح الالفاظ

۱۔ ما اترفو۔ ترف کے معنی خوشحالی اور عیش وعشرت کے ہیں۔ ۲۔ فواد۔ کے معنی ہیں دل اور بسا اوقات اس کا عقل پر بھی اطلاق ہوتا ہے

تفسیر الآیات

۷۹۔ فَلَوۡلَا کَانَ... الآیۃ

ہر دور میں امر و نہی کا فریضہ ادا کرنے والے لوگ تھوڑے رہے ہیں۔

خداوند عالم سابقہ آیات میں قوم نوح، عاد و ثمود وغیرہ کی ہلاکت و بربادی کی داستانیں بیان کرنے کے بعد کہ وہ کس طرح اپنے تمرد و سرکشی اور معصیت کاری کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں افسوس کے ساتھ یہ تلخ حقیقت بیان کر رہا ہے کہ ان امتوں میں سوائے قلیل افراد کے کیوں ایسے سمجھدار اور نیکوکار لوگ نہ پائے گئے جو ظالموں کو ان کے ظلم و جور اور مفسدین کو فتنہ و فساد برپا کرنے سے منع کرتے اور انہیں اس روش کے انجام بد سے ڈراتے حالانکہ چاہیے تھا کہ بہت سے ارباب عقل و دانش اور صاحبان علم و بصیرت یہ فریضہ انجام دیتے اور اگر ایسا ہوتا تو پھر ان قوموں پر عذاب نازل ہی نہ ہوتا۔ اولو بقیہ کے معنی ہیں باقی ماندہ لوگ اور چونکہ انسانی فطرت ہے کہ وہ سب سے عمدہ چیز کو باقی رکھتا ہے لہٰذا بقیۃ القوم کا مطلب ہوگا قوم کے ارباب عقل و بصیرت اور اصحاب علم و دانش۔ یعنی سمجھدار اور نیکوکار لوگ۔ مگر ہمیشہ سے ہوتا یہ رہا ہے کہ قوم میں اقلِ قلیل امر بالمعروف و نہی عن المنکر، کا فریضہ ادا کرتے ہیں اور انبیاء و آئمہ کے دوش بدوش چلتے ہیں اور اس طرح خود بھی ہلاکت سے بچتے ہیں اور دوسروں کو بھی بچاتے ہیں ورنہ ظالم اور سرکش لوگ اپنے املاک و اموال کی کثرت و فراوانی کی وجہ سے عیش و طرب میں پڑ کر احکام شریعت کو پامال کرنے اور مخلوق خدا پر ظلم کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور مصلحت بین اور عافیت کوش لوگ اپنی مخصوص مصلحتوں اور عافیت کوشیوں کی وجہ سے مجرمانہ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ جب قوم کے بڑے بڑے سرکش لوگ تباہ ہوتے ہیں تو یہ بھی ان کے ساتھ برباد ہو جاتے ہیں اور عذاب کے مواقع پر وہی امر و نہی کرنے والے معدودے چند افراد ہی محفوظ رہتے ہیں ارشاد قدرت ہے "وما ارسلنا فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا انا بما ارسلتم بہ کافرون و قالوا نحن اکثر اموالاً واولاداً وما نحن بمعذبین۔" (سبا......۳۵) ہم نے کسی بستی میں کبھی کوئی ڈرانے والا پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال اور بڑے لوگوں نے یہی کہا کہ تمہیں جو دین و احکام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور کہا کہ ہم (ان ایمانداروں سے) مال و اولاد میں زیادہ ہیں اور ہم کو عذاب نہیں کیا جائے گا الغرض وہ اسی خوش فہمی میں مبتلا رہے اور خدا نے عذاب نازل کر کے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔ ع

مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے؟

۸۰۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ ...الآية

اس آیت کے مفہوم میں سخت اختلاف کا بیان

اس آیت کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں مفسرین میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے

۱۔ بعض نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ خدا ظلم کر کے بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جبکہ ان کے باشندے نیکو کار ہوں گویا یہ آیت اس آیت کے مانند ہے ان اللہ لا یظلم الناس۔ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہاں البتہ بندے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

۲۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا کہ صرف بعض افراد کے ظلم و جور کرنے سے بستیاں برباد نہیں ہوتیں جب کہ اکثر مصلح ہوں ہاں البتہ جب اکثریت فساد پھیلانے اور ظلم ڈھانے پر تل جائے تو پھر عذاب نازل کرتا ہے

۳۔ اور بعض نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ یہاں ظلم سے کفر و شرک اور اصلاح سے عدل و انصاف مراد ہے۔ بنا بریں مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی قوم عقیدۃً گو کافر و مشرک ہو مگر انسانی معاملات میں عدل و انصاف کرتی ہو تو خدا اسے ہلاک نہیں کرتا چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واھلھا مصلحون کی تفسیر میں مروی ہے فرمایا اھلھا مصلحون ینصف بعضھا بعضھم۔ خدا بستیوں کو ظلم (یعنی کفر و شرک) کی وجہ سے تو ہلاک نہیں کرتا جب کہ اس کے باشندے ایک دوسرے سے انصاف کرتے ہوں (مجمع البیان)

اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ الملك يبقى مع الكفر ولا يبقى مع الظلم۔ کفر کے ساتھ ملک باقی رہ سکتا ہے مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا۔ ہماری نظر قاصر میں یہی تفسیر اولیٰ ہے (مجمع البیان، تفسیر صافی اور تفسیر کبیر وغیرہ)

۸۱۔ ولو شاء ربك ...الآية

اگر خدا اپنی مشیت قاہرہ سے چاہتا تو سب لوگوں کو ایک دین و مذہب پر بنا دیتا۔

یہ بات علم کلام میں ناقابل رد و دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کی جا چکی ہے کہ خدائے علیم و حکیم نے اپنی قدرت کاملہ سے اور حکمت بالغہ سے انسان کو فاعل مختار بنایا ہے اور جبر کر کے نیکی یا بدی کرانا اس کی حکمت کے خلاف ہے لہٰذا لوگ مختلف علل و اسباب اور متعدد وجوہ کی بناء پر ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر آپ کا

پروردگار خصوصی رحم وکرم فرمائے اور ظاہر ہے خدا اسی پر خصوصی رحم وکرم فرماتا ہے جو اپنی روش اور رفتار سے اسکے لئے اپنی اہلیت وصلاحیت ثابت کرتا ہے ولذلک خلقھم۔ حالانکہ اس نے انہیں اسی لئے پیدا کیا ہے؟ لذلک کا اشارہ کس طرف ہے؟ اختلاف کی طرف ہے (جو کہ قدرے دور ہے) یا رحمت کی طرف؟ (جو کے نزدیک ہے) جو جبر کے قائل ہیں انہوں نے بلاتکلف اس کا مشارالیہ اختلاف کو قرار دیا ہے کہ اللہ نے لوگوں کو پیدا ہی اختلاف کرنے کے لئے کیا ہے ان لوگوں نے یہ نہ سوچا کہ اگر اللہ نے انہیں پیدا ہی اختلاف کے لئے کیا ہے اور انہوں نے اختلاف کر کے اپنے مقصد خلقت کی تکمیل کی ہے تو پھر یہ جنت کے مستحق ہوئے انہیں دوزخ میں کیوں ڈالا جائے گا؟ ہے جبریہ کے پاس اس کا کوئی معقول جواب؟ حقیقت یہ ہے کہ ذلک کا مشارالیہ رحمت ہے جو رحم سے سمجھی جاتی ہے کہ خدا نے مخلوق کو اپنی رحمت کے لئے پیدا کیا ہے اسی لئے قرآن میں وارد ہے سبقت رحمته غضبه اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لئے ہوئے ہے اس کی رحمت بہانے تلاش کرتی ہے کوئی قیمت طلب نہیں کرتی اس کا ارشاد ہے ما یفعل الله بعذابکم ان شکرتم و آمنتم۔ اگر تم شکر گذار اور ایماندار بندے بن جاؤ تو اللہ کو تمہیں سزا دینے کی کیا ضرورت ہے؟

۸۲۔ وتمت کلمة ربك... الآية

اللہ کی بات پوری ہوئی کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا خدا نے یہ بات خلقت آدمؑ کے وقت ابلیس کے ساتھ اپنی گفتگو میں فرمائی تھی کہ ''قَالَ فَالْحَقُّ وَ الْحَقَّ اَقُوْلُ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ (سورہ ص...... ۸۴۔۸۵) میں حق بات کہے دیتا ہوں۔ اور میں تو کہتا ہی حق ہوں کہ میں تجھ سے اور جو تیری پیروی کریں گے ان سے ضرور دوزخ کو بھر دونگا چونکہ اکثریت نے اپنے ارادہ و اختیار سے اس کی اتباع اختیار کی ہے اس لئے ان سب کو دوزخ میں جھونکا جائے گا۔'' فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ''۔ (سباء۔......۲۰)

۸۳۔ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ... الآية

اس قسم کی ایک آیت سورہ انعام نمبر ۱۳۵ اور فانتظر واجیسی آیت اسی سورہ کی آیت ۱۵۸ میں گذر چکی ہے اور ان کی تفسیر انہی مقامات پر گذر چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ بے ایمانوں سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو تم اس کے نتیجہ کے منتظر رہو۔ اور جو کچھ ہم کر رہے ہیں ہم اس کے نتیجہ کے منتظر ہیں کہ دونوں کی روش اور رفتار کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے؟

۸۴۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ... الآية

انبیاء کے قصے بیان کرنے کی غرض وغایت

اس آیت میں انبیاء ماسلف کے قصص وحکایات بیان کرنے کی غرض وغایت بیان کی جارہی ہے کہ اس سے حضرت رسول خدا کو تسکین وتسلی دی جائے اور آپ کے قلب مقدس کو مضبوط ومستحکم کیا جائے اور آپ کو بتایا جائے کہ حق وباطل کی آویزش میں ہمیشہ آخری فتح حق کی ہوتی ہے تاکہ آپ مزید عزم واستقلال کے ساتھ حالات کا مقابلہ کریں اور بالواسطہ آپ کے کلمہ گوؤں کو مطمئن کیا جائے۔ تاکہ وہ مخالفت کے ان طوفانوں سے نہ گھبرائیں۔ اور جادہ رشد وہدایت پر ثابت قدم رہیں۔

۸۵۔ وللہ غیب السموات... الآیة

علم غیب خدا سے مخصوص ہے

آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ زمین وآسمان کا ہر قسم کا علم غیب خدا سے مخصوص ہے کہ وہی عالم الغیب والشہادة ہے یہ آیت بعینہ سورہ انعام کی آیت ۶۹ **و عندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو الایہ** کی مانند ہے جس کی تفسیر اسی مقام پر تفصیلاً گذر چکی ہے

۸۶۔ والیہ یرجع الامر... الآیة۔

سب معاملات کی بازگشت اسی کی طرف ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو کہ **لا معبود الا ھو**۔ اس کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں اور اسی پر توکل واعتماد کرو کہ وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگاتا۔ **الیس اللہ بکاف عبدہ** کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟ یہی اللہ کی عبادت اور اس پر توکل ہی دین اور شریعت کی جان اور روح رواں ہے تم جو کچھ کر رہے ہو خدا اس سے غافل اور بے خبر نہیں ہے وہ ہر وقت اور ہر جگہ علمی واحاطی طور پر حاضر بھی ہے اور ناظر بھی وہ سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا وسزا دے گا **من یعمل مثقال ذرة خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرة شرا یرہ**۔ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا اس کی بارگاہ میں دیر تو ہو سکتی ہے مگر اندھیر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ ایسا حقیقی عادل ہے کہ کوئی بھی شخص اس کے عدل سے محروم نہیں رہ سکتا۔

سُوۡرَۃُ یُوۡسُفَ

سورہ یوسف مکیہ وھی ماہ واحدی عشر ایۃ و اثنا عشر رکوعا

سورہ یوسف مکی ہے اس کی آیات ۱۱۱ اور رکوع ۱۲ ہیں

وجہ تسمیہ

چونکہ اس سورہ میں حضرت یوسف کا قصہ جسے احسن القصص کہا گیا ہے پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے اس لئے اس کا نام سورہ یوسف مقرر ہوا۔

مقصد نزول

علاوہ دوسرے جزوی اغراض و مقاصد کے اس سورہ کے نزول کے دو بڑے مقصد معلوم ہوتے ہیں۔ ا۔لوگوں کے منہ مانگے ثبوت کی روشنی میں پیغمبر اسلام کی نبوت کو ثابت کرنا۔

۲۔پیغمبر اسلام اور ان کی قوم کے اکابر کے درمیان جو معاملات چل رہے تھے ان پر جناب یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ کو منطبق کرنا۔ کہ جس طرح برادران یوسف علیہ السلام نے جناب یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو سلوک کیا تھا یہ لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ وہی سلوک کر رہے ہیں اور جس طرح برادران یوسف اپنی تمام تر مخالفت کے باوجود جناب یوسف علیہ السلام کے قدم بوس ہونے پر مجبور ہوئے تھے اسی طرح ایک وقت آئے گا کہ اکابر قریش بھی آنحضرتؐ سے آزادی کی بھیک مانگنے پر مجبور ہوں گے۔

عہد نزول

اسی سابقہ بیان سے اس سورہ کے زمانہ نزول کا بھی اجمالاً پتہ چل جاتا ہے۔ کہ غالباً آنحضرت کے قیام مکہ کے آخری عہد میں نازل ہوئی ہے جب کہ کفار قریش باہمی مشورے کر رہے تھے کہ آنحضرت کو شہید کیا جائے جلاوطن کیا جائے یا پھر قید کر دیا جائے

اس سورہ کے مطالب و معانی کی اجمالی فہرست

ا۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ۔، جناب اسحاق۔۔ جناب یعقوب کا بلکہ تمام انبیاءؑ کا دین وہی تھا جو پیغمبر اسلامؐ کا ہے سب کی دعوت ایک تھی۔

۲۔ کسی فتنہ وفساد کے اندیشہ کے تحت حقیقت کو چھپانا مستحسن کام ہے۔

۳۔ حکمت ربانی کے تحت مصائب وشدائد آ جاتے ہیں مگر انجام کار کامرانی حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ باوجود قلبی عدم اعتماد کے پھر بھی ظاہر قول وقرار پر اعتبار کرنا جائز ہے۔

۵۔ امانت داری اور پاکدامنی کی اہمیت اور سخت ترین حالات میں بھی اس جادہ پر ثابت قدم رہنے کا بیان۔

۶۔ ہر حال میں حتیٰ کہ قید وبند میں بھی تبلیغ حق کا فریضہ انجام دینے کی اہمیت۔

۷۔ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی اہمیت۔

۸۔ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے کی افادیت۔

۹۔ نظر بد لگنے کی بحث؟

۱۰۔ ظالموں کی مظلوم کی گریہ وزاری سے نفرت اور اس روش پر ایراد اور اس کا جواب۔

۱۱۔ زندہ محبوب کی جدائی اور اس کی مفارقت کے غم ہیں گریہ وبکا کا جواز۔

۱۲۔ اپنے ظالموں پر قابو پانے کے بعد ان سے عفو ودرگذر کرنا اور اس کی خوبی۔

۱۳۔ سجدہ تعظیمی کے جواز کا خیال اور اس کا ابطال۔

۱۴۔ اکثر لوگوں کا ایمان واسلام سے انحراف وروگردانی کرنا۔

۱۵۔ توفیق ایزدی کے بغیر کوئی شخص نفس امارہ کے شر سے نہیں بچ سکتا۔

۱۶۔ تعبیر الرویا کا علم صحیح ہے بلکہ علوم انبیاء میں سے ہے۔

۱۷۔ جناب یوسف علیہ السلام کے حالات وواقعات کا علم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی ربانی سے حاصل ہوا ہے تورات وغیرہ سابقہ محرف کتب سے یا اہل کتاب سے نہیں ہوا۔

۱۸۔ خدا حق والوں کی مدد کرتا ہے اور مخالفین کی تمام سازشوں کے باوجود ان کو کامیاب کرتا ہے بشرطیکہ حق والوں میں تقوی اور صبر کی صفت موجود ہو۔

سورہ یوسف کی تلاوت کرنے کا ثواب

ابوبصیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرمارہے تھے کہ جو شخص ہر روز یا ہر رات سورہ یوسف کی تلات کرے گا وہ بروز قیامت یوسف کے جمال کے ساتھ محشور ہوگا اور وہ قیامت کی جزع فزع سے محفوظ رہے گا۔ اور اس کے پڑوسی اللہ کے نیکوکار بندے ہوں گے جن میں سے

ایک جناب یوسف علیہ السلام ہیں اور تفسیر عیاشی میں اس کے ساتھ یہ تتمہ بھی مذکور ہے کہ وہ دنیا میں فحاشی اور زنا کاری سے محفوظ رہے گا۔ (عیاشی)

آیات القرآن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۟﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ﴿۳﴾ اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡہِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ ﴿۴﴾ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡیَاکَ عَلٰۤی اِخۡوَتِکَ فَیَکِیۡدُوۡا لَکَ کَیۡدًا ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۵﴾ وَ کَذٰلِکَ یَجۡتَبِیۡکَ رَبُّکَ وَ یُعَلِّمُکَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ کَمَاۤ اَتَمَّہَا عَلٰۤی اَبَوَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶﴾ لَقَدۡ کَانَ فِیۡ یُوۡسُفَ وَ اِخۡوَتِہٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیۡنَ ﴿۷﴾ اِذۡ قَالُوۡا لَیُوۡسُفُ وَ اَخُوۡہُ اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیۡنَا مِنَّا وَ نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِۣ ۚ﴿۸﴾ اقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡہُ اَرۡضًا یَّخۡلُ لَکُمۡ وَجۡہُ اَبِیۡکُمۡ وَ تَکُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ قَوۡمًا صٰلِحِیۡنَ ﴿۹﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡہُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ وَ اَلۡقُوۡہُ فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ یَلۡتَقِطۡہُ بَعۡضُ السَّیَّارَۃِ اِنۡ کُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا مَا لَکَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰی یُوۡسُفَ وَ اِنَّا لَہٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ اَرۡسِلۡہُ مَعَنَا غَدًا یَّرۡتَعۡ وَ یَلۡعَبۡ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ

اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ﴿۱۶﴾ قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ﴿۱۸﴾

ترجمۃ الآیات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔الف، لام، را۔ یہ ایک واضح کتاب کی آیتیں ہیں (۱)۔ بے شک ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنا کر نازل کیا ہے تا کہ تم اسے سمجھ سکو (۲) (اے رسول) ہم اس قرآن کے ذریعہ سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں اگر چہ اس سے پہلے آپ غافلوں میں سے تھے (۳) (اس وقت کو یاد کرو) جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ میں نے خواب میں گیارہ ستاروں اور سورج و چاند کو دیکھا ہے کہ میرے سامنے سجدہ کر رہے ہیں (جھک رہے ہیں) (۴) آپ نے کہا اے میرے بیٹے اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا کہیں وہ (تمہیں تکلیف پہنچانے کے لئے) کوئی سازش کرنے نہ لگ جائیں بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے (۵) اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہیں منتخب کرے گا اور تمہیں خواب کا علم عطا فرمائے گا اور تم پر نیز یعقوب کے خانوادہ پر اسی طرح اپنی نعمت پوری کرے گا جس طرح اس سے پہلے تمہارے دادا پر دادا ابراہیم واسحاق پر اپنی نعمت پوری کر چکا ہے بے شک آپ کا پروردگار بڑا علم وحکمت والا ہے (۶) بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں

کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لیے (عبرت کی) نشانیاں ہیں (۷) جب انہوں نے (یوسف کے سوتیلے بھائیوں) نے آپس میں کہا کہ باوجودیکہ ہم پوری جماعت ہیں مگر یوسف اور اس کا (سگا) بھائی (بن یامین) ہمارے باپ کو زیادہ پیارے ہیں بے شک ہمارے باپ کھلی ہوئی غلطی پر ہیں (۸) یوسف کو قتل کر دو یا کسی اور سرزمین پر پھینک دو تا کہ تمہارے باپ کا رخ (توجہ) صرف تمہاری طرف ہو جائے اس کے بعد تم بھلے آدمی ہو جاؤ گے (تمہارے سب کام بن جائیں گے) (۹) ان (برادران یوسف) میں سے ایک نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو البتہ اگر کچھ کرنا ہے تو اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو مسافروں کا کوئی قافلہ اسے اٹھا لے جائے گا (۱۰) (اس قرارداد کے بعد) انہوں نے کہا اے ہمارے والد کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم تو بڑے خیر خواہ ہیں (۱۱) وہ کچھ کھائے پئے اور کھیلے کودے ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں (۱۲) آپ نے کہا تمہارا اسے اپنے ہمراہ لے جانا مجھے غمگین کرتا ہے اور مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ تم غفلت کرو اور اسے بھیڑیا کھا جائے (۱۳) انہوں نے کہا اگر اسے بھیڑیا کھا جائے جبکہ ہماری پوری جماعت (حفاظت کے لئے) موجود ہے تو پھر ہم گھاٹا اٹھانے والے (اور بالکل گئے گزرے) ہوں گے (۱۴) پھر جب وہ (اصرار کر کے) اسے لے گئے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دیں (چنانچہ ایسا ہی کیا) اور ہم نے (اس وقت) اس (یوسف) کی طرف وحی کی کہ (ایک وقت آئے گا کہ) تم ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت جتاؤ گے جبکہ انہیں اس کا شعور نہیں ہوگا (۱۵) اور وہ شام کے وقت اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آئے (۱۶) اور کہا اے ہمارے والد ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے بس ایک بھیڑیا آیا اور اسے کھا گیا اور اگرچہ ہم سچے ہی ہوں مگر آپ تو ہماری بات کا یقین نہیں کرتے (۱۷) اور وہ اس یوسف کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر لائے آپ نے کہا (یہ جھوٹ ہے) بلکہ تمہارے نفسوں نے (اپنے بچاؤ کے لیے) یہ بات گھڑ کر تمہیں خوشنما دکھا دی ہے (بہر حال اس سانحہ پر) صبر کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس سلسلہ میں اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے (۱۸)

تشریح الالفاظ

۱۔قصص۔قص۔یقص کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں خبر دینا اور کوئی واقعہ بیان کرنا۔احسن القصص کا مطلب ہے بہترین قصہ اور قصہ کی جمع قصص اقاصیص ہے۔۲۔تاویل الاحادیث کا مطلب ہے خوابوں کی تعبیر۔۳۔عصبہ کے معنی ہیں گروہ۔۴۔الجب۔اس کے معنی ہیں گہرا کنواں اور گڑھا۔۵۔نستبق۔استباق کے معنی ہیں ایکدوسرے سے آگے بڑھنے میں مقابلہ کرنا۔۵ سول لکم انفسکم۔تسویل نفس کے معنی ہیں نفس کا کسی چیز کو مزین وخوشنما بنانا۔۶۔المستعان کے معنی ہیں جس سے مدد طلب کی جائے۔

تفسیر الآیات

۱۔الٓرٰ تِلْكَ...الآیۃ۔

سورہ بقرہ وغیرہ کے آغاز میں قرآنی حروف مقطعات پر بقدر ضرورت تبصرہ کیا جا چکا ہے مزید کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے یہ اس روشن کتاب یعنی قرآن مجید کی آیتیں ہیں جسے اس لئے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ تم اس کے حقائق ومعارف کو آسانی سے سمجھ سکو مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت صرف عربوں تک محدود ہے بلکہ وہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے بشیر ونذیر بن کر آئے ہیں جیسا سورہ سبا آیت ۲۸ میں مذکور ہے وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا۔ بلکہ ساری کائنات کے لئے رحمت بنا کے بھیجے گئے ہیں وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

بنابریں زبان تو پھر کوئی ایک ہی اختیار کی جا سکتی تھی تو اس قوم کی زبان کو ترجیح دی گئی جو براہ راست مخاطب تھے جیسا کہ قرآن پاک اور اس پر ایمان لانے والے توراۃ وانجیل کی تصدیق کرتے ہیں حالانکہ ان کی زبان اور ہے قرآن اور اہل قرآن کی زبان اور؟

اس سے معلوم ہوا کہ بعض الفاظ وعبارات تو بعض قوموں سے مخصوص ہو سکتے ہیں مگر مطالب ومعانی کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے کما لا یخفی۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔فرمایا تعلموا العربية فانها كلام الله الذی تكلم به خلقه۔عربی زبان سیکھو کیونکہ یہ اللہ کی زبان ہے جس سے وہ اپنی مخلوق سے بات کرتا ہے(تفسیر صافی بحوالہ کتاب الخصال)

۲۔نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ...الآیۃ

یہاں دو چیزیں قابل غور وفکر ہیں پہلی یہ کہ جناب یوسف علیہ السلام کے قصہ کو احسن القصص کیوں کہا گیا؟ جبکہ سب انبیاء کے قصص جو قرآن میں مذکور ہیں سب سبق آموز عبرت انگیز اور مرکز رشد وہدایت ہیں اس کی بعض وجوہ یہ ہیں۔

ا۔اس میں انسانیت کی تکمیل والے راستہ میں جو مشکلات درپیش آتی ہیں ان کا تفصیل سے تذکرہ کرکے ان سے دامن بچانے کا طریقہ اور اس راستہ کو طے کرنے کے لیے جس تقوی،صبر،عزم اور استقامت کی ضرورت ہے اس کا تذکرہ بھی موثر انداز میں کردیا گیا ہے۔

۲۔اگرچہ ماضی کے تمام واقعات سے حاضر اور مستقبل کے حالات سے نبرد آزما ہونے اور ان سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لئے درس حاصل کئے جاسکتے ہیں مگر جناب یوسف علیہ السلام اور برادران یوسف علیہ السلام کے واقعات تو گویا ایک آئینہ ہیں جن میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ سب حالات دکھائے گئے ہیں جو قوم کے ہاتھوں آپ کو پیش آنے والے تھے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ بھی بتادیا گیا ہے۔

۳۔عام طور پر لوگ ان قصوں،کہانیوں کو بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں جن میں حسن و جمال اور عشق و عاشقی کی کچھ چاشنی ہو مگر ایسے قصے عموماً مخرب اخلاق ہوتے ہیں مگر یہ قصہ باوجود حسن وعشق کی چاشنی کے اخلاق و ناموس کے تمام کلیات پر حاوی ہے اور جناب یوسف علیہ السلام کی سیرت وکردار کی پاکیزگی کی ایسے احسن طریقہ سے تصویر کشی کی گئی ہے جس سے ہر قاری کے اندر ان کی تقلید وتاسی کا جذبہ ابھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

۴۔اگرچہ قدرت نے بڑی فیاصی کے ساتھ جناب یوسف علیہ السلام کو ظاہری وباطنی حسن سے نوازا تھا۔مگر ان کے حقیقی حسن کا جوہر ان آزمائشوں سے نکھر کر سامنے آیا جو ان کو مختلف مراحل میں پیش آئیں وہ ذہانت و فطانت،کردار کی بلندی و پاکیزگی دینی اور دنیوی اقتدار یعنی نبوت وحکومت بادشاہی و پاکدامنی اور باوجود قدرت وطاقت کے عفوودرگزر کا بڑا حسین مرقع تھے۔اور پھر سارے قصہ میں کوئی بات بے ربط اور بے جوڑ نہیں ہے اور کوئی بھی قاری اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا الغرض ان وجوہ اور بعض دیگر وجوہ کی بنا پر جناب یوسف علیہ السلام کی سرگزشت کو احسن القصص کہا گیا ہے۔

دوسری یہ کہ خداوند عالم نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ اس سورہ یا قرآن کے نزول سے پہلے آپ تو غافلین میں سے تھے جس کا ترجمہ عام مترجمین نے بے خبر اور ناواقف کیا ہے جو میرے نزدیک درست نہیں اگر من الجاھلین ہوتا تو پھر تو یہ ترجمہ درست تھا مگر یہاں تو من الغافلین ہے اور ظاہر ہے کہ جہالت اور غفلت مترادف الفاظ نہیں ہیں۔بلکہ جہالت کا مفہوم نہ جاننا،بے خبر ہونا اور ناواقف ہونا ہے اور غفلت کا مفہوم توجہ نہ کرنا اور کسی

چیز کی طرف التفات نہ کرنا ہے۔ الغرض جہالت نا معلوم چیز سے ہوتی ہے اور غفلت معلوم چیز سے بہر حال یہ سب وحی ربانی کا فیضان ہے ورنہ آپ کے پاس اس قصہ اور اس کے جزئیات کے تفصیلی علم کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ نہ عرب میں کوئی ایسا آدمی تھا جس سے آپ سنتے اور نہ ہی کسی کتاب میں یہ درج تھا جسے آپ پڑھتے۔ جبکہ اعلان نبوت سے پہلے حکمت الٰہی کے تحت آپ نہ لکھتے تھے اور نہ ہی پڑھتے تھے اور نہ ہی خدائی تعلیم سے قطع نظر آپ ذاتی طور پر کسی علم و آگہی کے مالک تھے بلکہ ان کا علم و فضل لدنی تھا۔

۳۔ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ... الآیۃ۔

جناب یوسف علیہ السلام کا نسب نامہ اور مختصر حالات زندگی

قبل ازیں سورہ ہود میں یہ بات گذر چکی ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو بشارت دی تھی کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام اسحاق ہوگا اور پھر اس لڑکے سے ایک لڑکا ہوگا جس کا نام یعقوب ہوگا انہی جناب یعقوب علیہ السلام کے مختلف زوجاؤں سے بارہ لڑکے تھے۔ جناب یوسف علیہ السلام اور بن یمین سب سے چھوٹے تھے اور ایک بیوی سے تھے جناب یوسف علیہ السلام کے خاندان میں تین پشتوں سے پیغمبری چلی آ رہی تھی۔ اور وہ خود بھی پیغمبر تھے۔ وطن و مسکن ارض فلسطین وادی جرون تھا جسے اب الخلیل کہتے ہیں اور مدفن بھی یہی ہے۔ بہ قول اغلب عمر از ۱۸۰۰ تا ۱۹۱۰ ق م۔ والدہ ماجدہ حضرت یعقوب کی محبوب بیوی جناب راحیل تھیں۔ جناب یوسف علیہ السلام حسین و خوبرو تھے اور آثار رشد بچپن سے نمایاں تھے اسلئے اپنے والد ماجد کی نظر میں محبوب ترین تھے آگے چل کر سچائی اور پاکدامنی میں اپنی نظیر آپ نکلے۔ عزیز مصر کی بی بی آپ پر ریجھی مگر آپ نے عصمت کا دامن نہ چھوڑا اور ہر طرح نفس پر قابو رکھا۔ سوتیلے بھائیوں کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ کنویں میں پھینکے گئے۔ جان کے لالے پڑ گئے کڑی سی کڑی آزمائشوں اور عزیز مصر کی غلامی کی منزل سے گذرتے ہوئے وزارت مملکت مصر بلکہ تخت شاہی تک جا پہنچے۔ علوم نبویہ الہیہ کے علاوہ تدبیر سلطنت میں بھی ملکہ رکھتے تھے اور قحط و خشک سالی کے انتظام میں نام دور دور تک پایا۔ قرآن مجید میں پوری سورہ یوسف آپ کے نام سے موسوم ہے اور آپ کے سبق آموز حالات و واقعات کے لئے وقف ہے (اعلام القرآن دریابادی)۔

بہر کیف جناب یوسف علیہ السلام نے صغر سنی کے عالم میں (بقول بعض مفسرین سات سال کی عمر میں اور بقولے تیرہ سال کی عمر میں) یہ خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور شمس و قمر آپ کے سامنے سجدہ کر رہے ہیں مخفی نہ رہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہاں سجدہ سے شرعی سجدہ مراد ہو یعنی اعضاء سبعہ کو زمین پر رکھ کر معروف ہیئت کے ساتھ زمین پر ماتھا ٹیکنا بلکہ ممکن یہ کہ یہاں اس کے لغوی معنی جھکنا مراد ہوں بنابریں مفہوم یہ

ہوگا کہ میں نے گیارہ ستاروں اور شمس وقمر کو دیکھا کہ وہ میرے سامنے جھک رہے ہیں جیسا کہ قدیم زمانے میں یہ طریقہ تھا کہ کسی کا استقبال یا سلام کرنے کے لئے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر آگے کی طرف جھکتے تھے اور اگر سجدہ سے شرعی سجدہ ہی مراد لیا جائے تو پھر اس سے سجدہ شکر مراد ہوگا نہ کہ سجدہ تعظیمی جو نہ کبھی پہلے جائز تھا اور نہ اب جائز ہے بہر حال پھر یہ خواب اپنے والد ماجد سے بیان کیا اور وہ سمجھ گئے کہ یہ رویائے صادقہ ہے اور بڑی اہمیت کا حامل ہے اس کا مطلب بالکل واضح تھا کہ گیارہ ستاروں سے مراد جناب یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور شمس وقمر سے مراد ان کے والدین ہیں چونکہ حضرت یعقوب کچھ جناب یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی حسن و جمال کی وجہ سے اور کچھ ان کے طبعی ہنر و کمال اور خوش خصال ہونے کے سبب تمام اولاد میں سے ان کے ساتھ زیادہ محبت کرتے تھے اس لئے اپنے پیارے بیٹے سے دو باتیں کہیں ایک یہ کہ بیٹا اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تیرے خلاف سازش کریں گے دوسری یہ کہ جس طرح خدا نے یہ خواب دکھایا ہے اسی طرح تمہارا پروردگار تمہیں نبوت کے لئے منتخب کرے گا اور تمہیں تعبیر خواب کا علم عطا فرمائے گا اور تم پر اور پورے خاندان پر اپنی نعمتیں پوری کرے گا۔

۴۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ...الآية

بے شک جناب یوسف علیہ السلام ان کے بھائیوں کے قصہ میں سوال کرنے والوں کے لئے عبرت کی کئی نشانیاں ہیں بھائیوں نے ایذا رسانی میں حد کر دی اور جناب یوسف علیہ السلام نے عفو درگزر کرنے میں حد کر دی۔

۶۔ اذ قالوا ... الآية۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو سب اولاد سے زیادہ اور غیر معمولی محبت یوسف سے تھی سوتیلے بھائیوں کی آتش حسد کو بھڑکانے کے لئے یہی بات کیا کم تھی کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح ان کو جناب یوسف علیہ السلام کے خواب اور ان کے والد ماجد کی تعبیر کی بھنک بھی پڑ گئی تھی جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ لہٰذا ان کے خلاف تدبیریں اور مشورے کرنے لگے کہ یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے یا دور کسی جگہ پھینک دیا جائے اب بالآخر طے ہوا کہ انہیں کسی اندھے کنویں میں ڈال دیا جائے اس طرح ہمارے باپ کی توجہ ہماری طرف رہے گی اور ہمارے سب کام سدھر جائیں گے۔

۷۔ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ ... الآية

یہ سازش تیار کر کے سب بھائی مل کر باپ کے پاس آئے کہ کسی طرح یوسف کو ان سے علیحدہ کر کے

اپنے ہمراہ لے جائیں جسے جناب یعقوب علیہ السلام لحہ بھر کیلئے اپنی نظر سے اوجھل نہیں کرتے تھے حالانکہ ہم ان کے خیر خواہ ہیں کل اسے ہمارے ہاں بھیجیں تا کہ وہ خوب کھائے پئے اور کھیلے کودے جناب یعقوب نے پہلے تو اندیشہ ظاہر کیا کہ ڈرتا ہوں کہ تم غفلت کرو اور اسے کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے بھائی کہنے بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ ہم ایک مضبوط جماعت ہیں چونکہ اس جگہ بھیڑیے بکثرت موجود تھے اور وہ عموماً بچوں کو پھاڑ دیا کرتے تھے اس بنا پر یا پھر چھٹی حس کے احساس کی بنا پر جناب یعقوب علیہ السلام نے یہ بات کہی تھی اور ممکن ہے کہ اتمام حجت اور پیش بندی کے طور پر یہ بات کہی ہو کہ برادران یوسف ان کو کوئی گزند پہنچا کر کل کلاں یہ نہ کہدیں کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا جس کا وہ خود پہلے سے سدباب کر چکے ہیں مگر ان کی حماقت قابل دید ہے کہ بالآخر انہوں نے وہی بات تراشی جس کو خود ناممکن کہہ چکے تھے کہ ہماری مضبوط جماعت کے ہوتے ہوئے کیا یہ ممکن ہے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا جائے الغرض جب ان لوگوں نے بڑا اصرار کیا اور بڑے حیلے بہانے کئے تو جناب یعقوب علیہ السلام بادل نخواستہ اجازت دینے پر مجبور ہو گئے اور یہ لوگ یوسف علیہ السلام کو ہمراہ لے گئے اور پہلے انہیں قتل کرنے کا ارداہ کیا مگر بڑے بھائی کی مزاحمت کرنے پر انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ انہیں کسی اندھے اور گہرے کنویں میں ڈال دیا جائے چنانچہ ظالموں نے ایسا ہی کیا مگر اس سے پہلے ان بے رحموں نے انہیں زدوکوب کیا اور طمانچے مارے اور جناب یوسف علیہ السلام کے دادوفریاد کرنے پر الٹا طعن و تشنیع کے تیر چلائے اور کہا بلاؤ ان گیارہ ستاروں اور شمس وقمر کو جنہوں نے تمہارے سامنے سجدہ کیا (مجمع البیان)۔

الغرض کنویں میں ڈالنے سے پہلے ان کی قمیض اتروائی اور پھر کنویں میں پھینک دیا۔ روایت میں وارد ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام ابھی پانی کی سطح تک نہیں پہنچے تھے کہ پروردگار کے حکم سے جبرئیل نے نیچے پر بچھائے اور اس طرح ان کو سہارا دیا اور پھر پوچھا کہ کس نے آپ کو یہاں بھیجا؟ فرمایا بھائیوں نے حسد کی وجہ سے ایسا کیا پھر کہا یہاں سے نکلنا چاہتے ہو؟ فرمایا یہ ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوب علیہم السلام کے اللہ کی مرضی پر منحصر ہے جبرئیل نے کہا کہ ان کا الہ کہتا ہے کہ یہ دعا پڑھو اللھم انی اسئلك بان لك الحمد لا الہ الا انت المنان بدیع السموات والارض ذو الجلال و الاکرام ان تصلی علیٰ محمد وال محمد و ان تجعل لی من امری فرجاً و مخرجاً و تزرقنی من حیث احتسب ومن حیث لا احتسب۔ چنانچہ جناب یوسف علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی اور خدا نے (دوسرے دن) کنویں سے باہر نکالنے کا انتظام کیا (تفسیر عیاشی وصافی)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ اسی حالت میں خدائے علیم وحکیم نے جناب یوسف علیہ

السلام کو وحی کی۔ لتنبئنهم بأمرهم هذا وهم لا يشعرون۔(پریشان نہ ہو) ایک دن آنے والا ہے کہ جب تم ان کو ان کا یہ معاملہ بتاؤ گے اور یہ اپنے اس فعل کے نتائج اور عواقب سے بے خبر ہیں (تفسیر عیاشی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے تھے اور نبوت مل گئی تھی اسی طرح جناب یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں ڈالا اور ان کو کنویں میں نبوت مل گئی جبکہ ان کی عمر سات برس تھی (عیاشی وصافی)

بہرکیف دوسری طرف برادران یوسف علیہ السلام ان کی قمیص پر جھوٹ موٹ خون لگا کر شام کو روتے پیٹتے آئے اور کہا ہم جنگل میں دوڑنے گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے اور ایک بھیڑیا آ گیا اور انہیں کھا گیا اور یہ ان کی خون آلود قمیص ہے جناب یعقوب علیہ السلام نے جب قمیص دیکھی تو فرمایا بھیڑیا بڑا سمجھدار تھا کہ یوسف علیہ السلام کو کھا تو گیا مگر قمیص کو خراش تک نہیں آنے دی۔(عیاشی وصافی)

مطلب یہ تھا کہ یہ تمہارے نفسوں کی کارستانی ہے اور یہ سراسر جھوٹ ہے بہرحال میں اس ہوش رُبا سانحہ پر صبر جمیل کروں گا نہ جزع فزع کروں گا اور نہ کسی سے شکوہ وشکایت کروں گا اور عالی ظرف انسانوں کی طرح اچھے صبر کا مظاہرہ کروں گا۔

آیات القرآن

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور ایک قافلہ آیا (اور وہاں اترا) تو انہوں نے (پانی لانے کے لئے) اپنا سقا بھیجا پس اس نے جونہی اپنا ڈول ڈالا (تو یوسف اس میں بیٹھ گئے جب ڈول کھینچا) تو پکار اٹھا مبارک باد یہ تو ایک لڑکا ہے اور ان لوگوں نے اسے سرمایہ تجارت سمجھ کر چھپا رکھا اور وہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس سے خوب واقف تھا (۱۹) اور (ادھر برادران یوسف بھی آ پہنچے اور یوسف کو اپنا غلام ظاہر کر کے) بالکل کم قیمت پر یعنی گنتی کے چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا۔ اور ان (بھائیوں) کو اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ (بلکہ اس سے بیزار تھے) (۲۰) اور پھر (اس قافلہ والوں سے) مصر کے جس شخص (عزیز مصر) نے اسے (دوبارہ) خریدا تھا اس نے اپنی بیوی (زلیخا) سے کہا اسے عزت کے ساتھ رکھنا ہو سکتا ہے کہ ہمیں کچھ فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں اور اسی طرح (حکمت عملی سے) ہم نے اس (یوسف) کو سرزمین مصر میں تمکین دی (زمین ہموار کی تاکہ اسے اقتدار کے لئے منتخب کریں) اور خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کریں اور اللہ اپنے ہر کام پر غالب ہے (اور اس کے انجام دینے پر قادر ہے) لیکن اکثر لوگ (یہ حقیقت) نہیں جانتے (۲۱) اور جب وہ (یوسف) پوری جوانی کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکمت اور علم عطا کیا اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ (۲۲)

تشریح الالفاظ

۱۔ سیارہ کے معنی ہیں قافلہ۔ ۲۔ وارد۔ کے معنی ہیں پانی پر آنے والا۔ ۳۔ بضاعہ کے معنی ہیں تجارت کا سامان اور پونجی۔ ۴۔ شروہ شری یشری خرید و فروخت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ۵۔ بخس اس کے معنی ہیں ناقص اور کھوٹے۔ ۶۔ بلغ اشدہ جب وہ اپنی بلوغت اور جوانی کی عمر کو پہنچا۔

تفسیر الآیات

۱۔ وَجَآئَتۡ سَیَّارَةٌ... الآیة

برادران یوسف علیہ السلام جب یوسف کو کنویں میں ڈال کر چلے گئے ادھر مہربان خدا نے جناب

یوسف علیہ السلام کی اس مصیبت سے گلوخلاصی کا یہ انتظام کیا کہ عربوں کا ایک قافلہ مصر جا رہا تھا جب وہاں پہنچا اور پانی کے منتظم (سقہ) کو بھیجا کہ پانی لائے تو جب اس نے کنویں میں ڈول ڈالا تو جناب یوسف علیہ السلام ڈول سے چمٹ گئے تو سقہ نے زیادہ بوجھ محسوس کیا جب جھانک کر دیکھا تو دیکھا کہ کنویں میں ایک خوبصورت لڑکا موجود ہے وہ چلایا کہ خوش خبری ہو اس میں تو ایک لڑکا ہے جسے انہوں نے متاع گرانمایہ سمجھ کر چھپایا کہ اس بات کی تشہیر نہ ہو جائے یہ خوش اس لئے ہوئے تھے کہ اس دور میں بردہ فروشی کا عام رواج تھا لہٰذا وہ اسے نفع کی چیز سمجھ کر خوش ہوئے ادھر برادران یوسف بھی صبح وہاں جا پہنچے کہ دیکھیں یوسف ہنوز کنویں میں زندہ ہیں یا فوت ہوئے جب یہ ماجرا دیکھا تو چلائے کہ یہ تو ہمارا غلام ہے جو کنویں میں گر گیا تھا اور اسے نکالنے کے لئے ہم یہاں آئے ہیں اور پھر جناب یوسف علیہ السلام کو علیحدہ لے جا کر ڈرایا دھمکایا کہ اگر غلامی کا انکار کیا تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے جناب یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا مجھے قتل نہ کرو اور جو چاہو کرو چنانچہ انہوں نے تھوڑی سی حقیر قیمت یعنی چند درہموں کے عوض انہیں فروخت کر دیا کیونکہ انہیں یوسف میں کوئی دلچسپی نہ تھی وہ تو چاہتے تھے کہ ان کے کرتوتوں پر پردہ پڑا رہے اور راز فاش نہ ہو ایک روایت میں ہے کہ وہ کل بیس درہم تھے اور دوسری روایت میں اٹھارہ درہم وارد ہیں (علل الشرائع، عیاشی وصافی)

الغرض جب یہ قافلہ سرزمین مصر میں پہنچا تو دوسرے سامان تجارت کے ساتھ یہ گوہر گرانمایہ بھی فروختگی کے لئے بازار مصر پہنچ گیا اور لوگ جوق در جوق اس کی خریداری کے لئے آنے لگے اور بڑھ چڑھ کر قیمت پیش کرنے لگے بالآخر قرعہ فال عزیز مصر کے نام پڑا۔ جو بادشاہ مصر ریان بن ولید کا خزانچی تھا اور اس کا نام قطفیر اور بروایتے اظفیر تھا۔ الغرض اس نے اپنی بیوی (زلیخا) سے کہا تم اسے عزت و احترام کے ساتھ رکھو شاید ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں ارشاد قدرت ہے اس طرح ہم نے یوسف کا مصر میں قدم جما دیا اور انہیں تعبیر الرؤیا کا علم سکھا دیا بے شک اللہ اپنے ہر کام پر غالب ہے۔

۸۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ... الآیۃ

جناب یوسف علیہ السلام کو بھرپور جوانی میں علم وحکمت کے عطا کئے جانے کا تذکرہ

ایک کہاوت ہے کہ ہونہار پروا کے چکنے چکنے پات" خداوند علیم و حکیم جن ذوات مقدسہ کو اپنے فیضان نبوت و رسالت سے نوازنا چاہتا ہے ان کو بدو خلقت میں ایسی خصوصیات سے نوازتا ہے کہ وہ سلیم الطبع شرافت

نفسی، بلند حسبی اور عالی نسبی میں عام لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں اگر چہ کچھ علم تو وہ ابتدائے خلقت سے ہی لدنی طور پر منجانب اللہ دنیا میں لے کر آتے ہیں مگر چونکہ علم وفضل قابل ازدیاد چیز ہے اس لئے خدا ان کے علم و کمال میں برابر اضافہ کرتا رہتا ہے حتی کہ جب وہ عمر کے اس حصہ میں پہنچتے ہیں جس میں ان کی جسمانی وعقلی قوتیں اور فطری قوتیں پوری طرح نشونما پا کر اپنے تمام وکمال تک پہنچ جاتی ہیں جو عموماً تیس و چالیس کے درمیان کی مدت ہے تو اس وقت مبدا فیض وجود سے ان کو خصوصی علوم نبویہ اور کمالات انسانیہ سے نوازا جاتا ہے اور اس وقت ان سے اپنی نبوت ورسالت کا اعلان کرایا جاتا ہے جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس پر جناب یحییٰ علیہ السلام اور جناب عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر بعض انبیاء ومرسلین کے حالات وواقعات سے بڑی تیز روشنی پڑتی ہے چنانچہ یہاں حکم سے نبوت اور حکمت اور علم سے شریعت کا علم مراد ہے ایک دوسرے مقام پر یہی الفاظ جناب موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں استعمال کیے گئے ہیں۔ فتدبر وتشکر۔

آیات القرآن

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ

كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۜ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ﴿٢٩﴾

ترجمۃ الآیات

اور پھر وہ (یوسف) جس عورت کے گھر میں تھا وہ اپنی مطلب براری کے لئے اس پر ڈورے ڈالنے لگی (چنانچہ) ایک دن سب دروازے بند کر دیئے گئے اور کہا بس آ جاؤ۔ یوسف نے کہا معاذ اللہ (اللہ کی پناہ) وہ (تیرا شوہر) میرا مربی و محسن ہے اس نے مجھے بڑی عزت سے (اپنے گھر میں) ٹھہرایا ہے تو ان کے بدلے میں اس کی امانت میں خیانت کروں؟ (اے معاذ اللہ) بے شک ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔ (۲۳) اس عورت (زلیخا) نے گناہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور وہ مرد (یوسف) بھی اس کا ارادہ کرتا اگر اپنے پروردگار کا برہاں نہ دیکھ لیتا ایسا ہوا تا کہ ہم اس (یوسف) سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں۔ بے شک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھا (۲۴) اور وہ دونوں ایک دوسرے سے پہلے دروازہ تک پہنچنے کے لئے دوڑے اور اس عورت نے اس مرد (یوسف) کا کرتہ پیچھے سے (کھینچ کر) پھاڑ دیا اور پھر دونوں نے اس عورت کے خاوند کو دروازے کے پاس کھڑا ہوا پایا اسے دیکھتے ہی اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اس عورت نے بات بنائی اور کہا جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ بدکاری کرنے کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا کوئی دردناک عذاب دیا جائے (۲۵) یوسف نے کہا (حقیقت یہ ہے کہ) خود اسی نے اپنی مطلب برآری کے لئے مجھ پر ڈورے ڈالے اور مجھے پھسلانا چاہا اس پر اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک نے گواہی دی کہ اگر یوسف کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا (۲۶) اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا (۲۷) پس جب اس (خاوند) نے یوسف کا کرتہ دیکھا کہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سے کہا یہ تمہاری مکاریوں میں سے ایک مکاری ہے بے شک تمہاری مکاریاں بڑی سخت ہوتی ہیں (۲۸) پھر یوسفؑ سے کہا اے یوسف! اس بات سے درگزر کر (اے جانے دے) اور بیوی سے کہا اپنے گناہ کی معافی مانگ یقیناً تو خطا کاروں میں سے ہے (۲۹)

تشریح الالفاظ

ا۔راودتہ۔مراودۃ کے معنی ہیں دھوکا دینا اور گناہ کی ترغیب دینا (۲) ھیت لک کے معنی ہیں یہاں آؤ۔ آؤ (۳) قدت۔قد کے معنی ہیں چیرنا پھاڑنا اور لمبائی میں چیرنا۔ ۴۔کیدکن۔کید کے معنی ہیں مکروفریب۔

تفسیر الآیات

۹۔ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي ...الآیۃ۔

جناب یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی حسن و جمال اور زلیخا کے انہیں بہلانے پھسلانے کا تذکرہ

چونکہ خداوند عالم نے جناب یوسف علیہ السلام کو اس غیر معمولی حسن و جمال سے نوازا تھا کہ جو مرد آپ کو دیکھتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا اور جو عورت آپ کو دیکھتی وہ آپ پر فریفتہ ہو جاتی چنانچہ عزیز مصر کی بیوی آپ پر فریفتہ ہوگئی ایک طرف جناب یوسف علیہ السلام کا حسن دوسری طرف زلیخا کے ہاں مال و دولت کی فراوانی اور تیسری طرف بنا بر مشہور انکے شوہر کا خواجہ سرا یا نامرد ہونا جس نے محض دل بہلانے کے لئے زلیخا سے شادی کر رکھی تھی (ترجمہ فرمان)۔

اور چوتھی طرف زلیخا کی جوانی یہ چیزیں مل کر جلتی پر تیل چھڑک رہی تھیں اور زلیخا کو شہوت رانی پر آمادہ کر رہی تھیں مگر اس کی ظاہری عزت وعظمت اور کبریائی و بڑائی اسے روک رہی تھی کہ خاوند کے زرخرید غلام کے سامنے جھکے کچھ عرصہ تک تو وہ یہ اعصابی جنگ لڑتی رہی۔مگر آخر کار شہوانی خواہش کے سامنے سپرانداز ہونا پڑا اس لئے اس نے بڑے لطائف الحیل سے جناب یوسف علیہ السلام جیسے پاکباز نوجوان کو بہلانا پھسلانا شروع کیا۔

من از آں حسن دل افروز کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بیروں آرد زلیخارا

انجام کار جناب یوسف علیہ السلام کو اپنے خلوت خانے میں بلایا تمام دروازے بند کئے جو بقول بعض مفسرین کل سات دروازے تھے۔(مجمع البیان)

اور شرم وحیا کا پردہ چاک کر کے اور بڑے ناز و ادا سے کہا ھیت لك۔۔۔(آ بھی جا) مگر جناب

یوسف علیہ السلام اس درخواست کو پائے استحقار لے ٹھکرا دیتے ہیں۔ اور پیغمبرانہ جلال و استقلال سے فرماتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ عزیز مصر میرا محسن و مربی ہے یعنی ایسے محسن کی آبروریزی کروں۔ ع

یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے۔

اپنے مربی سے برائی کرنا ظلم ہے اور ظالم کبھی فوز و فلاح نہیں پاتے۔

جب زلیخا نے کچھ زیادہ دباؤ ڈالا تو جناب یوسف علیہ السلام نے اپنے دامن عصمت کو داغدار ہونے سے بچانے کے لئے باہر دوڑنا شروع کیا قدرت نے دروازے کھولنے شروع کئے یوسف علیہ السلام آگے آگے اور زلیخا پیچھے پیچھے قرآن گواہ ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام کا کرتہ پچھلی طرف سے تار تار ہو جاتا ہے مگر ان کا دامن عصمت داغدار نہیں ہوتا۔

وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ... الآیۃ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا تذکرہ

اس آیت کے بارے میں مختلف مفسرین نے بڑی عجیب و غریب بحثیں کی ہیں اور یہ سب الجھنیں اس لئے پیش آئی ہیں کہ انہوں نے "وھم بہا" پر وقف کیا ہے۔ حالانکہ یہ وقف برہان ربہ پر ہے۔ جیسا کہ اہلبیت نبوت کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اوقاف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کردہ تو نہیں ہیں جن کی خلاف ورزی ناجائز ہو بنابریں اس آیت کا صاف و صریح مفہوم یہ ہے کہ اس عورت (زلیخا) نے تو (گناہ کا) ارادہ کر لیا تھا۔ اور وہ مرد (یوسف) بھی اس کا ارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کے برہان کو نہ دیکھ لیتے" بنابریں لولا ان رآ برھان ربہ شرط موخر اور ھم بہا جزاء مقدم ہے۔ لیکن چونکہ وہ برہان ایزدی کا مشاہدہ کر چکے تھے لہٰذا گناہ کرنے کا ارادہ تک نہیں کیا۔ اور یہی مفہوم ان کی شان نبوت کے شایان شان ہے۔

وہ برہان الٰہی کیا تھا؟

اس بات میں قدرے اختلاف ہے کہ وہ برہان پروردگار کیا تھا؟ محققین کا میلان تو اس طرف ہے کہ وہ برہان جناب یوسف علیہ السلام کی نبوی عصمت و طہارت تھی۔ اور بعض مفسرین نے اس سے وہ واقعہ مراد لیا ہے۔ جو زلیخا کے خلوت خانے میں پیش آیا ہوا یوں کہ وہاں ایک بت رکھا ہوا تھا۔ جب زلیخا نے برائی کا ارادہ ظاہر کیا تو اس پر چادر تان دی۔ جناب یوسف علیہ السلام نے اس ماجرا کا پس منظر پوچھا تو زلیخا نے بتایا کہ یہ میرا معبود ہے جس کی میں پرستش کیا کرتی ہوں اور آج چونکہ گناہ کا ارادہ کیا ہے تو مجھے اپنے معبود سے شرم آتی ہے

کہ اس کے سامنے کس طرح گناہ کروں اس پر جناب یوسف علیہ السلام نے پورے پیغمبرانہ جاہ وجلال کے ساتھ فرمایا۔ او ضعیف العقل عورت! تو تو اپنے اس خدا سے شرم کرتی ہے جو نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ سن سکتا ہے تو کیا میں اپنے اس پروردگار سے شرم نہ کروں جو دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی الغرض جو حاضر و ناظر ہے جس کے قبضہ قدرت میں میرا نفع بھی ہے اور نقصان بھی موت بھی ہے اور حیات بھی؟ یہ کہا اور پھر باہر دوڑنا شروع کیا۔ (مجمع البیان، تفسیر کبیر وغیرہ) اور قدرت نے سب بند دروازے کھول دیئے۔

۸۔ وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ... الآیۃ۔

جب جناب یوسف علیہ السلام اور زلیخا دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور جب باہر نکلے تو زلیخا کا شوہر عزیز مصر دروازہ پر کھڑا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی پہلے تو جھینپ گئی مگر جلد سنبھل گئی اور اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے جناب یوسفؑ پر جھوٹا الزام لگا دیا اور پھر خود ہی سزا تجویز کرنے لگی اور خاوند سے کہا کہ جو آپ کے اہل خانہ سے برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا یہی ہونی چاہئے کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے یا کوئی دردناک سزا دی جائے۔ مگر جناب یوسف علیہ السلام نے حقیقت حال واضح کی کہ خود اسی (زلیخا) نے مجھ پر ڈورے ڈالے عزیز مصر حیران و پریشان ہے کہ کسے سچا اور کسے جھوٹا قرار دے؟ کہ اسی عورت کے خاندان کے ایک آدمی نے گواہی دی کہ یوسف علیہ السلام کا کرتا دیکھا جائے اگر آگے سے دوٹکڑے ہوا ہے تو عورت سچی ہے یوسف علیہ السلام (معاذ اللہ) جھوٹا ہے۔ کیونکہ یہ کھلی ہوئی علامت ہے کہ اقدام یوسف علیہ السلام کی طرف سے ہوا ہے۔ لیکن اگر قمیص پیچھے سے دوٹکڑے ہوا ہے تو پھر عورت جھوٹی ہے اور یوسف علیہ السلام سچا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ عورت ان کے پیچھے پڑی ہوئی تھی اور وہ اس سے بچ کر بھاگنا چاہتے تھے اور اسی کشمکش میں قمیص پیچھے سے پھٹ گئی ہے چنانچہ جب آپ کی قمیص کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو عزیز مصر کو یقین ہو گیا کہ یوسف بے قصور ہیں اور سارا قصور اس کی اہلیہ کا ہے لہٰذا بول اٹھا یہ سب تم عورتوں کا مکروفریب ہے۔

وہ گواہ کون تھا؟

قرآن مجید میں تو اس گواہ کے تفصیلی حالات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گواہی دینے والا زلیخا کے کنبہ سے ایک شیر خوار بچہ تھا جسے خدا نے قوت گویائی عطا کر کے یہ گواہی دلوائی (تفسیر قمی وصافی)

بروایت امام زین العابدینؑ و امام جعفر صادق علیہ السلام اور یہی قول فریقین میں زیادہ مشہور ہے مگر

بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص زلیخا کے خاندان سے غیر معمولی عقل و دانش کا مالک آدمی تھا اگر چہ پہلی تفسیر کو بھی غلط نہیں کہا جا سکتا کیونکہ گہوارے میں لیٹے ہوئے بچہ کو قوت گویائی عطا کر کے اس سے گواہی دلوانا خدا کی بے پایاں قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے جیسا جناب عیسیٰ۔سے ان کی والدہ کی پاکدامنی کی شہادت دلوائی تھی۔ لیکن شہادت کے انداز اور عقلی قرینہ کے پیش کرنے سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ شخص بڑا معاملہ فہم اور دانشمند قسم کا آدمی تھا ورنہ اگر وہ بچہ ہوتا تو خرق عادت اور معجزہ کے طور پر اس کا یہ کہہ دینا ہی کافی ہوتا کہ یوسف سچا ہے اور زلیخا جھوٹی ہے اس کو عقلی شاہد پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ (تفسیر مجمع البیان وتفسیر قرطبی)۔واللہ العالم۔

بہرحال عزیز مصر نے جناب یوسف علیہ السلام سے صرف اتنا کہا اے یوسف اس معاملہ سے درگذر کر اور اس کا چرچا نہ کرتا کہ عام رسوائی نہ ہو۔ اور اپنی بیوی سے کہا۔ تو اپنے گناہ کی معافی مانگ کیونکہ تو ہی خطا کار ہے۔

آیات القرآن

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۫ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ

لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٣٥﴾

ترجمۃ الآیات

پھر (جب اس واقعہ کا چرچا ہوا تو) شہر کی عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان پر اپنی مطلب برائی کے لئے ڈورے ڈال رہی ہے اس کی محبت اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی ہے ہم تو اسے صریح غلطی میں مبتلا دیکھتی ہیں (۳۰) جب زلیخا نے ان عورتوں کی یہ مکارانہ باتیں سنیں تو اس نے انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے مسندیں لگادیں اور ہر ایک کو ایک چھری دے دی۔ (پھر جب وہ پھل کاٹ کر کھانے لگیں تو) اس نے یوسف سے کہا ذرا ان کے سامنے نکل آ پس جب انہوں نے دیکھا تو (حسن و جمال میں) انہیں بڑھا ہوا پایا (لہٰذا حیران رہ گئیں اور پھل کی بجائے) اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں (اور احساس تک نہ ہوا) اور (بے ساختہ) کہہ اٹھیں ماشاء اللہ یہ انسان نہیں ہے بلکہ کوئی معزز فرشتہ ہے (۳۱) عزیز کی بیوی نے کہا یہی وہ ہے جس کے بارے میں تم میری ملامت کرتی تھیں بے شک میں نے اس پر ڈورے ڈالے اور پھسلانے کی کوشش کی۔ مگر وہ بچا ہی رہا۔ (ہاں البتہ اب برملا کہتی ہوں کہ) اگر اس نے وہ نہ کیا جس کا میں اسے حکم دیتی ہوں تو پھر اسے ضرور قید کر دیا جائیگا۔ اور ضرور ذلیل بھی ہوگا (۳۲) یوسف نے (بات سن کر کہا) اے میرے پروردگار! اس کام کی نسبت جس کی یہ مجھے دعوت دے رہی ہیں مجھے قید خانہ پسند ہے اور اگر تو مجھ سے ان کے مکر و فریب کو دور نہ کرے۔ تو ہوسکتا ہے کہ میں ان کی طرف مائل ہوجاؤں اور اس طرح جاہلوں میں سے ہوجاؤں (۳۳) پس اس کے پروردگار نے اس کی دعا قبول کر لی اور اس سے ان عورتوں کے مکر و فریب کو دور کر دیا بے شک وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے (۳۴) پھر ایسا ہوا کہ باوجودیکہ وہ (یوسف کی پاکدامنی کی) نشانیاں دیکھ چکے تھے۔ تاہم انہیں یہی مناسب معلوم ہوا کہ ایک مدت تک اسے قید کر دیں (۳۵)۔

تشریح الالفاظ

ا۔شغفہا حباً۔محبت اس کے شغاف قلب یعنی اس کے دل کی جھلی تک پہنچ گئیہے۔۲۔صغر، صغارہ اور صغران کے معنی ہیں ذلیل وخوار ہونا۔۳۔اصب الیھن۔صبی یصبو کے معنی ہیں مشتاق ہونا،

تفسیر الآیات

۹۔وَ قَالَ نِسْوَۃٌ... الآیۃ۔

دوسروں پر تنقید اور نکتہ چینی کرنا انسان کا بالخصوص صنف نازک کا محبوب مشغلہ رہا ہے چنانچہ جب عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی اس وارفتگی اور عشق بازی کا چرچا عام ہوا تو عام زنان مصر عموماً اور طبقہ امراء کی خواتین کو خصوصاً خوب دلچسپ موضوع سخن ہاتھ لگ گیا۔وہ جہاں بھی جمع ہوتیں زلیخا پر طعن وتشنیع کے تیر چلاتیں کہ وہ اپنے زرخرید غلام پر فریضۃ ہوگئی ہے اور اس پر ڈورے ڈال رہی ہے مگر وہ اسے گھاس نہیں ڈالتا۔وہ گری بھی تو کس پر؟ اپنے غلام پر؟ اور اس کی یہ بیماری دل اس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ گئی ہے (قد شغفہا حباً) ہم تو اسے کھلی ہوئی گمراہی اور صریح حماقت میں مبتلا دیکھتی ہیں۔

زلیخا کی زنان مصر کو نیچا دکھانے کی تدبیر

جب زلیخا کو اپنے راز محبت کے فاش ہونے اور بڑے گھرانوں کی عورتوں کی زبان درازیاں کرنے اور طعن وتشنیع کے تیر چلانے کی اطلاع ملی یہاں مکر کا لفظ طعن اور تعریض کے معنی میں ہے تو اس کو بھی ان کو نیچا دکھانے کی ایک عجیب تدبیر سوجھی۔اس نے ایک شاہانہ دعوت کا اہتمام کیا امراء واعیان کی ان معزز خواتین کو بلایا گیا۔نشت گاہوں پر گاؤ تکیے لگائے گئے دسترخوان پر پرتکلف کھانے اور پھل فروٹ چن دیئے گئے گوشت اور پھل کاٹنے کے لئے ہاتھوں میں چھریاں بھی دے دی گئیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کا مصری تمدن چھری کانٹے سے ناآشنا نہ تھا۔یہ سب انتظام کر کے زلیخا نے جناب یوسف علیہ السلام سے کہا کہ ذرا ان سب کے سامنے آجاؤ جب حسن وجمال کا وہ پیکر نظریں جھکائے ہوئے ان امیرزادیوں کے سامنے آیا تو وہ اس کے جمال باکمال کو دیکھ کر مبہوت و مدہوش ہوگئیں ادھر زلیخا نے عین اس موقع پر ان رئیس زادیوں سے کہا کہ پھل کھاؤ انہوں نے عالم وارفتگی میں جب چھریاں چلائیں تو پھلوں کی جگہ اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں اور کہنے لگیں کہ ماشاء

اللہ یہ انسان نہیں یہ تو کوئی نوری فرشتہ ہے اس وقت زلیخا نے فاتحانہ انداز میں کہا یہی وہ یوسف ہے جس کے بارے میں تم میری ملامت کرتی تھیں اور طعنے دیتی تھیں جس کے حسن و جمال کے ایک جلوے کی بھی تم تاب نہ لاسکیں اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے مخفی نہ رہے کہ **قطعن ایدیھن** کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعاً ان سب نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے ہوں گے۔ اگر بعض نے کاٹے ہوں یا اگر سب نے یا بعض نے اپنے ہاتھ زخمی بھی کر لئے ہوں تو اس پر ہاتھ کاٹنا صادق آ سکتا ہے اور صیغۂ جمع لانے کے لئے کافی ہے الغرض اس موقع پر زلیخا نے واشگاف لفظوں میں اعتراف کیا کہ میں نے ان کو ورغلانے کی بڑی کوشش کی ہے مگر وہ معصوم اور پاکباز ثابت ہوا۔ ہاں البتہ اگر اس نے وہ نہ کیا جس کا میں حکم دیتی ہوں اور میرا مطالبہ نہ مانا تو اسے ذلیل کر کے قید کر دیا جائے گا جناب یوسف علیہ السلام نے قید خانہ پسند کیا اور اپنے دامن عصمت کو گناہ سے آلودہ کرنا پسند نہ کیا تفسیر قمی میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد ان تمام معزز خواتین نے جو اس شاہانہ دعوت میں شریک تھیں یکے بعد دیگرے جناب یوسف علیہ السلام کو اپنے دام محبت میں گرفتار کرنے کے پیغامات بھیجے مگر اس پیکر عصمت نے سب کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور کہا اے میرے پروردگار! مجھے قید خانہ پسند ہے بہ نسبت اس کے جس کی تحریک یہ عورتیں مجھ سے کرتی ہیں یہ بھی وارد ہے کہ ان زنان مصر نے زلیخا کی حاجت برآری کی سفارش بھی کی تھی (مجمع البیان)

بقول بعض مفسرین زلیخا کی داستان کی شہرت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ایک وزیر کی بیگم ہو کر اپنے ایک غلام کے دام محبت میں اسیر ہے بلکہ یوسف علیہ السلام کا اس کی خواہشات کو ٹھکرا دینا اور اس کی منت سماجت کے باوجود اس کی طرف نگاہ التفات نہ کرنا اس داستان کی شہرت کا باعث بنا۔ (ضیاء القرآن)

نیز واضح رہے کہ حاشا للہ کلمہ تعجب ہے جو جناب یوسف علیہ السلام کی عصمت اور کمال پاکبازی کے لئے استعمال ہوا۔

علمی لطیفہ

جناب یوسف علیہ السلام کی اس داستان سے جس کا بلا واسطہ یا بالواسطہ کچھ بھی تعلق ہے وہ یہ ہیں۔
۱۔ جناب یوسف۔ ۲۔ عزیز مصر کی بیوی۔ ۳۔ عزیز مصر۔ ۴۔ گواہ۔ ۵۔ زنان مصر۔ ۶۔ خدا۔ ۷۔ اور شیطان اور یہ سب جناب یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دے رہے ہیں۔

چنانچہ جناب یوسف علیہ السلام کہتے ہیں ھی راودتنی عن نفسی۔ زلیخا نے مجھے بہلانے پھسلانے کی کوشش کی اور ناکام رہی۔ زلیخا کہتی ہے **انا راودتہ عن نفسی فاستعصم**۔ کہ میں نے ان پر ڈورے

ڈالنے کی کوشش کی مگر وہ پاک وصاف رہا عزیز مصر کہتے ہیں انه من کیدکن ان کیدکن عظیم ۔ یہ تم عورتوں کی چال ہے بے شک تمہاری چال بڑی سخت ہے، زنان مصر کہتی ہیں حاش للہ ما علمنا علیه من سوء سبحان اللہ۔ ہم اس کی کوئی برائی نہیں جانتیں گواہ کہتا ہے کہ وان کان قمیصه قدمن دبر۔ اگر ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہو تو وہ سچے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصین ہم نے ان (یوسف) سے برائی اور بے حیائی کو دور کر دیا کیونکہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے اور شیطان نے اقرار کیا کہ فبعزتك لا غوینهم اجمعین الا عبادك منهم المخلصین کہ تیری عزت وعصمت کی قسم میں تیرے مخلص بندوں کے سوا باقی سب کو گمراہ کروں گا یہ ہے جناب یوسف علیه السلام کی اخلاقی فتح تو اس کے باوجود اگر کوئی کم بخت جناب یوسف کی پاکدامنی کا انکار کرتا ہے اور ان کے گنہگار ہونے پر اصرار کرتا ہے تو یقیناً وہ تو شیطان سے بھی گیا گزرا اور بدتر ہے۔

۱۰۔ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ ... الآیة

جناب یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کے اسباب

جناب یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی نشانیاں دیکھنے اور اس کا اقرار بھی کرنے کے باوجود ان کو قید کرنا کیوں مناسب سمجھا گیا اور یہ رائے کیوں ہوئی؟ اس کے متعدد علل واسباب ہو سکتے ہیں۔

۱۔ حیثیت عرفی کی بحالی کیلئے کہ لوگ سمجھیں کہ قصوروار یوسف علیہ السلام ہیں کہ نہ کہ عزیز مصر کی بیوی اور اس قسم کے چرچے ختم ہوں اور زبانیں بند ہو جائیں۔ ۲۔ زلیخا نے اپنی آتش انتقام بجھانے کے لئے اپنے خاوند کو اس پر آمادہ کیا۔ ۳۔ چونکہ اب بڑے بڑے گھرانوں کی عورتیں بھی جو زلیخا کی اس ضیافت میں شامل تھیں وہ بھی جناب یوسف علیہ السلام کے گن گانے اور ان کی محبت کا دم بھرنے لگی تھیں لہٰذا ان امراء واعیان نے بھی اپنی ناموس کی حفاظت کی خاطر یہی سمجھا کہ بے قصور یوسف علیہ السلام کو ہی کچھ عرصہ کے لئے زندان میں ڈال دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کیونکہ ہمیشہ نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد۔ اور سچ تو یہ ہے کہ بقول شاعر

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

آیات القرآن

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ

وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ۝۳۶ قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝۳۷ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ۝۳۸ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۝۳۹ؕ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۝۴۰

ترجمۃ الآیات

اور یوسف کے ساتھ دو اور جوان آدمی بھی قید خانہ میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں شراب (بنانے کے لئے انگور کا رس) نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ سر پر کچھ روٹیاں اٹھائے ہوں جن میں سے پرندے کھا رہے ہیں ہمیں ذرا اس کی تعبیر بتائیے ہم تمہیں نیکو کاروں میں سے دیکھتے ہیں۔ (۳۶) یوسف نے کہا جو (مقررہ) کھانا تمہیں دیا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ (تعبیر خواب) بھی منجملہ ان کے علوم ہے جو میرے پروردگار نے مجھے تعلیم دیئے ہیں۔ میں ان لوگوں کا دین و مذہب چھوڑے ہوئے ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے منکر بھی ہیں (۳۷) اور میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق، اور

یعقوب کے مذہب کا پیرو ہوں۔ہمیں یہ زیبا نہیں ہے کہ ہم کسی بھی چیز کو خدا کا شریک ٹھہرائیں یہ اللہ کا فضل ہے جو اس نے ہم پر اور سب لوگوں پر کیا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے (۳۸) اے قید خانہ کے میرے دونوں ساتھیو (یہ بتاؤ) آیا بہت سے جدا جدا خدا اچھے ہیں یا اللہ جو یگانہ بھی ہے اور سب پر غالب بھی ؟ (۳۹) اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی پرستش کرتے ہو ان کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے؟ کہ وہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نہیں اتاری ہے حکم وحکومت کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔یہی دین مستقیم (سیدھا دین) ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں (۴۰)۔

تشریح الالفاظ

ا۔ملۃ آبائی۔ملت کے معنی ہیں دین، مذہب، اعتقاد،قوم،رسم اور خون بہا۔اس کی جمع ملل ہے۔ ۲۔ الدین القیم۔کے معنی ہیں دین مستقیم یعنی سیدھا دین۔

تفسیر الآیات

۱۱۔وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ... الآیة

یوسف کا قید خانہ میں داخل ہونا

یہاں سے حضرت یوسف کے ابتلاء وامتحان کے نئے دور کا آغاز ہوتا ہے تاریخ ومشاہدہ شاہد ہیں کہ قید خانوں میں بڑے بڑے سفاک قاتل اور بڑے بڑے سنگ دل مجرم بھی جیل کی تنہائیوں میں موم کی طرح پگھل جاتے ہیں اور احساس جرم اور وفور ندامت سے دیواروں سے سر ٹکراتے ہیں۔ہاں البتہ جیلوں میں وہی لوگ ثابت قدم اور مطمئن رہتے ہیں جو بے قصور ہوتے ہیں اور ان کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے اور سینہ اطمینان کے نور سے لبریز ہوتا ہے وہ سقراط کی طرح یہ جانتے ہوئے بھی کہ پیالہ میں زہر ہے ہونٹوں سے لگا لیتے ہیں ظالموں کا جبر وتشدد اور جیل کی سلاخیں ان کے پائے استقلال میں کوئی لرزش پیدا نہیں کرسکتیں ایسے ہی قیدیوں میں سے ایک جناب یوسف علیہ السلام بھی ہیں جن کو ان کی بے گناہی کی یہ سزا دی گئی تھی کہ انہیں زندان میں ڈال دیا

گیا تھا حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ایک بار داروغہ نے آپ سے کہا مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے اس پر جناب یوسف علیہ السلام نے کہا آج تک مجھے جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ محبت کی وجہ سے ہے میری خالہ نے مجھ سے محبت کی تو میری طرف چوری منسوب کی میرے باپ نے مجھ سے محبت کی تو بھائیوں نے حسد کیا اور عزیز مصر کی بیوی نے محبت کی تو مجھے قید کرادیا۔(تفسیر صافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا آپ قیدیوں کی نظر میں بڑے ہر دلعزیز تھے آپ بیمار کی تیمارداری کرتے، محتاج کو قرضہ دیتے، کمزور کی مدد کرتے، الغرض ہر طرح قیدیوں سے حسن سلوک کرتے تھے(الکافی، القمی)

جس کی وجہ سے قیدی ان کو اپنا محسن سمجھتے تھے۔

دو قیدیوں کا زندان میں داخل ہونا

اتفاق سے اسی دن دو اور نئے قیدی بھی قید خانہ میں ڈالے گئے جن میں سے ایک شاہ مصر کے مطبخ کا ناظم اعلی تھا اور دوسرا اس کے ساتھیوں کا سردار تھا شاہ ان پر کسی وجہ سے ناراض ہوا اس نے انہیں زندان میں بھجوا دیا رات جیل میں گزاری جب صبح ہوئی تو انہوں نے جناب یوسف علیہ السلام سے کہا ہم نے رات خواب دیکھے ہیں آپ ہمیں ان کی تعبیر بتائیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جب شاہ نے جناب یوسف علیہ السلام کو زندان میں ڈالا تو خدائے مہربان نے انہیں تعبیر خواب کے علم کا الہام فرمایا۔اس لئے قیدی آپ سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے اور آپ انہیں بتایا کرتے تھے اس لئے ان نو وارد قیدیوں نے بھی آپ سے اپنے خواب کی تعبیر دریافت کی(تفسیر عیاشی)

جناب یوسف علیہ السلام زندان میں پیغمبرانہ شان سے توحید کی تبلیغ کرتے ہیں

جناب یوسف علیہ السلام نے ان قیدیوں سے پوچھا کہ تم نے خواب میں کیا دیکھا ہے؟ ایک نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ میں (شراب) بنانے کے لئے (انگور) نچوڑ رہا ہوں۔دوسرے نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے انہیں کھا رہے ہیں فرمایا تمہارا مقررہ کھانا پہنچنے سے پہلے میں تمہیں تمہارے خوابوں کی تعبیر اوران کا حال بتادوں گا۔اور میرا یہ علم کہانت، قیاس شناسی۔اور رمل و نجوم پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ وہ خاص علم ہے جو میرے پروردگار نے مجھے تعلیم دیا ہے مصری مذہب توحید اور آخرت کا منکر تھا

اور وہ لوگ جناب یوسف علیہ السلام کو اپنا ہم مذہب خیال کرتے تھے مگر آج آپ نے کھل کر توحید شروع کر دی اور فرمایا میں ان لوگوں کی ملت کا تارک ہوں جو خدا اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور میرا یہ عقیدہ کوئی نیا نہیں ہے بلکہ میرے آباؤ اجداد ابراہیمؑ، اسحقؑ اور یعقوب علیہم السلام اسی عقیدہ کے پرستار تھے اور میں انہی کا پیروکار ہوں ہم ہر قسم کے شرک کے منکر ہیں خواہ بت پرستی ہو یا ستارہ پرستی وغیرہ کسی قسم کا شرک ہمارے لئے روا نہیں ہے ذلک من فضل اللہ علینا۔ یہ اس کا فضل ہے جو اس نے ہم پر کیا ہے۔

اے یاران زندان! یہ تو بتاؤ کہ جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ بہتر ہے؟ جو سب پر غالب ہے؟ یعنی تم نے زندگی کے مختلف شعبے مختلف دیوی دیوتا کے حوالے کر رکھے ہیں کوئی ہوا چلاتا ہے کوئی بارش برساتا ہے، کوئی اولاد دیتا ہے، کوئی جائیداد دیتا ہے، کوئی موت دیتا ہے اور کوئی حیات دیتا ہے تو تم بتاؤ کہ ایک خدا کو راضی رکھنا آسان ہے یا متعدد خداؤں کو راضی رکھنا آسان؟ اور ایک معبود کی عبادت کرنا بہتر ہے یا مختلف معبودوں کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر تمام طاقت وقوت ایک مرکز میں مرتکز ہو تو زیادہ قوی ہے یا جب وہ مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے تو زیادہ طاقتور؟ مالکم کیف تحکمون جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کا بحیثیت معبود کوئی خارجی وجود نہیں ہے یہ تو محض تمہارے گھڑے ہوئے چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں حکومت تو صرف اللہ کے لئے ہے عالم تکوین ہو یا عالم تشریع تمام کائنات میں صرف خدائے واحد یکتا کا حکم چل رہا ہے اسی کا حکم ہے کہ اس کی عبادت کرو ذلک الدین القیم۔ یہی سیدھا دین ہے اور شرک کے جواز پر کوئی ادنی سی بھی عقلی یا نقلی دلیل قائم نہیں ہے۔

آیات القرآن

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ
فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ
تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ
رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾
وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ
وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ
اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ
بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ
اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا
فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ
وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ
تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا
قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا
قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ
فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمۃ الآیات

اے قید خانہ کے میرے دونوں ساتھیو (اب اپنے خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے (ایک

پہلا) تو وہ ہے جو اپنے مالک (شاہ مصر) کو شراب پلائے گا اور جو دوسرا ہے اسے سولی پر لٹکایا جائے گا اور پرندے اس کے سر کو (نوچ نوچ کر) کھائیں گے اس بات کا فیصلہ ہو چکا جس کے بارے میں تم دریافت کرتے ہو (۴۱) اور یوسف نے اس شخص سے کہا جس کے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ وہ ان دونوں میں سے رہا ہو جائے گا کہ اپنے مالک سے میرا بھی تذکرہ کر دینا لیکن شیطان نے اسے اپنے مالک سے یہ تذکرہ کرنا بھلا دیا پس یوسف کئی سال قید خانہ میں پڑا رہا (۴۲) (کچھ مدت کے بعد) بادشاہ نے کہا میں نے (خواب میں) سات موٹی گائیں دیکھی ہیں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہری ہیں اور سات دوسری سوکھی اے سردارو (درباریو) اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو تو پھر مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ (۴۳) انہوں نے کہا یہ تو پریشان خواب وخیالات ہیں (جن کی کوئی تعبیر خاص نہیں ہوتی) اور ہم خوابہائے پریشان کی تعبیر نہیں جانتے (۴۴) اس وقت وہ شخص جوان دو قیدیوں میں رہا ہوا تھا اور مدت کے بعد اسے (یوسف کا پیغام) یاد آیا تھا بولا میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتاتا ہوں ذرا مجھے (ایک جگہ) بھیج تو دو (۴۵) چنانچہ وہ سیدھا قید خانہ گیا اور کہا اے یوسف اے بڑے سچے ذرا ہمیں اس خواب کی تعبیر بتاؤ کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہری ہیں اور سات سوکھی تاکہ میں ان لوگوں کے پاس جاؤں (اور انہیں جا کر بتاؤں) شاید وہ (تمہاری قدر ومنزلت یا تعبیر) جان لیں (۴۶) یوسف نے کہا (اس خواب کی تعبیر یہ ہے) کہ تم متواتر سات سال کاشتکاری کرو گے پھر جو فصل کاٹو اسے اس کی بالی میں رہنے دو ہاں البتہ تھوڑا سا حصہ نکال لو جسے تم کھاؤ (۴۷) پھر اس کے بعد سات بڑے سخت سال آئیں گے جو وہ سب کچھ کھا جاؤ گے جو تم نے ان کے لئے ذخیرہ کیا تھا مگر تھوڑا سا بچے گا جسے تم محفوظ کر لو گے (۴۸) پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی اور اس کے ذریعہ ان کی فریادرسی کی جائے گی اور جس میں وہ (پھلوں کا رس) نچوڑیں گے (۴۹)

تشریح الالفاظ

ا۔سمان یہ سمین کی جمع ہے جس کے معنی ہیں موٹی۔ ۲۔عجاف یہ عجفاء کی جمع ہے جس کے معنی دبلی اور کمزور کے ہیں۔ ۳۔اضغاث الاحلام۔ڈراونے اور وہ مخلوط خواب جن کی حقیقت بیان نہ ہو سکے۔ ۴۔دابا۔ داب فی العمل کے معنی ہیں کسی کام کو مشقت سے مسلسل کرتے رہنا۔

تفسیر الآیات

۱۲۔یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ۔۔۔۔الآیۃ

جناب یوسفؑ اپنے یاران زندان کو ان کے خوابوں کی تعبیر بتاتے ہیں

اے یاران زندان! اب اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر سنو تم میں سے ایک (پہلا) قید سے رہا ہو جائے گا اور بدستور سابق اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرا سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے مروی ہے کہ تعبیر سننے کے بعد اس شخص نے کہا کہ میں نے جھوٹ بولا ہے دراصل میں نے اس قسم کا کوئی خواب نہیں دیکھا (تفسیر قمی)

اس پر جناب یوسف نے فرمایا کہ اب تو وہ مقدر ہو چکا ہے جس کے بارے میں تم سوال کرتے ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا اسی لئے بعض آثار میں وارد ہے کہ ہر کس و ناکس سے خواب کی تعبیر نہیں پوچھنی چاہئے ورنہ جو معبر کہدے اکثر اوقات ایسا ہی ہو جاتا ہے (دارالسلام نوری)

۱۳۔وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ۔۔۔الآیۃ

جناب یوسف علیہ السلام کا رہائی پانے والے شخص سے اسکے آقا کے پاس اپنا تذکرہ کرنے کیلئے کہنا

جناب یوسف علیہ السلام نے اس پہلے شخص سے کہا جس کے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ وہ قید سے نجات پانے والا ہے کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی ذکر کر دینا (کہ ایک بے قصور عرصے سے زندان میں پڑا ہے) مگر رہائی پانے کے بعد شیطان نے اسے یہ بات بھلادی کہ وہ اپنے آقا کے سامنے اس کا ذکر کرتا جس کی وجہ سے وہ

کئی برس تک قید خانہ میں رہے بعض مفسرین نے فانساہ الشیطان ذکر ربه میں دونوں جگہ (ہ) ضمیر کا مرجع جناب یوسف علیہ السلام کو قرار دیا ہے کہ شیطان نے آپ کو اپنے پروردگار کی یاد بھلا دی کہ اسے بھول کر نجات پانے والے شخص سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا اگرچہ بعض آثار سے بھی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے مگر یہ تفسیر ایک معصوم نبی کی شان کے منافی ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے بھلا ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہنے والے معصوم نبی کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کو بھول جائیں؟ اور پھر بھلائے بھی شیطان؟ اے معاذ اللہ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ دونوں جگہ اس ضمیر کا مرجع وہی رہائی پانے والا ساقی ہے اور رب جس کے لغوی معنی سید، مالک مصلح اور معبود کے ہیں یہاں اس کے مجازی معنی آقا اور بادشاہ مراد ہیں اور قرآن مجید میں یہ لفظ آقا کے معنی میں کئی جگہ استعمال ہوئی ہے بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ جب رب کی لفظ اضافت کے بغیر استعمال ہو تو اس سے مراد حقیقی معنوں میں رب العالمین ہی ہوتا ہے اور جب اضافت کے ساتھ استعمال ہو جیسے ربہ، رب البیت وغیرہ تو یہاں اس کے مجازی معنی یعنی آقا بھی مراد ہو سکتے ہیں ہاں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگرچہ عام عادی ذرائع اور مادی وسائل سے کام لینا جائز ہے مگر جناب یوسف علیہ السلام کے لئے اپنی رہائی کے لئے اپنے پروردگار عالم کے علاوہ اور کسی شخص پر اعتماد کرنا اور اسے ذریعہ قرار دینا ان کی شان کے شایان نہیں تھا سچ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین لہٰذا اسی ترک اولی کی وجہ سے انہیں سات سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ (تفسیر صافی)

۱۴۔ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ ... الآية

جناب جبرئیل کا بحکم پروردگار جناب یوسف کو دعا بتانا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ رونے والے پانچ ہیں جن میں ایک جناب یوسف علیہ السلام ہیں جو فراق پدر میں شب و روز میں اس قدر روتے تھے کہ قیدیوں کو اذیت ہوتی تھی اور آپ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ آپ دن کو رویا کریں یا رات کو؟ تاکہ ہم آرام کر سکیں چنانچہ آپ نے ان سے ایک بات پر مصالحت کی تھی (کتاب الخصال)

انہی حضرت سے مروی ہے کہ اسی دوران جناب جبرئیلؑ آپ کے پاس آئے اور کہا اے یوسف ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کریں اللهم اجعل لی فرجنا و مخرجا و ارزقنی من حیث احتسب ومن حیث لا احتسب (اصول کافی) نیز انہی جناب سے یہ بھی مروی ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام کی مدت قید ختم ہوئی تو اللہ نے آپ کو دعاء فرج پڑھنے کی اجازت دی۔ چنانچہ آپ نے اپنا رخسار زمین پر رکھ کر یہ دعا

پڑھی۔ اللھم ان کانت ذنوبی قد اخلقت وجھی عندك فانی اتوجه الیك بوجوه آبائی الصالحین ابراھیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب پس اللہ نے ان کی مصیبت دور فرمائی۔ عرض کیا گیا کیا ہم بھی یہ دعا اسی طرح پڑھیں؟ فرمایا تم اس طرح پڑھو۔ اللھم ان کانت ذنوبی قد اخلقت وجھی عندك فانی اتوجه الیك بنبیك نبی الرحمة محمد و علی و فاطمة والحسن والحسین لا ئمة (تفسیر قمی و مجمع البیان)

بہرحال جب خدائے متعال نے جناب یوسف علیہ السلام کو اس بلا و ابتلا سے نجات دینا چاہی تو اس کا ظاہری سبب یہ بتایا کہ بادشاہ مصر کو خواب دکھایا جو اوپر آیت ۴۳ میں مذکور ہے اور وہ سخت پریشان ہوا اور ملک کے مشہور معزز، منجم اور کاہن اکٹھے کیے گئے مگر کوئی بھی اس کی تسلی بخش تعبیر بیان نہ کر سکا اور اس خواب کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے اسے پریشان خواب و خیال قرار دیا کہ سوتے میں اس طرح کی باتیں پریشان خیالی میں نظر آجاتی ہیں اس موقع پر اس رہائی پانے والے قیدی (ساقیوں کے سردار) کو جناب یوسف علیہ السلام یاد آئے چنانچہ بادشاہ سے کہا میں ایک معبر کو جانتا ہوں جو ایسے خوابہائے پریشان کی تعبیر بتانے کا بڑا ماہر ہے بادشاہ نے اپنا شوق ظاہر کیا اور وہ آدمی اجازت لے کر سیدھا زندان میں جناب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور بادشاہ کا خواب پریشان بیان کیا جناب یوسف علیہ السلام نے اس فراموش گاہ کا نہ شکوہ کیا نہ شکایت اور نہ لعنت کی نہ ملامت بلکہ بڑی خندہ پیشانی سے اسے بادشاہ کے خواب کی وہ صحیح تعبیر بتائی جو آیت ۴۷ اور ۴۸ میں مذکور ہے جس کی برکت سے ملک ایک عظیم تباہی و بربادی سے بچ گیا۔

آیات القرآن

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمۃ الآیات

(یہ تعبیر سنکر) بادشاہ نے کہا اس شخص (یوسف) کو میرے پاس لاؤ پس جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے کہا اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کے معاملہ کی حقیقت کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ بیشک میرا پروردگار ان کے مکر و فریب سے خوب واقف ہے(۵۰)(چنانچہ بادشاہ نے ان سب عورتوں کو بلایا اور) پوچھا تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے اپنی مطلب براری کے لئے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے اور اسے پھسلانا چاہا تھا؟ سب نے ایک زبان ہوکر کہا حاشاللہ ہمیں تو اس کی ذرا بھر کوئی بھی برائی نہیں معلوم ہوئی (اس وقت) عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب جبکہ حق ظاہر ہو گیا (اور حقیقت حال بالکل آشکارا ہوگئی) تو وہ میں تھی جس نے اس (یوسف) پر ڈورے ڈالے تھے بے شک وہ سچے لوگوں میں سے ہے(۵۱)(یوسف نے کہا) یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا تاکہ عزیز مصر کو (مزید) علم ہو جائے کہ میں نے اس کی پس پشت (اس کی امانت میں) خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ خیانت کاروں کے مکر و فریب کو کامیاب نہیں ہونے دیتا(۵۲)

تشریح الالفاظ

۱۔ خطبان۔ خطب کے معنی ہیں حالت، معاملہ۔

۲۔ حصحص الحق۔ حصحص الحق کے معنی ہیں پوشیدگی کے بعد حق کا ظاہر ہونا۔

۳۔ لم اخنہ بالغیب۔ خان یخون کے معنی ہیں امانت میں خیانت کرنا یعنی میں نے پس پشت امانت میں خیانت نہیں کی۔

تفسیر الآیات

۱۵۔ وَقَالَ الْمَلِكُ... الآیۃ

بادشاہ مصر کا جناب یوسف علیہ السلام سے ملاقات کا مشتاق ہونا

جب اس شخص (ساقیوں کے سردار) نے جناب یوسف علیہ السلام کی بیان کردہ تعبیر اور ملک کو قحط سالی سے بچانے کی تدبیر بادشاہ کو سنائی تو بادشاہ کو یہ تعبیر و تدبیر اس قدر پسند آئی کہ وہ جناب یوسف علیہ السلام سے ملاقات کا مشتاق ہو گیا اور حکم دیا کہ انہیں زندان سے نکال کر دربار میں لایا جائے چنانچہ جب بادشاہ کا قاصد یہ پیغام لے کر جناب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا تو یہ اسیر بے تقصیر جو قریباً سات سال سے بے گناہی کی قید کاٹ رہا تھا بجائے اس کے کہ وہ رہائی کی نوید سن کر خوش ہو جاتے اور فوراً باہر آ جاتے جیسا کہ عموماً قیدیوں کا شیوہ و شعار ہے مگر جناب یوسف علیہ السلام کی اولوالعزمی نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور کہا جب تک اس الزام کی تحقیق نہ ہو جائے جو ان پر لگایا گیا ہے اس وقت تک قید خانہ چھوڑنے سے انکار کر دیا فرمایا بادشاہ سے کہو کہ پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کرائے کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام کی قید کے سلسلہ میں ان عورتوں کا بھی کچھ ہاتھ تھا جنہوں نے شاید اپنی ناکامی کی خفت مٹانے کے لئے کچھ الزام تراش لئے ہوں نیز جناب یوسف علیہ السلام اپنے محسن کی بیوی کا ذکر کر کے اسے رسوا نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے زلیخا کا ذکر نہیں کیا بلکہ زنان مصر کا کیا الغرض بادشاہ نے تحقیق شروع کی ان عورتوں کو بلایا اور ان سے حقیقت حال پوچھی چنانچہ ان سب نے ان کی پاک دامنی کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا حتی کہ اس موقع پر زلیخا نے بھی واشگاف الفاظ میں اپنے قصور وار اور جناب یوسف علیہ السلام کے بے قصور اور پاک دامن ہونے کا برملا اقرار کیا کیونکہ بقول آزاد مرحوم ''اب وہ ہوس کی خام کاریوں سے نکل کر عشق کی پختگی میں داخل ہو چکی تھی اب ممکن نہ تھا کہ اپنی رسوائی کے خیال سے اپنے محبوب کے سر الٹا الزام لگائے جب عورتوں نے یوسف کی پاکی کا اقرار کیا تو اس نے بھی خود بخود اعلان کیا کہ سارا قصور میرا تھا وہ بے جرم اور راست باز ہے۔'' (ترجمان القرآن)

۱۶۔ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ ... الآیۃ

اس آیت کے بارے میں مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ زلیخا کے کلام کا تتمہ ہے؟ اور بنابریں مطلب یہ ہوگا کہ میں نے برملا اپنے قصور کا اس لئے اقرار کیا ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام کو معلوم ہو کہ میں نے ان کے پس پشت حق گوئی سے کام لیا ہے اور ان سے خیانت نہیں کی کیونکہ اللہ خیانت کاروں کی چال کو کامیاب نہیں کرتا چونکہ زلیخا کا موحد ہونا ثابت نہیں ہے اس لئے اس کلام کو اس کا کلام قرار نہیں دیا جا سکتا یا یہ جناب یوسف علیہ السلام کا کلام ہے؟ اور یہی راجح ہے جس پر سیاق و سباق کے علاوہ خود شان کلام دلالت کرتی ہے بنابریں مطلب یہ ہوگا کہ میں نے اس واقع کی تحقیق اس لئے کرائی ہے کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے اور اسے مزید یقین و اطمینان حاصل ہو جائے کہ میں نے احسان فراموشی کرتے ہوئے اس کے پیچھے اس کی ناموس کے معاملہ میں ہرگز کوئی خیانت نہیں کی

کیونکہ خدا خیانت کاروں اور غداروں کی چال کو کامیاب نہیں کرتا بلکہ انہیں ذلیل و رسوا کرتا ہے اور انہیں ان کے مذموم عزائم میں نامرادونا کام کرتا ہے اوران کے بالمقابل اہل ایمان کی مدد ونصرت کرتا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے و حقا علینا نصر المومنین (ہم پر اہل ایمان کی نصرت کرنا لازم ہے) جس طرح یہاں زنان مصر کو ذلیل کر کے جناب یوسف علیہ السلام کی نصرت کی اور اس سے پہلے برادران یوسف کے مکر وفریب کو ناکام کر کے جناب یوسف علیہ السلام کو کامیاب کیا "وَ اَرَادُوۡا بِہٖ کَیۡدًا فَجَعَلۡنٰہُمُ الۡاَخۡسَرِیۡنَ" (الانبیاء......۷۰) ان لوگوں نے جناب ابراہیم علیہ السلام سے چالبازی کرنا چاہی مگر ہم نے ان سب کو ناکام کر دیا کیونکہ آئین فطرت اور قانون قدرت کے مطابق ناکامی ونامرادی اہل باطل کا اور کامیابی وکامرانی اہل حق کا مقدر ہے۔

قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

بارہویں پارہ کا ترجمہ اوراس کی تفسیر آج مورخہ ۱۸ نومبر ۲۰۰۱ء بمطابق ۲ ماہ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ بروز اتوار بوقت ساڑھے دس بجے دن بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا اوراس کی تکمیل کے ساتھ تفسیر کی چوتھی جلد بھی مکمل ہوگئی۔ والحمد للہ رب العالمین

وانا الاحقر محمد حسین النجفی بقلمہٖ

❁ ❁ ❁ ❁ ❁